تذکرۂ فریدِ ملّت

(مجموعۂ مضامین)

مرتب
علّامہ محمد عمر حیات الحسینی

منہاج القرآن پبلیکیشنز

تذکرۂ فریدِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ

﴿مجموعہ مضامین﴾

مرتب

علامہ محمد عمر حیات الحسینی

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**تذکرۂ فریدِ ملّت** ؒ ﴿مجموعہ مضامین﴾
مرتب	:	علامہ محمد عمر حیات الحسینی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2009ء
تعداد	:	1,100
قیمت	:	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَـوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُـحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

فہرس

صفحہ	عنوانات
۹	✿ اِبتدائیہ
۱۳	✿ منقبت (مظفر وارثی)
۱۵	✿ منقبت (ضیاء نیر)
۱۷	✿ منقبت (نور اَحمد نور)
۱۹	۱۔ ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کے آباء و اَجداد اور مختصر سوانح (مولانا عبدالحق ظفر چشتی)
۳۷	۲۔ حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی اجازات و اسانید حدیث (محمد عمر حیات الحسینی)
۵۵	۳۔ حسنِ سراپا (محمد الیاس اعظمی)
۵۸	۴۔ ایک نادرِ روزگار ہستی سے وابستہ چند یادیں، چند مشاہدات (علامہ محمد اشرف سیالوی)

عنوانات	صفحہ
۵۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کا علمی مقام (علامہ مفتی محمد خان قادری)	۶۵
۶۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ: فن طب کے عظیم محقق (ڈاکٹر علی اکبر قادری)	۸۷
۷۔ حضرت فرید ملتؒ اور نسبتِ رسالت ﷺ (ریاض حسین چودھری)	۱۰۳
۸۔ خانوادہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت و تعلق (رانا جاوید القادری)	۱۱۶
۹۔ حضرت فریدِ ملّتؒ: عصر حاضر کی اِحیائی تحریک کی خشتِ اَوّل (محمد فاروق رانا)	۱۳۲
۱۰۔ روحانی ذوق - حیاتِ فریدؒ کا ایک درخشاں باب (چوہدری محمد اشرف قادری)	۱۵۱
۱۱۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کی شانِ توکل و اِستغناء (شیخ الحدیث مولانا محمد معراج الاسلام)	۱۷۰
۱۲۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ: بحثیت سربراہِ خاندان (مسز رفعت جبیں قادری)	۱۷۶

عنوانات	صفحہ
۱۳۔ حضرت فرید ملتؒ: اکابرین اور معاصرین کی نظر میں	۲۰۲
۱۴۔ الْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِیهِ حضرت فرید ملتؒ کے علم و فضل کی روشنی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے منہجِ علمی اور اسلوبِ دعوت کا جائزہ (محمد عمر حیات الحسینی)	۲۳۲
❁ سفر آخرت (صبغت اللہ قادری)	۲۹۱
❁ حضرت فرید ملتؒ: ایک عظیم شاعر	۲۹۷

اِبتدائیہ

ایک شخص جس کی اُنگلیوں کی پوریں، لوگوں کی نبضوں میں چھپے امراض کو بھی تلاش کر لیتی تھیں اور تسبیح کے دانوں پر اپنے ربِ کریم کی رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں کو بھی ٹٹولتی رہتی تھیں۔ جس کے علم اور تجربے و مشاہدے نے صحت کے ضرورت مندوں کو تندرستی کی نعمت سے بھی مالا مال کیا اور اُمتِ مسلمہ کو زوال و انحطاط سے نکالنے کے لئے اپنے فیضانِ تربیت سے عالم اِسلام کو شیخ الاسلام علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں مسیحا عطا کیا ہے۔ یہ مسیحا حضرت فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کے صاحبِ تدبیر، صاحبِ جنوں، خود ساز، عہد ساز اور ناقابلِ تسخیر جذبوں کا کامل عکاس ہے۔ کیوں کہ آپ کے دل میں تجدید و احیائے دین کی تڑپ موجود تھی۔ وہ نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ وہ اجلی اور شفاف زندگی کے سارے زینوں سے آگاہ تھے۔ وہ گفتار، رفتار اور کردار کے اعتبار سے ایک مثالی انسان تھے۔ ان کے ارادے پہاڑ کی طرح مضبوط اور اِن کے عزائم ستاروں کی طرح روشن تھے۔ اِن کے لہجے میں وقار، گفتگو میں گہرائی و گیرائی، طبیعت میں درویشی اور مزاج میں دُور اندیشی کے سارے رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بصیرت اور دانش کا پیکر تھے۔ اِن کی شخصیت خوبیوں کا مرقع اور رعنائیوں کا گلدستہ تھی۔ وہ افسردہ چہروں، بے لباس جسموں، مرجھائی ہوئی آنکھوں اور درد سے معمور دلوں کی ہمدردی سے بھرا ہوا دل رکھتے تھے۔ وہ زندگی بھر زندگی ہارے ہوئے مفلوک الحال اور محروم لوگوں کے معالج اور سرپرست رہے۔

حضرت فرید ملتؒ مفاد پرستیوں، خود غرضیوں اور نفسا نفسی سے اَٹے ہوئے ماحول میں خلقِ خدا کی بے لوث خدمت کو شعار بنائے رکھا۔ وہ اُن لوگوں کو سکھ کی چھاؤں فراہم کرنے کی تڑپ رکھتے تھے جن کے سفر زندگی کے صحرا میں شاخ بھر چھاؤں بھی باقی

نہیں رہی تھی۔ اِن کی ذات دُکھیوں اور طرح طرح کی بیماریوں میں جکڑے ہوئے لوگوں کے لئے ایک سائبان کی طرح تھی۔ وہ مسائل میں گھری، سسکتی، بلکتی اور تڑپتی آدمیت کا دُکھ محسوس کرنے والے دردمند معالجِ جسمانی اور روحانی تھے۔ وہ فلاحِ انسانیت کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ عالم، فاضل، محقق، مدقق اور مفکر سبھی کچھ تھے۔ مگر اِن کی ذات اور شخصیت کا سب سے زیادہ ششدر اور حیران کر دینے والا پہلو یہ ہے کہ وہ شعور مقصدیت سے کاملاً آگاہ تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ شعور مقصدیت ایک عظیم نعمت ہے اور بامقصد زندگی گزارنے والا نہ صرف اپنی زندگی میں ایک تحریک ہوتا ہے بلکہ موت سے ہم آغوش ہو کر بھی کروڑوں زندگیوں کو مقصدیت کی نعمتِ عظمیٰ عطا کر جاتا ہے۔ حضرت فریدِ ملتؒ کا شمار یقیناً انہی ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے زندگی کو زندوں کی طرح گزارا اور جب اِس دنیائے فانی سے رُخصت ہوئے تو اُمتِ مسلمہ کو ایک ایسا مسیحا دے گئے جو ایک جہاں کو زندہ کر رہا ہے۔

حضرت فرید ملتؒ نے اپنی زندگی کا ماحصل ایک شخصیت کی صورت میں ہمیں دیا اور اپنے جگر گوشہ کی تربیت کچھ اِس انداز سے فرمائی کہ اب وہ ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک فکر، ایک تاریخ اور ایک تحریک ہے۔ ایک جذبہ ہے جو دلوں میں ایک ولولہ تازہ پیدا کر رہا ہے۔ ایک نور ہے جو ہر سُو اُجالا بکھیر رہا ہے۔ ایک ہمہ جہتی تحریک جو اُمتِ مسلمہ کو امن و اتحاد کی لڑیوں میں پروتی چلی جا رہی ہے۔ حضرت فرید ملتؒ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا اِس سے بہتر اور مؤثر دوسرا کوئی طریقہ نہیں کہ خونِ دل دے کر اِس پودے کو سینچیں جس کی آبیاری خود انہوں نے خونِ جگر سی کی ہے۔

حضرت فریدِ ملتؒ کی سیرت اور اُن کی تعلیمات کو منظر عام پر لانا تحریک منہاج القرآن کے ذمے ایک قرض ہے جسے چکا دینے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ تحریک منہاج القرآن کے پس منظر میں حضرت فرید ملتؒ کی محنت، خواہش اور علمی و روحانی فیوض و برکات پوری طرح شامل ہیں۔ حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت تحریک منہاج القرآن کے تعارف کا

ایک اہم ترین حوالہ ہے۔ لہٰذا حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت پر جامع، مدلل اور ٹھوس حقائق پر مبنی ضخیم کتاب کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔

حضرت فرید ملتؒ کے بارے میں مختلف رسائل و جرائد میں بالعموم اور ماہنامہ منہاج القرآن میں بالخصوص مضامین اور مقالات شائع ہو چکے تھے، اور احقر نے بھی دو مقالے مرتب کیے ہیں۔ سوچا اِس اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سر دست اِن مضامین کو یکجا کر دیا جائے تا کہ وابستگان کی تسکینِ روح کا سامان ہو سکے۔ اس لیے ''ماہنامہ منہاج القرآن'' جون ۱۹۹۰ء کی خصوصی اشاعت ''حضرت فریدِ ملتؒ نمبر'' کے جملہ مقالات کو بھی اِس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جب کہ حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت پر جامع، مدلل اور ٹھوس حقائق پر مبنی ضخیم کتاب معروف دانش وَر پروفیسر محمد نصر اللہ معینی مرتب کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت فریدِ ملتؒ کے علمی و روحانی فیوضات و برکات سے دامن کو مالا مال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

محمد عمر حیات الحسینی

ربیع الاوّل، ۱۴۳۰ھ

منقبت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ

قادری قلندر تھے ڈاکٹر فرید الدین
علم کا سمندر تھے ڈاکٹر فرید الدین

فہم جن پہ نازاں تھی عقل جن پر حیراں تھی
وہ خطیبِ منبر تھے ڈاکٹر فرید الدین

اِتباعِ جیلانی، تھا حصارِ ایمانی
عاشق پیمبرؐ تھے ڈاکٹر فرید الدین

جب شبیں جواں ہوتیں سجدہ ریزیاں ہوتیں
کتنے روح پرور تھے ڈاکٹر فرید الدین

شیشہ سا وجود اُن کا رقبہ بے حدود ان کا
فرد تھے کہ لشکر تھے ڈاکٹر فرید الدین

کوچۂ توکل میں جز و گم رہا کُل میں
کس قدر تونگر تھے ڈاکٹر فرید الدین

نبضِ وقت پر ان کا، ہاتھ ہر گھڑی رہتا
حکمتوں کا جوہر تھے ڈاکٹر فرید الدین

رنگ و رُوپ نورانی اور ادائیں عثمانی
اک حیا کا پیکر تھے ڈاکٹر فرید الدین

جب قیام کرتے تھے شب تمام کرتے تھے
بندگی کے خُوگر تھے ڈاکٹر فرید الدین

واقعاتِ فردا کا پہلے علم ہو جاتا
گھر میں رہ کے باہر تھے ڈاکٹر فرید الدین

خضر سے بھی ملنے کا شوق ہوگیا پورا
بخت کا سکندر تھے ڈاکٹر فریدالدین

بیٹا ہی نہیں مانگا، حق سے اوجِ دیں مانگا
دردِ دل کا مصدر تھے ڈاکٹر فرید الدین

مل گیا انہیں بیٹا اور وہ بھی طاہرؔ سا
اطہر و مطہر تھے ڈاکٹر فرید الدین

بن گیا وہ برخوردار، تربیت کا اک شہکار
آگہی کا مظہر تھے ڈاکٹر فرید الدین

کالکوں کی دنیا میں بانٹتے پھرے کرنیں
خاکداں کا خاور تھے ڈاکٹر فریدالدین

عشرۂ عشیر اُس کا میں بیاں نہ کرپایا
جو بھی کچھ مظفرؔ تھے ڈاکٹر فرید الدینؒ

(مظفرؔ وارثی)

منقبت

غم گسارِ اُمتِ شاہِ ہدیٰؐ حضرت فریدؒ
عاشقِ زارِ محمد مصطفیٰؐ حضرت فرید

حضرتِ دکتور علامہ، فرید روزگار
سالکِ راہِ طریقت بے ریا حضرت فریدؒ

عالم بالغ نظر اور اک خطیبِ بے بدل
نکتہ داں شاعر، حکیمِ خوش ادا حضرت فرید

منکشف اسرارِ دینِ حق ہوئے اُن پر تمام
حق نگر، حق آشنا و حق نما حضرت فریدؒ

پیکرِ زہد و ورع، خلق و مروّت ان کی ذات
خوشہ چینِ اولیاء و اَتقیاء حضرت فریدؒ

قادری نسبت سے حاصل تھا انہیں ارفع مقام
غوث الاعظمؒ کے بامریدِ باصفا حضرت فریدؒ

پیشِ مولا محوِ گریہ، نالہ و ناز و نیاز
بہرِ ملت تھے سراپا التجاء حضرت فریدؒ

بارگاہِ حق میں تھیں اُن کی دعائیں مستجاب
یعنی تھے محبوبِ ربّ کبریا حضرت فریدؒ
قائدِ تحریک کی صورت میں نیّرؔ دے گئے
ملتِ اِسلامیہ کو رہنما حضرت فریدؒ

(ضیاء نیّرؔ)

منقبت بحضور فرید ملتؒ

آج پھر روحِ فریدالدینؒ جلوہ گر ہوئی
آپ کی جلوہ نمائی برلبِ کوثر ہوئی

اے طبیبِ ملتِ بیضا تیری تدبیر سے
حالت اس بیمار ملت کی بہت بہتر ہوئی

اس طرح سرکارؐ کی نظرِ کرم تم پر ہوئی
بات تیرے خون کی تاثیر کی گھر گھر ہوئی

خوں پسینے سے چمن شاداب کر کے چل دیے
سوچ کر یہ دل کی حالت صورت اخگر ہوئی

کس قدر واں دل لگا بیٹھا ہے ساقی آ بھی جا
راستہ تکتے ہوئے اب آنکھ بھی پتھر ہوئی

دیکھ لو آ کر کہ چرچے ہیں تمہارے ہر طرف
آج بھی محفل تمہارے نام کی شب بھر ہوئی

جو بھی آیا گلشن منہاج میں وہ بِک گیا
خاک جو اُڑ کر گری ِگر کر یہاں گوہر ہوئی

نوؔر بیٹھا مے کدے تیرے پہ دھرنا مار کر
خاک بھی اس کی تری اولاد کی نوکر ہوئی!

(نور اَحمد نوؔر)

فاضل، منہاج یونی ورسٹی لاہور

۱۶، شوال ۱۴۱۰ھ

ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کے آباء و اَجداد اور مختصر سوانح

(مولانا عبدالحق ظفر چشتی)

نابغۂ عصر، مفسر قرآن ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بانیِ مرکزی ادارہ منہاج القرآن راوی ہیں کہ ''ایک روز میں اپنے سات سالہ بیٹے حسن محی الدین سے مصروفِ گفتگو تھا اور موضوعِ بحث آپس میں تقابل تھا۔ مجھے اپنی شکست کا قدم قدم احساس ہوا کہ حسن اپنے نام کے اعتبار سے حسن ہی ٹھہرا۔ صغرسنی کی وجہ سے اُس کا دامن عصیاں آلود نہ تھا اور وہ مکلّف فرائضِ منصبی بھی نہ تھا کہ جواب دہی کے جانکاہ مراحل سے گزرنے کا خوف ہو۔ جب کہ اِدھر یہ خوف اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے چہرے کی معصومیت اس کے پاکیزہ دل کی غماز تھی۔ وہ محبت و اُلفت اور نفرتوں کے جذبوں میں تصنع، بناوٹ یا سود و زیاں کی آلائشوں سے پاک تھا جبکہ اس طرف معاملہ یکسر مختلف تھا۔ مجھے اُس کی عظمت پر رشک اور اسے میری شکست پر حیرت ہو رہی تھی۔ یہ حیرت اُس کی اس وقت اور بھی بڑھنے لگی جب میں نے اس سے کہا کہ بچے! تیری عظمتیں مسلّم لیکن ایک اعتبار سے تم مجھ سے عظمت میں کبھی بازی نہ لے جا سکو گے۔ تیری سرتوڑ کوششیں بھی اس حدِ عظمت کو چھو نہ سکیں گی۔ میرا سر فخر سے تن گیا۔ اُس نے مجسمۂ حیرت بن کر تفصیل چاہی تو میں نے کہا کہ میں تم سے اس اعتبار سے عظیم تر ہوں کہ میرے باپ جیسا تمہارا باپ کبھی نہیں ہوسکتا، کبھی نہیں! میرے باپ کی زندگی کا ہر شعبہ قابلِ رشک اور قابلِ تقلید تھا۔ ان کی سیرت، ان کی صورت، اِن کے علم، ان کے تقویٰ اور ان کی فطانت و فقاہت کے تقابل کی مسند کے برابر تیرے باپ کی مسند کبھی نہیں بچھائی جا سکتی اور اُن تقدس مآب رفعتوں، بلندیوں اور عظمتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو اُنہیں حاصل تھیں۔''

خطۂ پاکستان میں ضلع جھنگ کئی اعتبار سے معروف ہے۔ دنیائے عشق و محبت کے ایک شہنشاہ سلطان باہو رحمہ اللہ کا تذکرہ کئے بغیر ضلع جھنگ کے ذکر کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ھُو ھُو کی مست کر دینے والی آوازیں کس کے مشامِ جان کو معطر نہیں کرتیں۔ دو نام اور بھی اُفقِ عالم پر اُبھرے۔ ’’سوہنی‘‘ اور ’’مہینوال‘‘۔ دریائے چناب کی لہروں کے زیرو بم میں آج بھی ان کے ’’کچے گھڑے‘‘ کی داستان قلب و ذہن پر دستک دیتی ہے۔ سرزمین جھنگ کے باسی غیور، بہادر اور صاحب ایمان لوگ ہیں۔ چار دانگِ عالم سے ’’حق باہوؒ‘‘، ’’سچ باہوؒ‘‘ کے دلنواز نعروں کی گونج میں آنے والوں کے لئے فرض راہ بن جاتے ہیں۔ اس علاقے کی مٹی کے ایک ایک ذرہ سے محبت مصطفیٰ ﷺ کی بو باس پائی جاتی ہے۔

تحصیل جھنگ میں چنیوٹ روڈ پر تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ’’کھیوہ‘‘ کے نام سے معروف ہے۔ کبھی اس گاؤں اور اس کے قرب و جوار کی زرعی زمین پر ایک خاندان آباد تھا جو سیال فیملی کے ایک خاندان ’’ماہنی سیال‘‘ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور پوری اسٹیٹ کا مالک تھا۔ اس خاندان کی زندگی کو تاریخ جہاں سے ایک نیا رُخ دیتی ہے اس موڑ پر تین بھائیوں کے نام ملتے ہیں جن میں سے دو طبعًا درویش تھے اور ایک روایتی زمیندار۔

اس زمانے میں سرحدی علاقوں کے لوگ اکثر اس طرف رُخ کرتے اور لوٹ مار کر کے جو کچھ ان کے ہاتھ آتا چھین کر بھاگ جاتے۔ ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کا بازار اکثر گرم رہتا۔ خاندانی جھگڑوں کی وباء بھی ان دنوں کچھ کم نہ تھی۔ ایک بھائی ان تمام حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور نہ صرف اپنی اسٹیٹ کی حفاظت کرتے بلکہ سرحدی قبائل کے حملوں کا بھی منہ توڑ جواب دیتے۔ اور خاندانی جھگڑوں کو بھی بزور بازو نبٹانے کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے۔ دوسرے دو بھائی جو فطرتاً اَمن پسند تھے، بھائی چارے اور اُخوت و محبت کے داعی تھے۔ اور طبعًا درویش بھی وہ ان حالات سے اکثر کبیدہ خاطر رہتے۔ ان میں ایک جمعہ خاں صاحب اس زرعی زمین کے شر و فساد کے ماحول سے

منہ موڑ کر صوبہ سرحد کی طرف ڈیرہ اسماعیل خاں کی طرف ہجرت کر گئے، جبکہ دوسرے بھائی احمد یار رحمہ اللہ جھنگ مگھیانہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ یہی جھنگ آج کل جھنگ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دونوں بھائی خاندانی وراثت سے ہر چیز چھوڑ کر اپنے تیسرے بھائی کے سپرد کر کے نقل مکانی کر گئے۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں جا کر آباد ہونے والے جمعہ خاں صاحب اور ان کی اولاد کے مراسم کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہے بالآخر مسافت بعیدہ نے ایسی دُوریاں ڈال دیں کہ اب ان میں سے کوئی کسی کو پہچانتا بھی نہیں۔

حضرت میاں احمد یار خاں رحمہ اللہ

جھنگ شہر میں آ کر آباد ہونے والے حضرت میاں احمد یار رحمہ اللہ ترکِ وطن، ترکِ مال، ترکِ املاک اور ترکِ دنیا کر کے ایک اللہ سے لَو لگانے کے لئے گوشہ نشین ہوگئے ،لیکن اس گوشہ نشینی میں بھی عزت نفس کی دولت کی حفاظت کے لئے وہ راہ اختیار کی جو ہمیشہ اللہ والوں کی شان رہی۔ خاندانی وراثت اور جائیداد کو ترک کرنے کا مقصد رہبانیت نہ تھا ورنہ جنگلوں کا رُخ کرتے۔ یہ تو محبت دنیا سے ناطہ توڑ کر صرف اور صرف ایک ذات سے لَو لگانے کی دھن تھی جس نے کائناتِ مال و زر کو پاؤں سے ٹھوکر مارنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ جھنگ شہر میں اپنی اور اپنے بچوں کے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے محنت و مزدوری کی راہ اختیار کی۔ دن بھر محنت و مزدوری سے جو کچھ میسر آتا اس سے دال روٹی چل جاتی۔

حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ

حضرت میاں احمد یار صاحبؒ کے ہاں ایک بہت ہی خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ اس نومولود مسعود کا نام بہاؤالدین رکھا گیا ،جو بعد میں میاں بہاء الدین کے نام سے معروف ہوئے۔ صحت مند، توانا، دراز قامت اور جسیم و گیم نوجوان میاں بہاء الدین میراثِ اسلاف یعنی زہد و ورع، عبادت و ریاضت، سوز و گداز اور فقر و درویشی کے صحیح

وارث ثابت ہوئے۔اور گزراوقات کے لئے اپنے والد بزرگوار کی راہ یعنی نانِ جویں کے حصول کے لئے محنت ومزدوری کی راہ اختیار کی۔

حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر بزرگ حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ تھے۔ اسم بامسمّٰی یعنی اپنے نام کی طرح صالح سیرت وکردار کے مالک تھے۔ ۱۱۰ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ ایک مسجد میں امامت فرماتے تھے۔ اور مسجد کی خدمت میں شب و روز صرف کر دیتے۔ مسجد میں جھاڑو دینا اُن کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی قلب و ذہن کی صفائی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے تقویٰ و پرہیز گاری کا زمانہ معترف ہے۔ حتیٰ کہ محبوب ربّ کائنات ﷺ کی زیارت کی سعادت جاگتے میں حاصل کی۔''ولی را ولی می شناسد''۔ یہی حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ راوی ہیں کہ حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ بڑے ولی کامل تھے۔ ولایت کے مرتبے پر فائز ہونے والے ظاہری زیب و زینت کو کب خاطر میں لاتے ہیں، اس لئے انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔

دیکھ کر جبہ و دستارِ شیخ تیرا پیوندِ قبا یاد آیا

آپ سیف اللسان تھے۔ جو منہ سے کہہ دیتے وہی ہو جاتا تھا اس لئے آپ کی محفل میں بیٹھنے والے لوگ بہت محتاط رہتے تھے۔

قیامِ پاکستان کی بشارت

حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ ہی اس بات کے راوی ہیں کہ میری عمر پندرہ بیس سال کی ہوگی اور حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ اُس وقت پچاس ساٹھ سال کے پیٹے میں ہوں گے۔ قیامِ پاکستان سے چالیس پچاس سال پہلے اُن کی محفل میں بیٹھے تھے کہ زمین پر لکیریں کھینچنے لگے۔ اور ان لکیروں کی روشنی میں فرمانے لگے کہ ہندوستان تقسیم ہو جائے گا۔ ہندو اُدھر چلے جائیں گے اور فلاں فلاں علاقے کے لوگ اِدھر آ جائیں گے۔

بڑا قتلِ عام ہوگا۔ اور ایک نیا ملک معرضِ وجود میں آئے گا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو یاد آیا کہ وہ کیا کہتے تھے اور کیا دیکھتے تھے۔ فرماتے ہیں بڑے صاحبِ کشف تھے اور کئی باتیں بالکل سادگی میں کہہ جاتے۔ جب پوری ہو جاتیں تو احساس ہوتا کہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے یہ بات کتنی صاف صاف بتا دی تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب نے حضرت صالح محمد صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اکثر ان کی محفل میں بیٹھا کرتا تھا۔ محلے کی مسجد میں دو چار اور بزرگ بھی تھے اور وہ سب اللہ والے تھے۔ ان میں سے کوئی حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ سرکار گولڑہ شریف کے مرید تھے اور کوئی حضرت نور محمد قادری رحمہ اللہ کے مرید تھے جو حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تھے۔ مجھے ان کی محفل میں بیٹھنا بہت مرغوب تھا۔ میں اکثر نمازِ عصر سے مغرب تک ان کے پاس بیٹھا رہتا۔ اور مغرب کی نماز کے بعد اوّابین کے نوافل پڑھ کر گھر واپس لوٹتا۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان کے ذاتی تجربات، مکاشفات و مشاہدات اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی محافل کے تذکرے سنتا۔ جن جن بزرگوں سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں ان کے حالات و واقعات سننے کے لئے بے چین رہتا۔ ان کے فیوضات و برکات سے متعلق سوالات کرتا۔ ان کے زمانہ کے فقراء کے احوال و مشاغل سے متعلق معلومات حاصل کرتا۔ یہی جلوس فی المسجد ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھنا اور صلحاء کی خدمت میں گزرا ہوا وقت آج بھی میرے لئے مشعل راہ ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں وہ سب انہی بزرگوں کی دعاؤں کا صلہ ہے۔

حضرت میاں بہاء الدینؒ کے تین صاحبزادے تھے۔ میاں اللہ بخشؒ، میاں خدا بخشؒ اور میاں پیر بخشؒ۔ میاں پیر بخش کے بیٹے محمد رمضان کی اولاد میں محمد اسلم، حکیم محمد حسین اور محمد یوسف شامل ہیں۔ حضرت میاں بہاء الدینؒ کے صاحبزادگان ہیں۔ میاں اللہ بخشؒ اور میاں خدا بخشؒ کا قدرے تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ نے ساری زندگی تجرد میں گزار دی اور پوری زندگی ''جو دم غافل سو دم کافر'' کا ہی غلبہ رہا۔ اولیاء وصلحاء کے مزارات و مقابر پر چلہ کشی کی اور طویل ریاضتوں اور مشقتوں پر مبنی زندگی گزار کر حیاتِ مستعار کو ایک نیا روپ بخشا۔ اوائل عمری میں تو پہلوانی بھی کرتے رہے۔ جھنگ میں اس دور میں ان کے پلے کا شاید ہی کوئی پہلوان ہوگا۔ لیکن جسمانی ریاضتوں کا رُخ جب روحانی ریاضتوں کی طرف مڑا تو بھی کوئی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکا۔ حضرت خواجہ خواجگان پیر طریقت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ روحانی تربیت کے لئے ہاتھ اس ہاتھ میں دیا جو سلوک کی راہ کے دھنی ،اور بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ انہی کی صحبت میں زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیا۔ مڈ (شریف) انہی کی عظمتوں کی بناء پر شرافت کا لبادہ اُوڑھ کر مڈ شریف بنا۔

حضرت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ خلیفہ مجاز پیر پٹھان رحمہ اللہ

حضرت پیر عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ حضرت خواجہ خواجگان پیر سلیمان تونسوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کی عظمت کردار کے اظہار کے لئے ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ایک بار آپ اپنے آستانہ سے چند روز کے لئے باہر تشریف لے گئے، اور پندرہ بیس روز تک وہیں قیام رہا۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کا ایک مرید ذکر وفکر کی دنیا بسائے بیٹھا رہا۔ اور اپنے پیر کامل کے فراق کی گھڑیاں بڑی ہی بے چینی اور بے قراری سے شمار کرتا رہا۔ اس کے جذبۂ محبت میں اتنی تڑپ تھی کہ جس جگہ پیر صاحب محرابِ مسجد میں نماز پڑھاتے تھے وہیں اللہ اللہ کرتا رہا۔ جب پیر صاحب کی آمد کی خبر اس کے کان پڑی تو وہ شوقِ ملاقات میں وہیں سے اُچھلا۔ اس کا اُچھلنا تھا کہ خدا کی شان دیوار و محرابِ مسجد اس کے اور اس کے پیر کامل کے درمیان حائل نہ رہ سکی۔ دیوار پھٹ گئی اور مرید سیدھا پیر کامل کے گھوڑے کے نعل کو بوسہ

دینے لگا۔ وارفتگی کا یہ عالم واقعتہً دیدنی تھا۔

مشہور ہے کہ حضرت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کے صاحبزادے پیر عبدالرزاق صاحب بھی للّٰہیت میں اتنے گم ہو چکے تھے کہ دنیا اور دنیوی کثافتوں کا ان کے ظاہر تک پر کوئی اثر نہ تھا۔ بعد از وصال تین روز تک آپ کو دفن نہ کیا جا سکا۔ لیکن تین دن گزر جانے کے باوجود نہ تو آپ کا رنگ و رُوپ بدلا اور نہ کوئی تغیر رونما ہوا۔ روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے باوجود جسم تر و تازہ رہا۔ تین دن تک پژمردگی کے اثرات شاید اس لئے مرتب نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا ہونے والے مردہ تو ہوتے ہی نہیں وہ تو صرف ایک آن کے لئے قانونِ ازلی کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتُ کی تعمیل میں اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ یا وہ اَلدُّنیَا سِجْنُ الْمُؤمِنُ کے مطابق قید خانے سے آزاد ہو کر اپنے گھر جنت الفردوس میں پہنچ جاتے ہیں اور جنت میں مردنی یا پژمردگی کہاں؟

حضرت میاں اللہ بخش ...... راہِ صدق و صفا

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ نے راہِ سلوک میں مزید گہرائی و گیرائی کے حصول کے لئے مختلف اولیاء کبار کے مزاراتِ عالیہ پر بھی چلہ کشی کی۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری رحمہ اللہ، حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمہ اللہ کے مزارات پر طویل ریاضتیں اور چلے کئے۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں ''یوگ'' کے نامور ماہر جوگیوں کی معیت میں پہاڑوں او رجنگلوں کے اندر روحانی ریاضتیں اور مجاہدے بھی کئے۔ اور پوری زندگی پیلے رنگ کا لباس پہنا۔ غرض ان کی پوری زندگی جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں اور خانقاہوں پر گزری۔

توکل علی اللہ کا ایمان افروز واقعہ

آپ کی اوائل عمری کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ کے آستانہ پاک پر چلہ کش تھے۔ جب چالیسویں رات آئی تو حضرت داتا

گنج بخش رحمہ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت داتا صاحب نے گنج بخشی فرماتے ہوئے میاں صاحب کو ایک شیشی عطا فرمائی اور فرمایا: اللہ بخش! یہ شیشی گنج دنیا سے بھرپور ہے ۔اسے محفوظ کرلو دنیا میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ اس پر آپ رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ دولتِ دنیا چھوڑ کر تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔آپ کے درِ دولت سے تو فقر و استغناء کی دولت کا تمنائی ہوں۔شفقت فرماتے ہوئے وہ عطا کر دیجئے۔

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کے وصال کے بعد بیعتِ ثانی کے لئے حضرت موسیٰ پاک شہید رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت سید مخدوم صدر الدین گیلانی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے بیعت کی۔یہ بیعت سلسلۂ قادریہ میں تھی۔ اس کے علاوہ فیوض و برکاتِ قادریہ میں حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے فیضان کا حصہ بھی شامل ہے۔

عالم برزخ میں مقاماتِ علیا

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری فرماتے ہیں: ’’میں نے حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ کی دوبارخواب میں زیارت کی ہے۔ ایک دفعہ اس طرح کہ خواب میں حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے مزار پُرانوار پر حاضر ہوں۔ مزار مبارک کھلتا ہے اور مخلوق منتظر ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ دیدار کرایا چاہتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد مزار شریف سے حضرت میاں اللہ بخش تشریف لے آتے ہیں۔ دوسری بار جو زیارت کا اعزاز حاصل ہوا تو وہ اس طرح کہ ایک کھلا میدان ہے۔کسی نے بتایا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ایک بہت بڑا خیمہ ایستادہ ہے جس میں حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ حب تشریف فرما ہیں۔لوگوں کو آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار ہے۔ لیکن خیمہ سے جب حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ باہر تشریف لاتے ہیں تو شکل ہو بہو میاں اللہ بخش رحمہ اللہ کی ہے، جس سے اشارہ اس اَمر کی طرف تھا کہ زہد و استغناء میں ان برگزیدہ نفوس کی متابعت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ان کے حلقے میں شامل کرلیا ہے۔ نیز

ان دونوں بزرگوں سے خاص روحانی نسبت اور ان سے فیضیاب ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ

حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ کو خدائے بزرگ و برتر نے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ہیں جو فرید روزگار اور یگانۂ روزگار ثابت ہوئے۔ حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ کی اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ فرید الدین ۲۔ محمد فرید

۳۔ مہر غلام محمد ۴۔ محمد صدیق

۵۔ محمد اسماعیل ۶۔ جنداں بی بی

محمد فرید اور محمد صدیق نوجوانی کی عمر ہی میں داعی اَجل کو لبیک کہہ گئے تھے۔ محترم محمد اسماعیل صاحب بھی وفات پا چکے ہیں۔ حضرت فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے تین صاحبزادے ہیں:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲۔ محمد جاوید

۳۔ محمد طارق

ان میں سے محمد جاوید صاحب وصالِ الٰہی کا مرتبہ پا چکے ہیں۔ محمد طارق صاحب اس وقت منگلا ڈیم میں انجینئر کی حیثیت سے تعینات ہیں۔ اور حضرت شیخ الاسلام کی ذات محتاج تعارف نہیں۔

مہر غلام محمد بحثیت تحصیلدار ڈسکہ میں دل کا دورہ پڑنے سے واصل بحق ہوئے۔ ان کی اولاد میں صبغت اللہ قادری، شفقت اللہ قادری، قدرت اللہ قادری، عظمت اللہ قادری اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت شیخ الاسلام کی اہلیہ محترمہ ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر کے لطف و کرم سے اس خاندان میں صاحبانِ صدق و صفا پیدا ہوتے رہے۔ جن کے تذکرے ہمیں مل سکے ہیں۔ ان میں سے کوئی پشت ایسی نہیں جس میں اس کی ذات سے لَو لگانے والا کوئی نہ کوئی مردِ حق موجود نہ ہو۔ حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ کی اولاد میں سے اللہ رب العزت نے اس منصبِ عظیمہ کے لئے ان کے بڑے بیٹے حضرت ڈاکٹر محمد فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا انتخاب کیا۔

فریدِ ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ۱۹۱۸ء میں جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی سکول جھنگ میں ابتدائی تعلیم مڈل تک حاصل کی ۔اور ہر کلاس میں امتیازی حیثیت سے پاس ہوئے۔ حضرت مولانا غلام فرید رحمہ اللہ جو بذاتِ خود درسِ نظامی کے فاضل اساتذہ میں تھے، سے تعلیم حاصل کی ۔اور درس نظامی کی ابتدائی کتب صرف، نحو اور منطق کا درس لیا۔ آپ بچپن ہی سے بڑے ذہین فطین اور طباع تھے۔ متحدہ ہندوستان میں ہندو سکھ اور مسلمان سب ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے۔ اور اکثر مقابلہ رکھتا تھا۔ ان تعلیمی مقابلوں میں ڈاکٹر صاحب ہمیشہ ہر جماعت میں اوّل پوزیشن حاصل کرتے رہے اور ہمیشہ وظیفہ حاصل کیا لیکن چونکہ والد صاحب تعلیمی مذاق نہیں رکھتے تھے انہیں سکول سے اُٹھوا لیا۔

سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ سے یہ پہلو عیاں ہوتا ہے کہ اُن میں سے اکثر حضرات لڑکپن ہی سے تلاشِ حق میں سرگرداں رہے۔ تجسس و طلبِ محبوب میں جہانِ

خلوت میں گھنٹوں بیٹھے رہتے یا پھر نشاناتِ قدرت کے حسن و جمال میں گم رہتے۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین القادری رحمہ اللہ بھی اسی طرح بچپن میں گھر سے نکل جاتے اور تین چار میل کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے گھنٹوں مصروفِ اوراد و وظائف رہتے۔ پانی کی لہروں کی جولانی میں طالب صادق نے نہ جانے کیا پایا۔ کشتیوں کی آمد و رفت بذاتِ خود ''صاحبانِ اولی الالباب'' میں شمولیت کا اعزاز بھی ہے۔

حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ کی ایک بزرگ عزیزہ محترمہ بخت بھری صاحبہ راوی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نو، دس سال کی عمر ہی میں دریا کے کنارے چلے جایا کرتے۔ اور وہاں بیٹھ کر سورۂ مزمل کا وظیفہ فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ ایک اور شہادت بھی قابل قدر ہے۔ محترم ڈاکٹر احسان قریشی صابری ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ سیالکوٹ جو حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے قریبی دوستوں میں سے تھے، اپنے ایک تفصیلی خط جو انہوں نے ''الاعتصام'' میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب میں لکھا۔ اپنی چشم دید گواہی کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے عنوان سے تحریر فرمایا۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات

''حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو ایک ایسا عمل یاد تھا جس سے ان کو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہو جاتی تھی اور اُن سے گفتگو بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز مَیں اور فرید صاحب جھنگ کے نواح میں دریائے چناب کے کنارے پھر رہے تھے۔ دفعتہً بولے حضرت خضرؑ دریا سے نکل کر آنے والے ہیں۔ ان سے مَیں نے صرف تین منٹ ملاقات کرنی ہے تم دور چلے جاؤ۔ دس پندرہ منٹ بعد واپس آ جانا۔ میں نے بہتیرے ہاتھ جوڑے، ترلے منت کی، پاؤں بھی پڑا کہ مجھے زیارت کروا دو، مگر فرید صاحب نہ مانے۔ فرمانے لگے کہ تم ان کی زیارت کے لئے فٹ نہیں ہو، unfit ہو۔ بہرصورت میں کھیتوں

کی جانب چل پڑا۔ میری رفتار آہستہ تھی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک لکڑی کا قد آدم سے بھی دگنا تختہ کنارِ دریا پر لگا ہوا تھا۔ دریا سے ایک بزرگ صورت سفید نورانی داڑھی والے (حضرت خضر علیہ السلام) نکلے۔ سفید لباس پر پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ وہ چوبی تختے کی اوٹ میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ سے ملے۔ تین چار منٹ ملاقات رہی پھر واپس دریا میں چلے گئے، چوبی تختہ ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ چوبی تختے دراصل دو تھے، ایک اُس طرف ایک ہماری جانب۔ مگر مجھے دوسو گز دور سے صرف ایک ہی نظر آرہا تھا جو پردہ کے لئے فوراً آ گیا تھا۔ یہ معجزہ تو حضرت خضر علیہ السلام کا تھا لیکن کرامت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی تھی۔ بہر صورت میں نے دور سے صرف ایک جھلک حضرت خضر علیہ السلام کی ضرور دیکھی جب وہ دریا سے نکلے تھے۔ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے فیض سے یہ کرامت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو ملی کہ بیداری میں ہی دریائے چناب کے کنارے حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کر لیا کرتے تھے۔‘‘(مراسلہ مرقومہ: ۲۷ اگست، ۱۹۸۹ء)

یہ دو شہادتیں ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ بچپن ہی سے جس لگن میں مصروف وہ دریائے چناب کے کنارے جا کر سورۂ مزمل شریف یا دیگر وظائف پڑھا کرتے تھے ان کا گوہر مقصود حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات تھی اور ان کے فیوض و برکات کی نعمت سے فیضیاب بھی ہو چکے تھے۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ سیدھے سادے لیکن نیک اور صالح شخص تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ بچہ کوئی ہنر سیکھ لے کم از کم نانِ جویں کی فکر سے آزاد ہو جائے۔ اس کے لئے انہوں نے جوراہ پسند کی وہ یہ کہ آٹھویں جماعت کی تکمیل سے پہلے ہی اسکول سے اُٹھا کر ایک حکیم صاحب کے پاس بٹھا دیا۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے حکیم صاحب کی محفل میں چند دنوں میں ہی محسوس کر لیا کہ ان کے پاس بیٹھنا وقت کا ضیاع ہے۔ دوسری طرف ’’جوہر قابل‘‘ کے

مربی اساتذہ کرام بھی سکول سے آ آ کر ان کے والد صاحب سے مسلسل رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے کہ بچے کو اسکول سے کیوں اُٹھوا لیا گیا ہے۔ جبکہ یہ بچہ اسکول میں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلے میں اپنی ذہانت، فطانت اور ذکاوت کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اگر آپ اخراجاتِ مدرسہ وتعلیم برداشت نہیں کر پاتے تو ہم مسلمان اساتذہ اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ لیکن اساتذہ کرام کے وفود کے بار بار ملنے پر بھی آپ کے والد گرامی سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے پر رضامند نہ ہوئے اور جب بچے کی صدائیں بھی ''صدا بصحرا'' ثابت ہوئیں تو بچے نے مامتا کی محبت کے دروازے پر دستک دی۔ ماں نے اس دستک کی دھڑکن سنی تو اپنی متاعِ خانہ طلائی ونقرئی زیورات بچے کی جھولی میں ڈال کر کہا بیٹے جاؤ! علم کے حصول کے لئے تمہیں جھنگ کی سرزمین کو چھوڑنا بھی پڑے تو دریغ نہ کرنا۔ یہ میری زندگی کا حقیر اثاثہ ہے۔ اگر تمہارے کسی کام آجائے تو زہے نصیب! مستقبل میں قادری نسبت سے جھولیاں بھرنے والے گھرانے نے سنتِ قادری ادا کی۔ محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہؒ کی سنت کے حصولِ علم کے لئے بچہ گھر کی سکون پرور راحتوں کو قربان کرتا ہے اور ماں چالیس دینار زادِ راہ کر دیتی ہے۔ یہ سنت صدیوں بعد جھنگ کے ایک گھرانے میں ادا کی جا رہی تھی۔ حضرت مائی صاباں رحمہ اللھا اپنے بیٹے فرید الدین کو اپنی دعاؤں کی رداء میں الوداع کہتی ہے۔

والدہ محترمہ حضرت مائی صاباں رحمہ اللھا

حضرت مائی صاباں رحمہ اللھا نے سنت قادری ادا کرتے ہوئے یہ انداز اختیار کیا، خدائے بزرگ و برتر نے انہیں اپنی رحمت سے ان کی خداشناسی، تقویٰ شعاری اور سنتِ صلحاءِ اُمت پر عمل کے اس انداز کو پسند فرما لیا اور انہیں زندگی دوام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنی دادی جان کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ:

''دادی جان کا اسم گرامی تھا ''مائی صاباں'' ایک دیہات ہے ٹوبہ کی طرف چک ۴۷۸ اس گاؤں کی رہنے والی تھیں۔ ہماری دادی جان بڑی صالحہ خاتون تھیں، بڑی درویش منش اور زاہدہ، عابدہ خاتون تھیں۔ مزاج کے اعتبار سے بڑی سادہ تھیں۔ ان کے انتقال کو کم و بیش ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں میں جھنگ میں قبلہ والد صاحب کے مزار کی تعمیر نو کروا رہا تھا۔ مزار کے حجرے کے لئے جس پر گنبد بننا تھا۔ بنیادیں کھودی جا رہی تھیں ،مستری مزدور لگے ہوئے تھے۔ والد صاحب قبلہ کی قبر کے بالکل متصل ہماری دادی جان کی قبر تھی۔ جب مزار کے حجرے کے لئے درمیان میں بنیادیں کھودی گئیں تو مزدوروں کے پھاوڑوں سے دادی جان کی قبر اندر سے کھل گئی ،یعنی نیچے لحد سے کھل گئی۔ دادی جان کی قبر کی لحد کا کھلنا تھا کہ اندر سے خوشبو کا ایک جھونکا آیا جس نے پلک جھپکنے میں اِردگرد کی فضا کو معطر کر کے رکھ دیا۔ یہ واقعہ مجھے وہاں کام کرنے والے مزدوروں اور مستریوں نے بتایا۔ وہ سب حیران ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ انہیں قطعاً اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ انہوں نے نیچے جھک کر دیکھا تو قبر کے اندر دادی جان کا کفن بالکل محفوظ، سلامت حالت میں تھا۔ تدفین کے ساٹھ سال بعد بھی ان کے کفن کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ کہیں سے ذرا سا بھی گلا سڑا نہیں تھا۔ کفن کے اندر جسم بھی محفوظ پڑا تھا۔ مزدوروں نے فی الفور لحد کو بند کیا اور دوڑتے ہوئے ہمارے رشتہ داروں کے پاس جو جھنگ میں ہیں، گئے اور انہیں جائے وقوعہ پر لائے اور پوچھا یہ قبر کن کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ قادری صاحب کی دادی جان کی قبر ہے۔ پھر مزدوروں نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ تھوڑے عرصہ بعد جب مَیں خود جھنگ گیا تو ان تمام مزدوروں نے یہ چشم دید واقعہ مجھے سنایا۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کتنا کرم تھا۔ یہ سب ان کے تقویٰ اور صالحیت کی وجہ سے تھا۔''

تلاشِ علم میں شہرِ اقبال آمد

علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ جھنگ سے سیالکوٹ کی مردم خیز سرزمین پر قدم رکھتے ہیں وہاں انہیں مفتی اعظم حضرت علامہ محمد یوسف رحمہ اللہ سیالکوٹی کا دامن شفقت میسر آتا ہے۔ دو سال کے مختصر عرصہ میں ان سے درس نظامی کی کتب پڑھیں اور ساتھ ہی ایک اسکول میں باقاعدہ داخل ہو کر میٹرک کر لیا۔ زیورات سے ماحصل دولت صرف بیس روپے کب تک ساتھ دیتے۔ ٹیوشن کا سلسلہ شروع کیا۔ پڑھاتے بھی رہے اور پڑھتے بھی رہے۔ اور گاہے گاہے گمنام خطوط کی صورت میں اپنے اہل خانہ کو مطلع کرتے رہے۔ والد صاحب نے اپنے اس بیٹے کی جدائی شدت سے محسوس کی لیکن جب خبر ملتی کہ بچہ بخیر و عافیت ہے تو دعاءِ خیر دے کر خاموش ہو جاتے۔ سیالکوٹ میں محترم ڈاکٹر محبوب عالم قریشی رحمہ اللہ (ہومیو پیتھ) کے ہاں مقیم رہے۔

طلب علم میں لکھنؤ روانگی

سیالکوٹ میں میٹرک اور درسِ نظامی کی اعلیٰ کتب کی تعلیم کے بعد لکھنؤ کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ لکھنؤ میں فرنگی محل ایشیا کا معروف ترین مرکز علم وفن تھا۔ وہاں برصغیر کے اکابر علماء وفضلاء اور جلیل القدر فقہاء میں ایک نام سرِ فہرست نظر آتا ہے جسے تاریخ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ فرنگی محلی کے نام سے جانتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو ذہانت و فطانت کی وجہ سے وہاں داخلہ مل گیا۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے جوائنٹ طبیہ کالج میں داخل لے لیا۔ اس کالج کے پرنسپل جناب شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ تھے۔ موصوف حکیم اجمل خاں اور حکیم نابینا انصاری جیسے عظیم المرتبت حکماء واطباء میں شمار ہوتے تھے۔

لکھنؤ میں جوائنٹ طبیہ کالج کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس کے بالکل سامنے کنگ جارج میڈیکل کالج پُرشکوہ عمارت دعوتِ نظارہ دیتی تھی۔ دونوں اداروں میں

باقاعدہ طے شدہ نظم کے تحت کبھی طبیہ کالج کے طلباء کنگ جارج میڈیکل کالج چلے جاتے اور کبھی وہاں کے طلباء ادھر آجاتے اور کبھی دونوں کسی ایک کالج میں ہم سبق ہو جاتے۔ اسی حسین امتزاج کی وجہ سے طلباء قدیم و جدید طب سے یکساں بہرہ ور ہوتے۔ ایک طرف وہ حکیم حاذق کہلاتے تو دوسری طرف ڈاکٹر اور ایل۔ ایس۔ ایم ۔ ایف اور ایم ۔ بی ۔ بی۔ ایس وغیرہ کی ڈگریوں کے اعزازات بھی حاصل کر لیتے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو بھی یہ حسین مواقع میسر آئے۔

گوہرِعلم کا یہ متلاشی طلب علم میں یوں مخلص تھا، جیسے طالب مال کا دل اور آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتیں اسی طرح ان کی آنکھیں اور جی طلب علم میں انہیں کبھی سیر نہیں ہونے دیتا تھا۔ اگرچہ راہِ وفا کے مسافر کے لئے اس راہ میں دھوپ ہی دھوپ ہے۔ اور سایہ کہیں کہیں میسر آتا ہے، لیکن ''تقدیر کے قاضی کا ازل سے یہ فتویٰ ہے کہ'' دشتِ طلب کے راہی ہی بامراد رہتے ہیں اور انہیں کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف ہر دو کالجوں میں فہرستِ اوّل کے طلباء میں شمار ہوتے تھے۔

دشتِ غربت میں دستِ شفقت

اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہانت و فطانت، فہم و ذکاوت، نکتہ سنجی اور استخراج و استنباط کی صلاحیتوں سے خوب نوازا تھا۔ حافظہ کمال کا رکھتے تھے، لیکن کامیابی اور کامرانی کے بامِ عروج تک پہنچتے پہنچتے کبھی کبھی مسافر اپنی آبلہ پائی دیکھ کر کرب بھی محسوس کرتا ہے۔ اور لذتیں و فرحتیں بھی پاتا ہے۔ عروسِ علم کے ہر نقاب کو اُلٹنے کا عزم رکھنے والے علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری کو گھر سے نکلنے کے وقت سے میڈیکل کالجوں میں داخلے تک فقر و فاقہ کی لذتوں سے کبھی محروم نہیں ہوئے۔ ایک بار تو یوں ہوا کہ فاقے کی شدت سے کالج نہ جا سکے۔ عزم و ہمت کے پاؤں میں بھوک کے عفریت نے اپنی بیڑیاں سخت کر دیں۔ کالج سے غیر حاضری کا صفحہ تو ان کی کتابِ زندگی میں تھا ہی نہیں۔ اساتذہ، دوست اور حلقہ

یاراں متفکر ہوا۔ شام کو طبیہ کالج کے پرنسپل جناب حکیم عبدالحلیم نے یاد فرمایا۔ بڑی مشکل سے افتاں و خیزاں ان کے ہاں پہنچے تو حکیم صاحب نے دریافت فرمایا، بیٹے آج خیریت تھی کالج نہیں آئے؟ اہلِ محبت کے ہاں شکوہ حرام ہوتا ہے۔ بھوک کا شکوہ نہ کر سکے۔ اگرچہ لبوں کا غنچہ وا نہ ہوا تھا لیکن ''تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں'' جسم نازنین میں نقاہت اور شرم و حجاب سے نیچی نگاہیں اپنا راز اُگل چکی تھیں، پھر بھی شفیق اُستاد نے تسلی خاطر کو پوچھ ہی لیا۔ بیٹے صبح کیا کھایا تھا؟ ''جوابِ صاحباں باشد خاموشی''۔ بیٹے دوپہر کو کیا کھایا؟ جواب اب بھی نہ ملا تو اس صاحب علم ورافت نے اس یگانۂ روزگار کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ حکیم صاحب کی اہلیہ محترمہ ایک معصوم بچے متین بابو کو مامتا سے محروم کر کے راہیٔ اجل ہو چکی تھیں۔ آج سے شفاء الملک کے ہاں متین بابو کے ساتھ ایک اور بیٹے متبنیٰ نے اپنا بستر بچھا لیا۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ اس گھر میں کیا آئے متین بابو کا دل بہل گیا۔ حکیم عبدالحلیم پرنسپل جوائنٹ طبیہ کالج کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے والا علامہ فرید الدین قادری ''فرید روزگار'' نکلا اور کامیابی و کامرانی اس کے قدم چومنے لگی۔

رنگ لاتی ہے حنا......

غربت کے عفریت سے نجات ملی تو فرید روزگار نے بیس بیس گھنٹے پڑھنے کی خو ڈالی۔ کبھی کبھی چند لمحات کے لئے جو آنکھ لگی بھی تو طلب صادق نے آ کے جگا دیا۔ کاروان شوق کے مسافر نے پھر انگڑائی لی اور چل دیا۔ چلتے چلتے چار پانچ سال کے مختصر عرصہ میں دائیں بائیں بلکہ ہر طرف سے علم کے موتی سمیٹتا ہوا اپنی جھولیاں بھرتا چلا گیا۔ جوائنٹ طبیہ کالج سے طب کی سند حاصل کی۔ کنگ جارج میڈیکل کالج سے سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ درسِ نظامی مکمل ہوا۔ یعنی پانچ سال کے قلیل عرصہ میں بیک وقت دینی، دنیوی، طبی، یونانی اور ایلوپیتھی کے کورس مکمل کئے۔ اور فرید الدین سے ''ڈاکٹر فرید الدین قادری'' ہوئے۔ اس طرح آپ علم و عمل کے مقام علیا پر فائز ہو کر اُفق عالم پر چمکے۔

شعر و ادب کی دنیا میں قدم

لکھنؤ علم و ادب کا گہوارہ، شعراء کا شہر، ادیبوں کا دیس، نزاکت و بانکپن کا شہر، جو شکیل مینائی کا شہر تھا، میر مینائی کا شہر تھا۔ شعر و ادب کی چاشنی سے اس کے در و دیوار بھی آشنا تھے۔ ایسے ماحول میں علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ شعر و ادب کی لطافتوں سے کس طرح نا آشنا رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے شکیل مینائی کہ شہرہ آفاق شخصیت سے محبت کا خراج وصول کیا، شاعری میں اُن سے تلمذ کیا، اصلاح لی، لکھنؤ کے مشاعرے لوٹے اور پھر لکھنؤ کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا جس میں چوٹی کے شعراء شریک ہوں اور ان میں علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری شامل نہ ہوں۔ شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور خوب کی۔ بڑے بڑے نامور شعراء میں ناموری پائی۔

وطن واپسی اور عملی زندگی کا آغاز

دینی وطبی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ وطن واپس تشریف لے آئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے گھر کی بیٹھک میں ایک چھوٹا سا کلینک کھول کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کر دیا۔ خود رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے اور دیگر بہن بھائیوں کی شادیوں کا اہتمام کیا۔ تحصیل علم اور رُوح کی بالیدگی کا ذوق بتدریج پروان چڑھتا گیا۔ ڈسٹرکٹ ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں باقاعدہ ملازمت اختیار کرلی۔ اس دوران ضلع جھنگ کے مختلف علاقوں میں تعینات رہے۔ ہر مقام پر لوگوں کے علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جہاں بھی آپ کی ٹرانسفر ہوتی وہیں مسند رشد وعلم بچھا لیتے۔ سرکاری اوقات کار سے فراغت کے بعد عصر سے مغرب تک کا وقت دینی علوم کی تعلیم و تدریس کے لیے وقف کر دیا۔ تحصیل علم اور تفویض علم کا سلسلہ زندگی بھر جاری رکھا۔

حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی اجازات و اسانید حدیث

(محمد عمر حیات الحسینی)

علمی اِسناد اور اُمتِ محمدیہ

''سند حدیث'' امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ہمارے اساتذہ سے لے کر حضور نبی اکرم ﷺ تک جتنے ائمہ محدثین گزرے اور جن کے ذریعہ یہ علمِ حدیث ہم تک پہنچا ہے۔ ان کا سلسلہ سند ایسی چیز ہے جو صرف امت محمدیہ کو حاصل ہے، یہ علمی و تحقیقی اسلوب روئے زمین پر کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں۔ کوئی بھی مذہب اور ملت والا یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے مقتدا یا اس کے نبی اور پیغمبر کی باتیں ان تک اس طرح پہنچی ہیں کہ ان کے بارے میں خم ٹھونک کر اعتماد کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ یہ باتیں یقیناً ہمارے پیغمبر نے کہی ہیں۔ یہ اعتماد نہ کسی یہودی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی تورات کے بارے میں کہہ دے، نہ کسی نصرانی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی انجیل سے متعلق یہ بات کہہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ تورات اور انجیل قابل اعتماد نہیں۔ ان کتابوں کے حاملین کے پاس اپنے پیغمبروں کی طرف اس کی نسبت کا کوئی ثبوت، کوئی سند، کوئی دلیل موجود نہیں۔ آج اگر یہودی مذہب کے کسی بڑے سے بڑے عالم سے یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ تورات جس کو تم اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتاب کہتے ہو، اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ تورات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ پر نازل فرمائی تھی۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب بغلیں جھانکنے کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوگا۔ یہی حال انجیلوں کا ہے۔ اور آج کل دنیا میں جو اناجیل موجود ہیں یہ وہ نہیں ہیں جو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ موجودہ لوگوں کے پاس ان کے منزل من اللہ ہونے کا کوئی ثبوت، کوئی سند اور کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ جب تورات و انجیل کے متعلق وہ کوئی سند اور ثبوت پیش نہیں کر سکتے تو دیگر واقعات و روایات کی سند کہاں سے لا سکتے ہیں۔

لیکن امت محمدیہ علیہا التحیۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آج جب ہم کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ حضور سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔ اور آج اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی تو اس کے جواب میں وہ پوری سند پیش کردی جاتی ہے جو حدیث کے شروع میں ہوتی ہے۔اور پھر صرف اتنی بات نہیں کہ ہم سے لے کر حضور نبی اکرم ﷺ تک صرف نام محفوظ ہیں بلکہ راویانِ حدیث کے حالات بھی محفوظ ہیں کہ یہ آدمی کون تھا؟ کس زمانہ میں پیدا ہوا تھا؟ کن اساتذہ سے اس نے تعلیم حاصل کی تھی؟ کیسا حافظہ تھا؟ ذہانت کی کیفیت کیا تھی؟ دیانت و امانت کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا سارا حال اور ایک ایک راوی کا سارا ریکارڈ کتابوں کے اندر محفوظ ہے۔راویانِ حدیث کی ولادت سے لے کر وفات تک کے متعلقہ حالات سب مدون اور محفوظ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ راویوں کے حالات کو کیوں محفوظ کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس لئے کہ انہوں نے حضور سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی احادیث روایت کی تھیں، لہٰذا ان کے بارے میں یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ ان کی روایتِ حدیث پر اعتماد کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ پھر راویانِ حدیث کے یہ حالات زندگی بھی صرف سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر نہیں لکھے گئے، بلکہ ایک ایک راوی کے حالات کی جانچ پڑتال کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم علماء جرح و تعدیل پیدا کیئے کہ جو ایک ایک راوی کی خوبیوں اور کمزوریوں سے واقف تھے۔ علماء جرح و تعدیل میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ حدیث کے رجال کی پہچان کے سلسلے میں اتنا ملکہ راسخہ حاصل تھا کہ اگر تمام راویانِ حدیث کو ایک

میدان میں کھڑا کر دیا جائے اور پھر حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کو ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ ایک ایک راوی کی طرف انگلی اٹھا کر یہ بتا سکتے تھے کہ یہ کون ہے؟ اور حدیث میں اس کا کیا مقام ہے؟

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ اپنی مشہور اصول حدیث کی کتاب ''الکفایۃ'' میں بیان کرتے ہیں۔ کہ ائمہ جرح و تعدیل کسی راوی حدیث کے حالات کی تحقیق کے لئے اس کے گاؤں اور اس کے محلے میں جایا کرتے تھے۔ اُس وقت اونٹوں اور گھوڑوں پر اور پیدل سفر ہوتا تھا۔ اس کے حالات کی چھان بین کرتے، اس کے پڑوسیوں سے، اس کے ملنے جلنے والے دوستوں سے، اور اس کے اعزہ و اقارب سے پوچھا جاتا کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ یہ آدمی معاملات میں کیسا ہے؟ اخلاق میں کیسا ہے؟ دین کی اتباع میں کیسا ہے؟ بسا اوقات بہت زیادہ کھود کرید کرنے پر لوگ ائمہ جرح و تعدیل سے پوچھا کرتے کہ کیا تم اپنی لڑکی کا رشتہ یہاں کرنا چاہتے ہو؟ اس وجہ سے تم ان کے حالات کی اتنی چھان بین کر رہے ہو؟ جواب میں ائمہ جرح و تعدیل کہا کرتے کہ کوئی رشتہ تو نہیں کرنا چاہتے، لیکن انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث روایت کی ہے، لہٰذا ہمیں تحقیق کرنا ہے کہ آیا ان کی روایت کردہ حدیث درست ہے یا نہیں؟

فن اسماء الرجال

ائمہ جرح و تعدیل نے فن اسماء الرجال پر تیس تیس جلدوں میں کتابوں کو مرتب کیا ہے۔حروف تہجی کی ترتیب سے راویانِ حدیث کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس فن ''اسماء الرجال'' کی تدوین صرف امت محمدیہ کا اعزاز ہے۔

سند کے بغیر حدیث غیر مقبول

جب ''صحاح ستہ'' وغیرہ وجود میں نہیں آئی تھیں۔ اس وقت تک اصول یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کوئی حدیث سناتا تو اس پر یہ لازم اور ضروری تھا کہ وہ صرف حدیث نہ

سنائے، بلکہ اس حدیث کی پوری سند بھی بیان کرے۔ کہ یہ حدیث مجھے فلاں نے سنائی اور فلاں کو فلاں نے سنائی اور فلاں کو فلاں نے سنائی۔ پہلے پوری سند بیان کی جاتی، پھر حدیث سنائی جاتی، تب اس کی بیان کردہ حدیث قابلِ قبول ہوتی تھی۔ اور سند کے بغیر کوئی آدمی حدیث سناتا تو کوئی اس کی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا اب کتب حدیث کی اشاعت اور ان کے تواتر کے درجے تک پہنچ جانے کے بعد سند کی اتنی زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں رہی۔ اب حدیث کے بعد **رواہُ البخاری** اور **مسلم** وغیرہ کہہ دینا کافی ہے۔ لیکن روایت اور اجازت کے لئے پوری سند کو محفوظ رکھنا ائمہ محدثین کے نزدیک نہایت مقبول ترین اور محبوب ترین مشغلہ ہے۔

راویانِ حدیث نور کے مینار ہیں، ان میں سے ایک ایک فرد ہمارے لئے سر کا تاج ہے۔ سلسلہ سند میں آنے والے راویوں کے نام محض نام نہیں ہیں، بلکہ یہ انوار و برکات کے چشمے ہیں جن کا سلسلہ حضور نبی اکرم ﷺ سے جڑ جاتا ہے۔

راویانِ حدیث کی تمثیل

حضور نبی اکرم ﷺ تک جو پورا سلسلہ سند ہے، اس میں جو راویانِ حدیث ہیں وہ دراصل ''پاور ہاؤس'' سے جوڑنے والے کھمبے ہیں۔ جس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ''حدثنا فلاں'' یا ''اخبرنا فلاں'' گویا اس باطنی علم کے بلب کا سوئچ آن ہوجاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اس ''سلسلۃ الذھب'' یعنی سونے کے زنجیر کے ذریعہ ہمارا سلسلہ براہِ راست مرکزِ فیض پاور ہاؤس یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جڑ جاتا ہے لہٰذا جو شخص اس سلسلۃ الذھب میں شامل ہوگیا اس کا علم معتبر ہوگیا۔

اسلام کی شاہراہ حیات ہر عہد میں موجود رہی

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اس لئے تاریخ کے ہر عہد میں یہ زندہ اور متحرک

رہا۔ اسلام کے تمام دور آپس میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط و منظّم ہیں۔ اسلام کو تاریخ کے مختلف ادوار میں خواہ کیسے ہی ناسازگار اور ناگفتہ بہ حالات میں سے کیوں نہ گزرنا پڑا، شاہرہ حیات پر اس نے اپنا سفر کامیابی سے جاری رکھا اس پر کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ اس کی اساسی حیثیت کلیتًا مٹ گئی ہو اور آئندہ پھر نئے سرے سے آغاز اسلام ہوا ہو۔

قربتِ خداوندی اسلامی تعلیمات کا مقصد

اسلام کی مسلسل تاریخ اور تعلیمات کا مقصود و منتہٰی ذاتِ واجب الوجود کی معرفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا اجتماعی نقطہ بھی دعوت الی اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ختمی مرتبت ﷺ تک تمام انبیاء و رسل توحید کے داعی ہیں۔ یہ بھی ایک بنیادی نقطہ ہے کہ ان کے واسطہ نبوت و رسالت کے بغیر اسلامی توحید کی صحیح معرفت ممکن نہیں ہے۔ عقیدہ توحید کو ایمان بالرسالت سے اور ایمان بالرسالت کو توحید سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کے بعد ان پر ایمان لانے والے اسی شاہراہ مسلسل کے داعی رہے۔ اور ان کی پیروی اس مسلسل شاہراہ سے ملانے والی صراطِ مستقیم تھی۔ انبیاء کرامؑ کی طرح ان پر ایمان لانے والوں کی منزل اور دعوت کا مرکزی نقطہ بھی عقیدہ توحید و رسالت ہی تھا اس لئے ان کی پیروی آئندہ لوگوں کے لئے نشان ہدایت بن گئی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد اسلام کی شاہراہ مسلسل کے داعی صحابہ کرامؓ و اہل بیت اطہارؑ کے نفوس قدسیہ تھے۔ اور وہ اپنے اپنے دائرہ رسوخ میں بندگان خدا کو اس شاہراہ کی دعوت دیتے رہے۔ اور آئندہ آنے والی نسلیں ان ہی کے نقوش سیرت اور نورِ احوال سے اس منزل کا سراغ پاتی رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت اطہار آسمان رشد و ہدایت کے چمکتے آفتاب تھے۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے عالمی رحمت کی ایک صورت تھے۔ ان کا اختلاف بھی رحمت تھا، جس سے زندگی کے ہر خاکے میں طرح طرح

کے رنگ نکھرتے گئے۔

جس طرح رجوع الی اللہ کی دعوت تمام انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کا مشترکہ فریضہ تھا، اسی طرح سب امت کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تک لانا تمام اوّلین و آخرین کا اجتماعی نقطہ رہا اور رجوع الی الرسول کی دعوت ہی ان کی اصل منزل کے لئے بنیاد اور وسیلہ لازم قرار پائی۔ اور قیامت کے دن بھی یہی مرکزی نقطہ ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت اطہار کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ آئندہ آنے والے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور غلامی میں جڑ جائیں اور اسلام کی شاہراہ مسلسل پر گامزن ہوجائیں۔ ان کی دعا رہی کہ اسلام کا ہر قافلہ اپنے بعد آنے والوں کی پیروی سے اپنے پہلوں کے ساتھ مسلسل رہے۔ قرآن حکیم میں یہ دعا یوں مذکور ہے:

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (الفرقان، ۲۵: ۷۴)

''اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے o''

امام بخاری اپنی ''**الصحيح (كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، في ترجمة الباب: بَاب الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، ٦: ٢٦٥٤)**'' میں اس دعا کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں:

أَئِمَّةً نَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلَنَا وَيَقْتَدِي بِنَا مَنْ بَعْدَنَا.

''اے رب! ہمیں ایسے پیشوا بنا کہ ہم تو اپنے پہلے ائمہ و اکابر کی پیروی کریں اور ہمارے بعد آنے والے ہماری پیروی کریں یعنی ہمارے ساتھ متصل ہوں۔''

قرآن و سنت کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ ہر عہد میں امت کا بعد میں آنے والا حصہ گزرے حصے سے مسلسل جڑا رہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی کا ہر جزو اپنے ماقبل اور مابعد سے متصل ہو۔ یہ دین اسلام کی علمی میراث اور اس کا تہذیبی ورثہ ہے جو

حضور نبی اکرم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و اکابرین امت کو پہنچا۔ اس کی شاہراہ مسلسل ’’خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ‘‘ کی بشارت نبوی ﷺ میں صحابہ و تابعین سے مسلسل چلی آ رہی ہے ۔اور ان سے اپنا فکر و عمل متصل اور وابستہ رکھنے ہی میں فلاح کا راز مضمر ہے۔

پس وہی اہل دین صحیح لائق تقلید ہوں گے جن کے علم و فہم کی سند ماضی سے منقطع ہو نہ مقطوع ہو۔ اور ہم صرف انہی لوگوں کی علمی ثقاہت پر اعتماد کر سکتے ہیں کہ جن کے علم کے طرق اور اسانید متصل اور مضبوط ہوں اور مسلسل بھی۔ وہی لوگ علم و ارشاد میں مقتداء کہلانے کے مستحق ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ تک زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی کوئی صدی ائمہ، مجددین، مصلحین اور صالحین سے خالی نہیں رہی۔ ائمہ علم وفن، ائمہ رشد و ہدایت اور ائمہ سلوک و معرفت کی کسی زمانے میں کمی نہیں رہی۔ ان وارثان نبوت میں کوئی طبقہ نسبتِ اسلام کا محافظ رہا، کوئی نسبتِ ایمان کا محافظ رہا اور کوئی نسبتِ احسان کا، کوئی الفاظ و علوم قرآن کا اور کوئی نسبتِ صاحب فرقان ﷺ کا۔ ان تمام طبقوں کا تا قیامت باقی رہنا ہی اسلام کا تسلسل اور اس کا عظیم معجزہ ہے۔

قرآن و سنت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اسلام کے تسلسل پر قائم رہنے والا طبقہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور کوئی باطل قوت اس کو جڑ سے نہ اکھاڑ سکے گی۔حق و باطل کی معرکہ آرائی برابر جاری رہے گی۔ جس طرح قرآن و سنت کی ہدایت مسلسل رہے گی اسی طرح گمراہی بھی برابر چلے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کے درمیان امتیاز کیسے ہو؟ اس کا جواب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ خط مستقیم صرف ایک ہوتا ہے جبکہ ٹیڑھے خطوط کئی ہوتے ہیں۔ اس طرح ہدایت کی راہ بھی ایک ہے اور گمراہی کی راہیں بے شمار ہیں۔ گمراہی و ضلالت کی ہر راہ ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہے جیسے ٹیڑھے خط آپس میں سب مختلف ہوتے ہیں مگر غلط اور گمراہ ہونے میں سب برابر ہیں،

اس لئے کہ ضلالت و گمراہی پھیلانے والے لوگ اپنے طریقہ کو کبھی ایک دوسرے کی طرف اسناد نہیں کرتے۔ نمرود، فرعون، شداد، ہامان اور یزید سب اپنے اپنے عہد میں ائمۃ الکفر تھے مگر ایک دوسرے سے انتساب کے ہرگز دعویدار نہ تھے۔ ان کے برعکس انبیاء و رسل عظام علیہم السلام جو ائمہ رشد و ہدایت تھے اور سرچشمہ فلاح تھے، وہ تمام ایک دوسرے کے مصدق اور مؤید تھے۔

منکرین ختم نبوت ہوں یا منکرین حدیث و سنت، مقام نبوت کی اہانت و تنقیص کرنے والے ہوں یا منکرین حیات النبی ﷺ یہ تمام ضلالت و گمراہی کے امام ہیں۔ مگر آپس میں کوئی انتساب نہیں رکھتے۔ اور ان میں سے کسی نے اپنے طریقہ کفر و انحراف کو اپنے ماقبل سے اسناد نہیں کیا۔ یہ تمام اپنے اپنے طریقہ انحراف کے موجد ہوتے ہیں۔ اس کے بالمقابل وہ تمام اہل حق جو ائمہ رشد و ہدایت بنے وہ آپس میں اسناد و اعتماد رکھتے ہیں کیونکہ حق کی راہ مسلسل ہدایت کی راہ ہے اس لئے اسے ''صراط مستقیم'' کا نام دیا گیا ہے اور صراط مستقیم کی پہچان علم، فکر یا عقیدہ کے نام سے نہیں بلکہ رجال، اشخاص اور اسناد کے نام سے کرائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ۝ (الفاتحہ، ۱: ۵)

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۝''

گویا ہمیں رجال اور ان کے نقوش قدم کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے، اس لئے اس راستے کے پیروکار آپس میں اسناد و اعتماد رکھتے ہیں اور گمراہی کی راہیں اگرچہ ہر عہد میں موجود رہیں لیکن وہ آپس میں مسلسل اور مربوط نہیں ہیں۔

حقانیت اور صداقت کا امتیاز اس کا اسنادی پہلو ہے

صراط مستقیم کی پیروی کرنے والے اہل حق جو حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں بڑھتے چلے گئے وہ گو فرداً فرداً غلطی سے مبرا نہ ہوں، مگر ان کا مجموعی مؤقف ضرور

محفوظ عن الخطاء رہا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ انفرادی طور پر ان میں اختلافات ہوئے مگر ان کے اختلافات فروعی تھے۔ اصولی نہ تھے اس لئے ان کی توجیہہ کی جاتی ہے، تردید و تغلیط نہیں۔ اور فقہی اختلافات میں بھی انہیں راجح اور مرجوح سے آگے نہیں جانے دیا جاتا۔ اس لئے کہ ان سب کے باوجود یہ ایک راہ ہے اور یہ راستہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کا راستہ ہے۔ یہ تمام اہل حق اپنے ہر عقیدے اور عمل کی سند اپنے ماقبل سے لیتے رہے اور اسی طریق سے یہ متوارث دین ہم تک پہنچا ہے۔

یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلا اور ارض ہند و پاکستان میں بارھویں صدی کے بعد یہ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ذات میں جمع ہو گئے۔ پاک و ہند بلکہ بیشتر بلادِ عربیہ کی اسناد کا بھی آپ سرچشمہ ٹھہرے۔ اور آپ کی ذات روشنی کا مینار قرار پائی۔ بعد میں آنے والے سب اہل علم انہی سے سند لیتے رہے اور ان کی ذات اہل حق کے سلسلہ اسناد میں مرجع بن گئی۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا شجرہ علمی اور اسنادی پہلو امام الھند حضرت شاہ ولی اللہ کی طرح ہمہ جہت اور متنوع طرق کا آئینہ دار ہے ۔کیونکہ وہ تمام بلادِ اسلامیہ کے شیوخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے مسلکی مزاج میں حد درجہ توازن و اعتدال پایا جاتا ہے۔ آپ دین کے سمجھنے سمجھانے میں اسلام کی مسلسل شاہراہ پر گامزن ہیں۔ ائمہ سلف سے رہنمائی پا کر اسلام کی رشد و ہدایت کو آئندہ نسلوں کے لئے جدید پیرائے میں متوازن انداز میں منتقل کرتے جا رہے ہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں کا اسنادی پہلو نہایت جامع ہے۔ فقہ میں چاروں ائمہ مجتہدین سے انتساب علمی رکھتے ہیں۔ گو مقلداً حنفی ہیں لیکن دیگر ائمہ کے استخراجات کے شعور کی بھی پوری طرح لذت محسوس کرتے ہیں۔

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے اسنادی پہلو پر بنظر انصاف غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ ظاہریت کی تفریط ہے اور نہ باطنیت کی افراط بلکہ قرون اولی کے سلف صالحین کا توازن و اعتدال اِن کا مسلک مختار ہے۔

حضرت فرید ملتؒ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا اسنادی پہلو اِن کی ہمہ جہت شخصیت کا ترجمان ہے۔ اس لئے ان میں اکابر سند کے اوصاف صاف جھلکتے ہیں:

☆ کبھی آپ مسند تصوف و سلوک پر حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی صورت میں بولتے نظر آتے ہیں۔

☆ کبھی آپ علم و حکمت میں امام غزالی رحمہ اللہ، ابن رشد رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

☆ کبھی آپ فقاہت میں قلم کی جولانیاں دکھاتے ہیں تو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کی خوشبو بکھیرتے ہیں۔

☆ جب آپ تفسیر قرآن بیان کرتے ہیں تو امام رازی، امام روز بیان بقلی، امام قرطبی، امام محمود آلوسی، امام ابن کثیر اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمھم اللہ کی طرح دقیقہ سنجی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ جب آپ علم حدیث پر کلام کرتے ہیں تو ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام ذہبی اور امام سیوطی رحمھم اللہ جیسے ائمہ محدثین کی صورت میں فیض حدیث پہنچاتے دکھائی دیتے ہیں۔

☆ جب آپ نغمہ عشق مصطفیٰ ﷺ اور ساز درد چھیڑتے ہیں تو آپ قاضی عیاض مالکی، رومی، جامی اور اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمھم اللہ کا روپ دھار لیتے ہیں۔

☆ جب آپ تذکار رسالت کے گن گاتے ہیں تو آپ ابن اسحاق، ابن ہشام

صالحی شامی اور امام یوسف النبہانی رحمھم اللہ کا عکس جمیل دکھائی دیتے ہیں۔

میں آپ کی اسانید کے متعدد طرق کو جب دیکھتا ہوں تو مجھے قرون اولیٰ کی ایک جماعت کی خوشبو حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔

جن کے طیب نفس سے عالم اسلام معطر ہو رہا ہے، جن کی زبان قدسیہ سے صراط مستقیم کی شمعیں روشن ہو رہی ہیں، جن کے صالح اعمال کو دیکھ کر لوگ راہ ہدایت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کی خدمات آسمان علم وعمل پر ستاروں کی مانند چمک رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بیان و کلام میں بلا کی روحانی اسپرٹ اور حد درجے کی مٹھاس پائی جاتی ہے۔ جس موضوع پر بولتے ہیں اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی بھر اسی موضوع کا مطالعہ اور تیاری کی ہوئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ کی اجازاتِ علمیہ اور اسانید بیک وقت کئی خوشبوؤں اور مختلف رنگوں کا مجموعہ ہے۔ آیئے اِن اسانید کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا شجرۂ علم

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ علیہ کے سلاسل اسناد کے متعدد طرق اور واسطے ہیں۔ اور ہر واسطہ اسناد حدیث میں ایک دوسرے سے عالی اور جید ہے۔ اگر آپ کے سلاسل اسناد کے علمی وفنی محاسن کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ اسناد کے طرقِ متنوع کی ہمہ گیری، وسعت، آفاقیت آپ کے وسیع المشربی پر اور علوم کی وسعت پر دال ہے۔

آپ کے سلسلہ سند کا ہر واسطہ کتنا پاکیزہ، کتنا مطہر، کتنا معطر ومعنبر، کیسا حسین اور کیسا عمدہ ہے، کتنا مستند اور جامع سلسلہ اسناد ہے، کتنے دریاؤں کا پانی ایک نہر سے

جاری ہو رہا ہے، جس نہر سے علماء وطلباء قرآن و حدیث کے حامل بن رہے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو آپ کی اسانید کا مطالعہ کیا جائے، تشنگان علم قدر دان ہو رہے ہیں۔ عوام الناس سیراب ہو رہے ہیں، خواص آبیار ہو رہے ہیں۔

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ کو قرآن و سنت کے علوم و معارف کی سند عالم اسلام کے لائق احترام شیوخ و اساتذہ سے ملی ہے، جس کا حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنی اسانید میں تفصیلاً تذکرہ کیا ہے:

شیوخِ حرمین (مکہ و مدینہ)

۱۔ امام عمر بن حمدان المحرسی

۲۔ امام محمد بن علی بن ظاہر الوتری

۳۔ امام احمد بن اسماعیل البرزنجی

۴۔ امام احمد شریف بن محمد السنوسی

۵۔ امام احمد بن زینی الدحلان

۶۔ الشیخہ اَمۃ اللہ بنت الامام عبد الغنی رحمہم اللہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے حرمین شریفین کے مذکورہ بالا ائمہ ومحدثین کی اسانید حدیث اور اجازات علوم شرعیہ درج ذیل شیوخ کے واسطہ سے حاصل کی ہیں۔ اور انہی سے براہ راست اخذ علم حدیث اور سماع و روایت حدیث کا شرف پایا ہے:

۱۔ محدث حرم الشیخ علوی بن عباس المالکی المکی

۲۔ الشیخ المعمّر محمد ضیاء الدین القادری المدنی

۳۔ الشیخ حسین بن احمد العسیر ان

۴۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمھم اللہ

شیوخِ بغداد

۱۔ امام المحدثین الشیخ امام عبدالرحمٰن بن علی النقیب البغدادی

۲۔ امام عبدالسلام محدث الآ فندی البغدادی

۳۔ امام عبدالرزاق البزاز المحدث البغدادی رحمھم اللہ

ان شیوخ بغداد سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مندرجہ ذیل شیوخ و اساتذہ کی وساطت سے اجازتِ حدیث حاصل کی ہے:

۱۔ الشیخ السید طاہر علاؤ الدین الجیلانی البغدادی

۲۔ الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی

۳۔ الشیخ السید عبد المعبود الجیلانی المدنی

۴۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمھم اللہ

شیوخِ شام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو ملک شام کے درج ذیل شیوخ و اساتذہ سے سند و اجازتِ حدیث حاصل ہوئی ہے:

۱۔ محدثِ شام امام محمد بن جعفر الکتانی

۲۔ محدثِ شام امام محمد بدر الدین بن یوسف الحسنی

۳۔ امام عبد الحی بن عبد الکبیر الکتانی

۴۔ امام ابو المکارم محمد امین السوید الدمشقی رحمہم اللہ

ان شیوخ حدیث سے درج ذیل شیوخ و اساتذہ کے واسطہ سے اجازتِ حدیث ملی:

۱۔ الشیخ حسین بن احمد العسیر ان

۲۔ الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی

۳۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہم اللہ

والد گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین القادری رحمہ اللہ کے واسطہ سے محمد المکی الکتانی رحمہ اللہ جیسے مسلمہ محدث سے بھی اجازت وسند حدیث حاصل ہوئی۔

شیوخِ لبنان وطرابلس

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو لبنان اور طرابلس کے درج ذیل شیوخ و اساتذہ سے سند واجازت حدیث ملی ہے:

۱۔ امام یوسف بن اسماعیل النبہانی

۲۔ امام عبد القادر الشلبی الطرابلسی

۳۔ امام حسن عویدان الفیتوری الطرابلسی رحمہم اللہ

ان شیوخ سے مندرجہ ذیل اساتذہ کے واسطہ سے اجازت وسند حدیث ملی ہے:

۱۔ الشیخ حسین بن احمد العسیر ان

۲۔ الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی

۳۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہم اللہ

شیوخِ مغرب و شنقیط

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو عالم مغرب کے درج ذیل شیوخ حدیث سے اجازت و سند حدیث ملی ہے:

۱۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن مصطفیٰ ماء العینین الشنقیطی

۲۔ امام محمد حبیب اللہ الشنقیطی

۳۔ امام محمد العربی بن محمد العزوزی الفاسی

۴۔ امام عبداللہ بن صدیق الغماری المغربی رحمہم اللہ

ان شیوخ سے درج ذیل اساتذہ و شیوخ کے واسطہ سے اجازت و سند حدیث حاصل ہوئی ہے:

۱۔ الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی

۲۔ الشیخ حسین بن احمد العسیر ان

۳۔ الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی

۴۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہم اللہ

شیوخِ یمن (حضرموت)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو یمن کے مندرجہ ذیل شیوخ حدیث سے سند واجازت حدیث ملی ہے۔

۱۔ الشیخ الحبیب حمزہ بن عمر العیدروس الحبشی

۲۔ الشیخ الحبیب علی بن عبدالرحمٰن الحبشی

۳۔ الشیخ عبدالقادر بن احمد السقاف

۴۔ الشیخ عبداللہ بن احمد الحداد

۵۔ الشیخ حسن بن احمد الاہدال الیمانی

۶۔ الشیخ محمد بن یحییٰ الاہدال الیمانی

۷۔ الشیخ اسماعیل الیمانی (صاحبِ نفس الرحمن) رحمهم الله

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو مذکورہ بالا شیوخ سے درج ذیل شیوخ کے واسطہ سے اجازت وسند حدیث ملی ہے:

۱۔ الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی

۲۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکی

۳۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمهم الله

شیوخِ پاک و ہند

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو ہندوستان اور پاکستان کے درج ذیل شیوخ واساتذہ سے سند واجازتِ حدیث ملی ہے:

۱۔ امام الہند الشاہ احمد رضا خان

۲۔ امام ابوالحسنات عبدالحئ بن عبدالحلیم محدث الانصاری لکھنوی

۳۔ امام عبدالباقی بن علی محمد الانصاری الکھنوی المدنی

۴۔ الشیخ عبد الہادی بن علی الانصاری محدث لکھنوی

۵۔ امام محدث المسند مولانا ارشاد حسین رام پوری

۶۔ امام الشیخ امداد اللہ المہاجر المکی

۷۔ محقق الہند امام فضل حق خیر آبادی

۸۔ الشیخ السید دیدار علی شاہ محدث الالوری

۹۔ محدث ہند علامہ محمد انور شاہ کشمیری (صاحبِ فیض الباری)

۱۰۔ محدث ہند علامہ احمد علی سہارن پوری

۱۱۔ الشیخ عبد الشکور المحدث المہاجر المدنی

۱۲۔ الشیخ محمد بدر عالم میرٹھی رحمہم اللہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو مذکورہ بالا مشاہیر سے درج ذیل واسطہ سے سند و اجازتِ حدیث حاصل ہوئی ہے:

۱۔ الشیخ المعمر ضیاء الدین احمد المدنی

۲۔ الشیخ السید عبد المعبود الجیلانی المدنی (انہوں نے ۱۶۵ سال کی طویل عمر پائی اور وہ براہِ راست حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کے شاگرد تھے)

۳۔ محدث اعظم علامہ سردار احمد قادری

۴۔ الشیخ السید ابوالبرکات محدث الالوری

۵۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہی

۶۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہم اللہ

حسنِ سراپا

(محمد اِلیاس اَعظمی)

سیرت کی خوشبو فرد کے علمی مرتبے کا تعین کرنے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی خوشبو، یہی اندر کی روشنی کردار کی تشکیل، تعمیر اور تکمیل میں توازن قائم رکھتے ہوئے شعور و آگہی کی ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اور تخلیق حسن اسی توازن اور تناسب کے دل آویز امتزاج کا دوسرا نام ہے۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت یہ خوشگوار حقیقت قاری پر منکشف ہوتی ہے کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ ایک ایسی دلنواز شخصیت کے مالک تھے۔ جو بیک وقت علم وفن کے جمالیاتی اظہار کے منصب پر بھی رونق افروز تھی اور عمر بھر اس عہد ناپرساں کے فرد کی بکھری ہوئی اکائی کی یکجائی کے لئے شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر مصروف جہاد رہی۔

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ گوناں گوں خوبیوں کے مالک تھے، میانہ قد، جسم نہ دبلا نہ موٹاپے کی طرف مائل، سفیدی مائل گندمی رنگ، پیشانی کشادہ، چہرہ فراخ، جسم کے خدوخال مضبوط، آنکھیں بڑی بڑی جن میں ذہانت کی چمک چہرے پر غیر معمولی اعتماد، چہرے سے رُعب ٹپکتا۔ آواز میں گرج، تمکنت اور وقار، زیرلب مسکراہٹ ،کسی نے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا۔ عموماً سفید رنگ کی شلوار قمیص پہنتے، شیروانی زیب تن کرتے جو گہرے نیلے، بھورے یا سیاہ رنگ کی ہوتی۔ قراقلی ٹوپی زیر استعمال رہتی۔ داڑھی مبارک گھنی مگر مشت بھر سے کم، وفات کے وقت عمر (۵۶ سال) سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ رفتار دھیمی سبک روی کی طرح، گفتگو میں ٹھہراؤ، نرم دم گفتگو،

بات چیت میں ایک وقار سلیقہ اور قرینہ، پیکر جلال و جمال، خوش خلق طبیعت میں تواضع و انکسار، ظرف میں کشادگی، سخاوت میں اپنی مثال۔ آپ قرض اُٹھا کر بھی غریبوں اور ناداروں کی مدد کرتے، غریب پرور، اپنوں پرائیوں سبھی سے حسن سلوک سے پیش آتے۔ صلہ رحمی آپ کے مزاج کا حصہ تھا۔ خصوصاً رشتہ داروں سے برتاؤ مثالی تھا، صدقہ و خیرات وسائل سے بڑھ کر کرتے، ہر ایک کو اتفاق اور صلح جوئی کا پیغام دیتے۔ غیبت سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی غیبت سے اجتناب کی تلقین کرتے۔ حرف شکوہ زبان پر نہ لاتے۔ مصیبت میں کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے، کسی محفل میں بیٹھتے تو ذہنی اور جسمانی دونوں حوالوں سے حاضر رہتے۔ پوری دلچسپی سے لوگوں کی باتیں اوران کے مسائل سنتے۔ اور کبھی بیزاری اور اُکتاہٹ کا اظہار نہ کرتے۔ ہر شخص سے اس کے مزاج و مذاق کے مطابق گفتگو کرتے، ایک ہی ملاقات میں کسی اجنبی کا احساس اجنبیت ختم ہو جاتا۔ اور وہ یوں محسوس کرتا جیسے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو وہ برسوں سے جانتا ہے۔ اپنی علمیت اور شخصیت دوسروں پر مسلط نہ کرتے۔ بلکہ ان سے ملنے والے اپنے اندر ایک اعتماد سا محسوس کرتے۔ پڑوسیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے۔ ان کے دُکھ درد میں شریک ہوتے۔ کئی بیوگان اور غریب گھرانوں کی کفالت کرتے، روپے پیسے جمع کرنے کا انہیں کبھی شوق نہیں رہا۔ بلکہ جو آتا خرچ کر دیتے۔ سفر حجاز پر یا دینی کتب کی خرید پر حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا ہاتھ بڑا وسیع تھا۔ سادہ غذا استعمال کرتے لیکن نفاست طبیعت میں راسخ تھی۔ آپ نے مہمان نوازی کی روایت کو زندہ و تابندہ رکھا کیونکہ آپ ایک عرصہ حیدر آباد دکن اور لکھنؤ وغیرہ میں اقامت پذیر رہے۔ اس لئے وضع داری طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اکثر پنجابی میں گفتگو فرماتے۔ لیکن اُردو بڑی شستہ بولتے۔ فصیح و بلیغ اُردو، اُردوئے معلّٰی کے لہجے میں، خالص ٹکسالی زبان کہ اہل زبان بھی شک کرتے، علمی وجاہت ایک ایک لفظ سے ٹپکتی، عربی اور فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ اور انگریزی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ کمال کا حافظہ پایا تھا۔ شجر سایہ دار کی طرح شفیق و مہربان۔ مزاح بھی فرماتے لیکن سنجیدگی اور متانت کا عنصر غالب رہتا۔ اپنا کام ہاتھ سے خود کرتے اور اسلامی طرز زندگی کی

جزئیات تک کا خاص خیال رکھتے۔ پردے کی پابندی پر خاص زور دیتے۔ غلط باتوں اور جھوٹ پر بہت ناراض ہوتے۔ اور اس کا برملا اظہار کرتے۔ لیکن فریق مخالف کی معذرت پر فوراً غصہ تھوک بھی دیتے۔ گرہ دل میں باندھ کر نہ رکھتے، اس سے بھی مقصود دوسروں کی اصلاح ہی ہوتی۔ بے پناہ قوت برداشت کے مالک تھے۔ ہمیشہ تحمل اور بردباری سے کام لیتے۔ مشکل حالات میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بچپن ہی سے طبیعت روحانیت کی طرف مائل تھی۔ کثرت سے عبادت کرتے۔ بڑا اچھا شعری ذوق پایا تھا۔ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ مجید امجد، جعفر طاہر اور شیر افضل جعفری آپ کے ہمعصروں میں تھے۔ شیر افضل جعفری مرحوم تو آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔ ماہر نباض اور بہت اچھے طبیب تھے۔ بے مثال معالج، عظیم محقق، متوکل، فقراء اور اولیاء سے محبت کرنے والے صاحب تقویٰ اور ایک سچے عاشق رسول تھے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک نادرِ روزگار ہستی سے وابستہ

چند یادیں، چند مشاہدات

(علامہ محمد اشرف سیالوی)

حضرت علامہ ڈاکٹر غلام فرید الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا ،لیکن جو مختصر سا وقت ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے ارشاداتِ عالیہ اور خطابِ دلنواز سننے کا ملا ۔ اس نے ہمیشہ کے لئے اُن کا گرویدہ بنا دیا اور ان کی عظمت کے انمٹ نقوش دل و دماغ پر ثبت اور منقش ہو کر رہ گئے۔ پہلی دفعہ ان کا بیان و خطاب ''معراج النبی ﷺ '' کے موضوع پر دربارِ عالیہ سیال شریف میں سننے کا موقع ملا۔ آپ نے دربارِ عالیہ کے علمی ماحول اور بالخصوص حضرت شیخ الاسلام والمسلمین رحمہ اللہ کے حکم اور آپ کی موجودگی میں انتہائی علمی اور برہانی انداز میں خطاب فرمایا۔ اس وقت آپ نے بطور تمہید ''طے زمانی''، ''طے لسانی'' اور ''طے مکانی'' کا ذکر فرمایا۔ ان تینوں اقسام کی وضاحت پیش فرمائی کہ:

ا۔ ''طے لسانی'' یہ ہے کہ قلیل ترین وقت میں اتنا کچھ پڑھا جائے اور زبان سے ادا کر دیا جائے جو عام لوگ دنوں یا گھنٹوں میں بیان کر سکیں۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف کی تلاوت پر شانِ اعجازی سے قدرت بخشی گئی تھی کہ آپ سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور ادھر زبور شریف کی تلاوت شروع فرماتے۔ ابھی زین پوری نہیں کسی جاتی تھی کہ آپ زبور کو ختم بھی فرما لیتے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تلاوتِ کلام پاک پر بطور کرامت یہی قدرت عطا کی گئی تھی، کہ آپ سوار ہوتے وقت ایک پاؤں رکاب میں رکھتے تھے اور تلاوت کا آغاز فرماتے اور دوسرا قدم مبارک دوسری رکاب میں حسبِ معمول رکھتے تو قرآن مجید کو ختم فرما چکے ہوتے تھے۔

۲۔ طے زمانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص کے لئے وقت سکڑ کر انتہائی مختصر ہو جائے اور دوسرے کے لئے وہی وقت دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں بلکہ صدیوں اور ہزاروں سالوں پر محیط ہو، جیسے حضرت عزیر پر وقت گزرا۔ وہ ایک دن بلکہ اس کا بھی کچھ حصہ تھا اور دوسری طرف بنی اسرائیل پر ایک صدی بیت چکی تھی۔ اور حضرات اصحابِ کہف پر غار میں حالت نیند میں جو وقت گزرا وہ بھی ایک دن بلکہ اس کا بھی کچھ حصہ معلوم ہو رہا تھا جبکہ دوسری طرف تین صدیوں سے بھی زیادہ کی مسافت گردشِ دوراں نے طے کر لی تھی اور قیامت کے دن میدانِ محشر میں سبھی لوگ اکٹھے ہوں گے مگر وہ دن انتہائی سرکش اور نافرمان کفار و مشرکین کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور ان سے کم درجہ کے کفار و مشرکین کے لئے ہزار سال کا ہوگا لیکن اسی میدان میں موجود اہل ایمان و ایقان پر یہ طویل ترین دن چار رکعت نماز کی دیر میں گزر جائے گا۔

۳۔ اور طے مکانی یہ ہے کہ ایک شخص کے حق میں مسافت طویل تر ہو۔ اور اس کے طے کرنے کے لئے طویل زمانہ درکار ہو دوسرا اسے انتہائی قلیل وقت میں طے کر لے جس طرح حضرت شاہ رکن عالم رحمہ اللہ اور حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہما کے متعلق منقول ہے کہ وہ ہر روز عصر کی نماز ملتان شریف اور دہلی شریف سے چل کر مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی مرتبہ شام و فلسطین سے مکہ مکرمہ تک اور پھر مکہ مکرمہ سے واپس گھر تک کا فاصلہ ایک دن میں سواری پر سوار ہو کر طے کیا۔

الغرض ان تین اقسام کا ثبوت و تحقّق یقینی ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی یہ تینوں شانیں اس سفر معراج میں ظاہر ہوئیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پھر طبقاتِ سمٰوٰت، بعد ازاں عرشِ اعظم پر ہزارہا حجاباتِ عظمت کو عبور کرنا اور واپس تشریف لانا۔ جبکہ بستر ناز ابھی گرم ہو اور سرِ ناز سے ٹکرا کر محوِ جنبش شاخ ابھی اس طرح محوِ رقص ہو جبکہ دوسرے لوگوں کے لئے یہ کروڑہا در کروڑہا سال کی مسافت ہے۔ مگر محبوبِ کریم ﷺ کے

لئے قرآن مجید ''سُبۡحَانَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلاً ''فرماتا ہے''الیل'' بھی نہیں فرمایا ،تاکہ ساری رات سفر میں صرف ہونے کا تو ہم نہ ہو۔ پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں جملے زبانِ قدس سے محفلِ '' دَنٰی فَتَدَلّٰی''میں اور خلوت گہ قَابَ قَوۡسَیۡن میں ادا ہوئے جو شرعی احکام کے تعلّم اور سلوک و وصول سے متعلق تھے اور اُمت کے لئے التجاؤں اور دعاؤں پر لیکن وقت اس قدر مختصر ہے کہ:

پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این وآں سے گزر چکے تھے

الحاصل دورانِ خطاب سب پر سناٹا طاری رہا۔ اور ہر فرد آپ کی اس علمی، مدلّل اور مبرہن تقریر میں گویا گم ہو چکا تھا۔ تقریر ختم ہونے پر حضور شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بہت ہی داد و تحسین فرمائی اور دعوتِ اخلاص سے نوازا۔

ایک علمی لطیفہ

جب حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہٗ العزیز آپ کی تقریر پر آفرین اور صد مرحبا فرما رہے تھے تو آپ کی برادری کے ایک بزرگ حاجی محمد بخش صاحب نے آپ کی توجہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی داڑھی کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا کہ ''تقریر تو ماشاء اللہ بہت خوب ہے کاش کہ ان کے منہ پر داڑھی بھی ہوتی (آپ ان دنوں داڑھی منڈایا کرتے تھے) تو حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا:

''ہم نے داڑھی منڈوں کو شکار کرنے کے لئے یہ ہرن رکھا ہوا ہے، ہرنوں کے شکاریوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہرن کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور جب ہرن شکار کرنے ہوں تو جنگل میں اس کو باندھ دیتے ہیں۔ دوسرے ہرن اس کو دیکھ کر اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں، اتنے میں شکاری جال پھینک کر ان سب کو شکار کر لیتے ہیں تو ہم بھی ان سے یہی کام لے رہے ہیں کہ انہیں دیکھ کر اس فیشن کے لوگ بھی ان کے گرد جمع ہوں اور پھر دامِ عشقِ رسول ﷺ میں گرفتار ہو جائیں اور ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ

باطن کی طرح ظاہر بھی مکمل نمونہ شریعت مطہرہ کا ہوگا اور ''إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَن يُحِبُّ مُطِيْع'' کا مصداق ہوگا۔''

دوسرا موقع وہ نصیب ہوا جب بندہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر سلانوالی میں ایک مدرسہ '' ضیاء العلوم جامعہ شمسیہ'' کی بنیاد رکھے ہوئے تھا۔ اس وقت آپ کو جمعہ کے دن خطاب کی زحمت دی لیکن جس جمعہ کا مَیں نے عرض کیا تھا آپ اتفاقاً اس سے پہلے جمعہ سمجھ کر پہلے تشریف لائے اور پھر گاڑی بھی لیٹ ہوگئی جمعہ آپ کا بھی رہ گیا اور ہم بھی استفادہ سے محروم رہے لیکن اس دوران کمال اخلاص اور منتہائے شفقت کا یہ عجیب اور عظیم منظر دیکھنا نصیب ہوا کہ روٹی اور چائے وغیرہ تک بھی نہ پی۔ اور ذرا بھر طبیعت پر ملال اور گرانی کا اثر دیکھنے میں نہ آیا۔ فرمایا میں لالیاں سے آیا ہوں اور جانا بھی ادھر ہی ہے۔ اور جھنگ سے سرگودھا جانے والی گاڑی کا لالیاں والی گاڑی سے کراس ہنڈیوالی جنکشن پر نہیں ہوتا۔ لہٰذا تمہیں صرف اتنی تکلیف دیتا ہوں کہ ایک سائیکل سوار آدمی دے دو جو مجھے پیچھے بٹھا کر سلانوالی سے ہنڈیوالی پہنچا دے۔ بندہ نے کرایہ پیش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے عرض کیا آئندہ جلسہ کا کرایہ وصول فرمالیں لیکن فرمایا جلسہ پر آؤں گا لیکن کرایہ نہیں لوں گا۔ بالآخر وقت کے اس عظیم علامہ اور بے مثل خطیب کو ایک سائیکل سوار کے پیچھے بٹھا کر کیا روانہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے دل میں بٹھا اور بسا لیا۔ بعد ازاں آپ دارالعلوم کے جلسہ پر تشریف لائے رات کو خطاب فرمایا جو سلانوالی میں خطابات اہل سنت میں ریکارڈ خطاب تھا۔ اور صبح روانہ کرتے وقت بمشکل سلانوالی سے ہنڈیوالی کا ٹکٹ قبول فرمایا اور ہم جیسے نیازمندوں کے لئے خدماتِ اسلام کے لئے اخلاص اور محنت ولگن کا ایک روشن مینار قائم فرما گئے۔

خطاب سلانوالی

آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے خداداد منصبِ رسالت کی حقیقت و حیثیت اور آپ کے اختیارات کے موضوع پر بحث فرمائی۔ سب سے پہلے اس امر کی وضاحت

فرمائی کہ رسول محض چٹھی رسان اور ''ہرکارہ'' نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، اور حق باری تعالیٰ اور حق رسول ﷺ باہم متلازم ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بیعت کو اپنی بیعت، آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ، آپ کے عصیان کو اپنا عصیان، آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، آپ کی رضا مندی کو اپنی رضامندی، آپ کی محبت کو اپنی محبت اور آپ کی ایذاء اور عداوت کو اپنی ایذا اور عداوت قرار دیا ہے۔ پھر بطور جدل اور تسکین اہل خلاف کے علامہ ابنِ تیمیہ کی معروفِ زمانہ کتاب ''الصارم المسلول'' کی یہ عبارت زبانی بڑی روانی کے ساتھ پڑھی:

في هذا وغيره بيان لتلازم الحقين وإن جهة حرمة أهل تعالى ورسوله ﷺ جهة واحدة فمن آذى الرسول فقد آذى الله ومن أطاعه فقد أطاع الله لأن الأمة لايصلون مابينهم وبين ربهم، ألا بواسطة الرسول ﷺ ليس لأحد منهم طريق غيره ولا سبب سواه وقد أقامه اللّٰه مقام نفسه في أمره و نهيه وإخباره وبيانه فلا يجوز أن يفرق بين الله ورسوله ﷺ في شيء من هذه الأمور.

''یعنی ان ذکر کردہ آیات میں اور ان کے علاوہ دوسری آیات میں حق اللہ تعالیٰ اور حق الرسول ﷺ کے درمیان تلازم کا بیان ہے۔ اور اس امر کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ادب و احترام اور نبی مکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کی جہت ایک ہے لہٰذا جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جس نے آپ کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ کیونکہ امت اگر اپنے رب تبارک وتعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا چاہے تو اسے توسط اور توسل رسول ﷺ کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ان میں

سے کسی کے لئے بھی بارگاہِ خداوندی تک نہ کوئی دوسرا راستہ ہے اور نہ سبب ووسیلہ اور کیونکر ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کو اپنی ذات کا قائم مقام بنا دیا ہے اپنے امر ونہی میں اور اخبار و بیان میں، پس یہ جائز ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ میں ان امور میں سے کسی میں تفریق کی جائے۔''

اس حیثیت و منصب اور مقام و مرتبہ کو واضح کرنے کے بعد آپ نے اُمور کی تقسیم فرمائی کہ وہ دو قسم کے ہیں۔ شرعیہ اور تکوینیہ، اور سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے اُمور میں با اختیار بنایا ہے۔ حضرت ابو بردہ بن دینار رضی اللہ عنہ کے لئے چھ ماہ کے بکرے کو بطور قربانی جائز فرمانا، حالانکہ دوسرے کسی کے لئے روا نہیں۔ حضرت ابن عوفؓ وغیرہ کے لئے ریشم اور حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے لئے سونے کے کنگن، حضرت اُمّ عطیہ رضي اللہ عنها کے لئے نوحہ وغیرہ وغیرہ اُمورِ تشریعیہ میں آنحضرت ﷺ کے باذن اللہ مختار ہونے کی دلیلیں ہیں ۔اور کھاری کنویں لعابِ دہن سے میٹھا کرنے ۔ چار آدمی کی روٹی اور سالن سینکڑوں پر پورا کرنا، اپنی جگہ سے زخمی ہو کر نکل جانے والے آنکھ ڈھیلے کو لعابِ دہن لگا کر اور اپنی جگہ پر رکھ کو نورانی بنا دینا بلکہ پہلے سے بڑھا دینا وغیرہ وغیرہ اُمورِ تکوینیہ میں با اختیار ہونے کے دلائل ہیں۔ بہر کیف آیات و احادیث سے بے شمار دلائل بیان فرمائے۔لیکن عام خطباء اور مقررین کے اسلوب و انداز سے بالکل منفرد انداز یہ تھا کہ آپ صرف اپنے مفید مدعا دلائل و براہین کے بیان پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ اس پر وارد ہونے والے اشکالات و اعتراضات کا بھی خود ہی ذکر فرماتے اور پھر ایسا جواب دیتے جو موجبِ اطمینان اور مورثِ ایقان ہوتا۔

عبداللہ بن ابی جو منافقین کا رئیس اور مقتداء تھا اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے پر اور بخشش مترتب نہ ہوسکنے پر بحث کرتے ہوئے آپ نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ آپ اسے بخشوانے کے لئے نماز نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ اس حسنِ سلوک اور اظہارِ مروت (جو ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرخص تھا) کے ذریعے آپ اس کی قوم کے ہزار آدمی کو کفر و نفاق

سے بچانے کے لئے سعی فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ کی شانِ رحیمی و کریمی اور عفو و درگزر کو دیکھ کر وہ مخلص مسلمان بن جاتے جو رحمتِ مجسم ﷺ کے لئے بہرحال ناقابلِ برداشت تھا اور اللہ علیم و حکیم نے بھی اس حکمت کے پیش نظر پہلے یہ آیت کریمہ نازل نہ فرمائی۔ وَلاَ تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا......“ (التوبۃ، ۹: ۸۴) جب وہ مصلحت پوری ہو چکی تبھی اس آیت کو نازل فرمایا۔

آپ نے ان جوابات کے ضمن میں یہ جواب بھی ذکر فرمایا تھا کہ نماز جنازہ کی دعا ہے اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا ......۔ جو اپنے ہیں یہ ساری دعا ہی ان کے لئے تھی جو منافق اور کافر تھے وحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وغیرہ میں داخل ہی نہیں تھے۔ لہٰذا نہ ان کے لئے دعا فرمائی گئی اور نہ ہی ان کا جہنم واصل ہونا قبولیتِ دعا اور اختیارِ مصطفٰے ﷺ پر اعتراض بن سکا اور جس طرح وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے شریعت میں بھی محدود وقت تک ان کے ساتھ ظاہری مروّت اور رواداری کو روا رکھا گیا۔ ادھر ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا گیا اور ادھر اس ظاہری مروّت اور رواداری کے اظہار سے بھی منع کر دیا گیا۔ الغرض خطاب میں اس قدر جامعیت اور اثباتِ مدعا کا یہ انداز بالکل منفرد اور جُداگانہ تھا اور دونوں پہلو، ان کے دلائل پھر ان میں تطبیق و توافق نے حاضرین کو بہت زیادہ متاثر کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے علماء کرام اس انداز کو اپنائیں تو عام اہل اسلام کا اس میں بہت ہی بھلا ہوگا اور شورشیں بڑھانے والے طالع آزماؤں کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ ان مختصر سی ملاقاتوں میں انہیں جتنا دیکھا، جتنا سمجھا اور جس قدر پایا وہ بندہ کے لئے زندگی بھر کا سرمایہ ہے۔ اور سروسامانِ رشد و رہنمائی ہے اور مینارِ نور۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند تر کرے اور ہمیں ایسے اکابر کے نقشِ قدم پر چلائے۔ (آمین)

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کا علمی مقام

(علامہ مفتی محمد خان قادری)

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ فرید ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری کی ہمہ صفت شخصیت کی عکاسی کے لئے ان کے فرزند ارجمند قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ذات ہی کافی ہے۔ پروفیسر صاحب کے آئینہ مظہریت میں فرید ملت کے علمی مقام کا عکس بتمام وکمال دیکھا جا سکتا ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے علو مرتبت علمی مقام کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کو اپنی کم علمی کا مکمل احساس ہے۔ تاہم حصول برکت کے لئے چند الفاظ پیش خدمت ہیں۔ کسی بھی علمی شخصیت کے مقام کے تعین کے لئے درج ذیل حوالوں سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔ مثلاً اساتذہ کرام جن سے اکتسابِ فیض کیا، علوم و فنون، اندازِ تدریس، اسلوبِ تربیت و وُسعت ذوق مطالعہ، قوتِ حافظہ وقوتِ استدلال وغیرہ۔

ا۔ اساتذہ

کسی علمی شخصیت کا مقام اس لحاظ سے بھی متعین ہوتا ہے کہ اس نے کن کن ماہرین علم وفن سے استفادہ کیا ہے۔ استاد فن میں جتنا ماہر ہوگا اس کی جھلک اس کے تلامذہ میں موجود ہوگی۔ اس حوالے سے جب ہم قبلہ ڈاکٹر صاحب کے اساتذہ پر نظر ڈالتے ہیں وہ اپنے وقت کے ممتاز علماء، اطباء اور شخصیات دکھائی دیتی ہیں۔ ہم ان کے اسماء گرامی اور مختصر تعارف پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام شخصیات محتاج تعارف نہیں۔

(ا) حضرت مولانا غلام فرید

یہ جھنگ کے رہنے والے تھے اور درسِ نظامی کے فاضل اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت فرید ملت نے درس نظامی کی ابتدائی کتب صرف، نحو اور منطق کی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی

یہ سیالکوٹ کی معروف علمی شخصیت تھے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان سے درسیات کی ابتدائی کتب پڑھی تھیں۔

(۳) مولانا عبدالحی فرنگی محلی

(۴) مولانا بدر عالم میرٹھی

آپ کا شمار معتدل علماء میں ہوتا ہے۔ آپ علامہ سید انور شاہ کاشمیری کے مقبول ترین شاگرد تھے۔ فیض الباری شرح بخاری انہیں کی مرتب کردہ ہے۔ حدیث میں اِن کی تصانیف ہیں مثلاً ترجمان السنہ (تین جلدیں)، جواہر الحکم (دو جلدیں) بہت مشہور ہیں۔

(۵) مولانا عبدالشکور مہاجر مدنی

مولانا عبدالشکور مدنی علم حدیث میں بڑے ہی ماہر تھے۔ آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے حدیث کی تعلیم ان سے حاصل کی تھی۔

(۶) شیخ علوی بن عباس المالکی

یہ بزرگ مراکش کے رہنے والے تھے۔ ہجرت کر کے مکہ میں آگئے تھے۔ حرم کعبہ میں بیٹھتے تھے۔ اطراف واکناف سے آئے ہوئے لوگ ان سے استفادہ کرتے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے آپ سے بھی حدیث کے اسباق پڑھے۔ پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ حرم کعبہ میں ان بزرگوں کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ وہاں مجھے والد گرامی نے بتایا کہ میں نے ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے۔

(۷) شیخ محمد الکتانی ۔ رئیس علماء شام

یہ شیخ تصوف کے ماہر تھے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان سے فصوص الحکم کا درس لیا تھا۔

(۷) شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد قادری

آپ کی شخصیت سرزمین پاکستان کے لئے قابل فخر تھی۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ ’’خاک پنجاب از دم تو زندہ گشت۔‘‘

آج پاکستان میں جہاں جہاں عشق و محبت رسول ﷺ اور حدیث رسول ﷺ کے گن گائے جا رہے ہیں۔ اس میں آپ کی خدمات کا نمایاں حصہ ہے۔ آپ سے بھی ڈاکٹر صاحب نے بعض کتب دوبارہ پڑھی ہیں۔ مثلاً ’’شرح عقائد، خیالی، بخاری شریف‘‘ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ عصر کے بعد پڑھنے پڑھانے سے منع کرتے تھے مگر قبلہ ڈاکٹر صاحب کے لئے عصر کے بعد وقت مقرر کر دیتے تھے اور اسی میں بعض اسباق پڑھاتے۔

(۸) حضرت ابوالبرکات سید احمد قادری

یہ بھی ایک علمی شخصیت تھیں۔ جس کے خاندان نے نصف صدی سے زائد اسلام کی خدمت کی۔ ان کے نام سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان سے مختلف اوقات میں استفادہ کیا۔

(۹) حکیم عبدالوہاب نابینا انصاری

(۱۰) شفاء الملک حکیم عبدالحلیم (رحمهم الله أجمعين)

۲۔ علوم وفنون

اس دور میں خصوصاً پاکستان بننے سے پہلے علماء صرف قدیم علوم سے واقف

ہوتے تھے۔ دیگر علوم کو ناپسند کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر انگریز کی مخالفت کی وجہ سے انگریزی پڑھنا حرام تھا۔ اس کے بارے میں علماء نے فتویٰ دے رکھا تھا کہ جو شخص انگریزی پڑھے گا وہ اسلام کا وفادار نہیں۔ یہ فتویٰ اس دور کا تقاضا تھا یا نہیں۔ ہم اس مسئلہ پر اس وقت گفتگو نہیں کر رہے۔ لیکن جب یہ تقاضا نہ رہا تب بھی علماء نے جدید علوم کے ساتھ بے اعتنائی ہی برتی۔ ہم خود جب دینی مدارس میں پڑھا کرتے تھے تو اکثر علماء یہی کہتے تھے کہ انگریزی نہ سیکھنا۔ جس کی وجہ سے علماء معاشرے کا ساتھ نہ دے سکے۔ جو حال ہوا وہ ہر ایک کے سامنے ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب بھی اگرچہ قدیم روش کے آدمی تھے۔ مگر انہوں نے حالات پر نظر رکھتے ہوئے جدید علوم میں دسترس حاصل کی۔ جہاں آپ نے جدید علوم و فنون سیکھے وہاں آپ نے انگریزی کو بھی سیکھا۔ اور پھر اپنے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تربیت بھی اسی نہج پر کی کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی دلوائی قبلہ ڈاکٹر صاحب کو جن علوم و فنون میں ماہرانہ دسترس تھی وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔صرف ۲۔نحو ۳۔منطق ۴۔فلسفہ ۵۔اصول فقہ ۶۔فقہ ۷۔معانی ۸۔علم عروض ۹۔عربی ادب ۱۰۔فارسی ادب ۱۱۔طب ۱۲۔حدیث ۱۳۔ اُصول حدیث ۱۴۔اُصول تفسیر ۱۵۔تفسیر ۱۶۔تصوف۔

۳۔ انداز تدریس

آپ عملی زندگی میں شعبہ طب کے ساتھ متعلق ہوگئے تھے۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے درسی کتب کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ جہاں بھی ہوتے دو تین گھنٹے ان علوم و فنون کے لئے وقف کرتے تھے۔ اردگرد سے تشنگان علم اور آپ سے استفادہ کرنے کے لئے آنے والے اکثر منتہی طلبہ ہوتے تھے۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلالین، بخاری شریف جیسے اسباق اکثر پڑھاتے تھے۔

۴۔ مشہور تلامذہ

آپ سے استفادہ کرنے والے چند تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری۔ آپ نے درسیات کی تعلیم اپنے والدِ گرامی حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اور استاذ العلماء مولانا عبدالرشید رضوی سے حاصل کی۔

(۲) مولانا حکیم نور محمد۔ ان کا تعلق اہل تشیع سے تھا مگر قبلہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت کی وجہ سے شیعیت سے توبہ کر لی اور آپ کے سامنے زانوتلمذ تہ کئے۔

(۳) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب

(۴) مولانا سید سردار احمد شاہ صاحب

(۵) علامہ مولانا قادر بخش صاحب

(۶) مولانا سلطان محمود صاحب

۵۔ لائبریری

ایک عالم کے لئے کتابیں ہتھیار کا درجہ رکھتی ہیں، ان کے بغیر عالم بے اسلحہ سپاہی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فارغ ہونے کے بعد اگرچہ باقاعدہ درس و تدریس کا شغل نہیں رکھا مگر ان کے ذوق مطالعہ کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے تمام دنیوی اُمور میں مصروفیات کے باوجود کتب کے ساتھ تعلق قائم رکھا۔ آپ ہر سفر میں اچھی اچھی کتابیں خرید کر لاتے تھے۔ آپ کی لائبریری میں مذکورہ ہر فن پر سینکڑوں کتابیں تھیں۔ جو بعد میں وراثتاً حضرت شیخ الاسلام کو ملیں۔ اور آپ نے ادارہ منہاج القرآن کے لئے وقف کر دیں جو آج اس عظیم لائبریری کی زینت ہیں۔

۶۔ ذوق مطالعہ

حضرت سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے ''العلم یزداد بالتکرار'' علم تکرار سے بڑھتا ہے۔ تکرار کی صورتوں میں سے ایک مطالعہ بھی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ مطالعہ کے بغیر وسعت نظر پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ تمام مصروفیات کے باوجود مطالعہ جاری رکھتے۔ ہر روز ان کی چارپائی یا نشست کے اردگرد چالیس پچاس کتب موجود رہتیں۔ مسلسل پانچ پانچ گھنٹے ورق گردانی کرتے رہتے۔ قلم ہاتھ میں رکھتے جہاں کہیں اہم نکتہ اور دلیل میسر آتی، اسے کتاب کی ابتداء میں نوٹ فرما لیتے۔ اور صفحہ بھی لکھ دیتے۔ گویا ان کے مطالعہ میں نظم بھی قابل دید تھا۔ بعض کتب پر ابتداء میں دیئے ہوئے نوٹ کتاب کی اپنی فہرست سے زیادہ ہیں۔ خصوصاً بخاری شریف اور جواہر البحار۔ ہر شخص آج بھی ان کے مطالعہ میں آنے والی کتب کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی گہرائی و گیرائی کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کرتے تھے۔ کتاب کا ہر گوشہ ہر سطر ہر لفظ ان کے سامنے ہوتا۔ ان کے مطالعہ میں اکثر آنے والی کتب وہ ہیں جن کا موضوع فضائل و شمائل رسول ﷺ ہے۔ خصوصاً امام شعرانی، امام نبہانی اور ابن القیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اس کے بعد تصوف کے ساتھ انہیں خصوصی شغف تھا۔ تصوف کی کتابوں میں سے سب سے زیادہ لگاؤ مثنوی کے ساتھ تھا۔ خصوصاً آخری عمر میں سوتے جاگتے مثنوی ان کے ساتھ ہوتی۔ ویسے تو دوران مطالعہ سامنے آنے والے سینکڑوں مسائل پر ان کے دیئے ہوئے حواشی اور نوٹ ہیں مگر ان عبارات پر جن میں حضور ﷺ کی فضیلت و عظمت کا بیان ہے ان کا نشان ضرور موجود ہے۔

ذاتی تجربہ

۸۵ء کی بات ہے کہ تفسیر مظہری کا مطالعہ کرتے ہوئے سورۂ نور میں مَیں نے پڑھا کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا جب حضور علیہ السلام کو لے کر مکہ سے روانہ ہونے لگیں تو

انہوں نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ جب حضور ﷺ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ پہنچیں تو جی چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دیں۔ حجر اسود خود اپنی جگہ سے حرکت کر کے آگے بڑھا اور اس نے حضور ﷺ کے چہرہ اقدس کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ یہ بات میری نظر میں پہلی مرتبہ گزری تھی۔قبلہ شیخ الاسلام میرے ہاں شادمان تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ تفسیر مظہری میں حضور علیہ السلام کی یہ فضیلت درج ہے۔ آپ بھی خوش ہوئے اور فرمایا میری نظر سے پہلے یہ نہیں گزرا۔ اسی وقت میرے ذہن میں آیا کہ ڈاکٹر صاحب کے زیر مطالعہ آنے والا تفسیر مظہری کا نسخہ دیکھا جائے۔ کیا ان کے مطالعہ میں یہ بات آئی تھی یا نہیں؟ جب میں نے لائبریری میں جا کر تفسیر مظہری کی وہ جلد اور صفحہ نکالا تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے قلم سے وہاں حوالہ لگایا ہوا تھا۔

۷۔ علمی مجالس میں آپ کا مقام

قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا جن جن مقامات و اجتماعات میں جانا ہوتا تھا۔ اکثر ان میں آپ ہی کا خطاب ہوتا، پھر آخری خطاب آپ کا ہوتا۔ ہم یہاں صرف دو واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سیال شریف

سیال شریف میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین رحمہ اللہ کی صدارت میں جو عرس پاک کی تقریب ہوتی تھی۔ اس میں ملک کے گوشے گوشے سے مشائخ اور جید علماء شریک ہوتے۔ خصوصاً آپ کے خلفاء گولڑہ شریف، جلالپور شریف، بھیرہ شریف۔ اس کے علاوہ ہزاروں علماء و سامعین بھی موجود ہوتے۔ جب مجلس اپنے عروج پر پہنچتی تو خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز قبلہ ڈاکٹر صاحب کو خطاب کے لئے حکم دیتے۔ آپ کا خطاب آخری ہوتا بعض اوقات صرف آپ ہی کا خطاب ہوتا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب کلمات تحسین فرماتے

والد کے ساتھ بیٹے کا خطاب

ایک موقع پر قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کے صاحبزادے محمد طاہر بھی تھے۔ خواجہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ کیا آپ کا بیٹا بھی خطاب کرے گا؟ آپ نے عرض کیا کہ حضرت کا جو حکم ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ اپنے بیٹے کا خطاب بھی ہمیں سناؤ۔ آپ کے صاحبزادے نے شہادت کے موضوع پر خطاب کیا اس جلسہ کی روئیداد سیال شریف سے جاری کردہ رپورٹ میں شائع ہوئی جو من وعن قارئین کے ذوق کے لئے نقل کی جاتی ہے:

> ''جناب محمد طاہر صاحب قادری نے (جو کہ ڈاکٹر غلام فرید الدین صاحب جھنگوی کے صاحبزادے ہیں) فلسفۂ شہادت پر بڑے پیارے انداز میں تقریر کی۔ سامعین بہت خوش ہوئے اور جناب صدرِ دارالعلوم نے تحسین کی۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ عزیز ایک دن اہل علوم میں نمایاں مقام حاصل کرے گا۔''

(روئیداد دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف، بابت سال ۶۸/۱۹۶۷ء)

ڈاکٹر صاحب قلندر ہیں

چونکہ ان دنوں ڈاکٹر صاحب نے داڑھی نہیں رکھی تھی بعض لوگوں نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ ان کی داڑھی نہیں ہے۔ ہزاروں مشائخ اور علماء کی موجودگی میں آپ خطاب کا حکم دیتے ہیں۔ مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے ان کی داڑھی نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب قلندر ہیں اگر کوئی صاحب نظر ہو تو اسے ان کے اندر داڑھی بھی نظر آئے۔

جامعہ قطبیہ کا سالانہ اجتماع

حضرت العلام مولانا عبدالرشید رضوی کے والد گرامی حضرت مولانا قطب الدین

رحمہ اللہ نے جھنگ کے قریب ایک دیہات میں تشنگان علوم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا ہوا تھا۔ جو آج کل آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید رضوی کے زیر انتظام قائم ہے۔

اس ادارے میں ملک کے اطراف و اکناف سے طلبہ تعلیم حاصل کرتے۔ جب اس جامعہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا تو اس کی مختلف نشستیں ہوتیں، مگر آخری نشست کی صدارت حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ فرماتے۔ اس آخری نشست میں بھی سینکڑوں علماء موجود ہوتے۔ اور اس میں بھی قبلہ ڈاکٹر صاحب کا خطاب ہوتا۔

دیگر علماء کی موجودگی میں آپ کی طرف رجوع

علماء و فضلاء کے اجتماع میں ڈاکٹر صاحب موجود ہوتے۔ اگر وہاں کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہوتا مثلاً کسی نے سوال کر دیا یا چٹ بھیج دی تو اس وقت تمام علماء آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ کا انتخاب کرتے اور قبلہ ڈاکٹر صاحب فی الفور متعدد حوالہ جات سے اس کا جواب ارشاد فرماتے۔

۸۔ علمی نشستیں

حدیث میں آیا ہے کہ انسان اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ یہاں ہم ان اکابر مشائخ اور علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا آپ کے پاس آنا جانا رہتا اور ان کے ساتھ علمی نشستیں ہوتیں۔

۱۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ آپ جب بھی جھنگ تشریف لاتے تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں ضرور آتے۔

۲۔ حضرت غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی

۳۔ حضرت العلام مولانا قطب الدین

۴۔ حضرت علامہ مولانا عبدالغفور ہزاروی

۵۔ حضرت صاحبزادہ فیض الحسن آلومہار شریف

۶۔ مناظر اہل سنت مولانا محمد عمر اچھروی

۷۔ حضرت العلام مولانا عبدالرشید رضوی

۸۔ حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی

۹۔ حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی رحمھم اللہ

یوں تو وقتاً فوقتاً مختلف بزرگوں کے ساتھ آپ کی روحانی اور علمی نشستیں ہوتی رہتی تھیں ہم یہاں چند ایک کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

(ا) مسئلہ تکفیر یزید

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ مسئلہ تکفیر یزید میں خاموشی کے قائل تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب یزید کی تکفیر کرتے تھے۔

ایک دفعہ ان دونوں بزرگوں کی اس مسئلہ پر بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ یہ گفتگو تقریباً تین گھنٹے جاری رہی۔ آپ نے حضرت کاظمی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تکفیر یزید پر کتب عقائد، تفاسیر اور شروحات حدیث میں سے حوالہ جات پیش کیے اور حضرت کے علمی اعتراضات کے جوابات بھی دیے۔ اس گفتگو کے اختتام پر حضرت کاظمی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”ڈاکٹر صاحب آپ نے جو حوالہ جات بیان کئے ہیں ان میں سے بعض میری نظر سے پہلے نہیں گزرے میں یہ کتابیں لے جاتا ہوں ان پر غور کروں گا۔“

(۲) اجرام فلکیہ

حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ متصوف ہونے کے ساتھ ایک فلسفی عالم تھے۔ ان کی تقریر و گفتگو میں جہاں تصوف کی چاشنی ہوتی تھی وہاں منطق و فلسفہ کے مسائل بھی زیر بحث آتے۔ جب علامہ مرحوم ڈاکٹر صاحب کے ہاں آتے تو اکثر و بیشتر مسائل تصوف پر گفتگو ہوتی تھی۔ ایک دفعہ فلکیات کے موضوع پر دونوں بزرگوں کے درمیان گفتگو ہوئی یہ گفتگو تقریباً اڑھائی گھنٹے جاری رہی۔

استاذ العلماء مولانا عبدالرشید رضوی دورانِ مطالعہ و تدریس جب کوئی اُلجھن محسوس کرتے تو قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں تشریف لا کر ان کی رائے طلب کرتے بعض اوقات کافی دیر تک بحث و تمحیص بھی ہوتی۔

۹۔ علمی مباحثے

ہمارے ہاں اب مناظرہ نہیں رہا بلکہ مجادلہ کا پہلو غالب ہو چکا ہے۔ چند سال پہلے تک ہر مسلک کے علماء کے درمیان باہم مختلف فیہ مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ یہ ایک دوسرے کے نکتہ ہائے نظر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے، تا کہ ہر ایک کے دلائل سامنے آئیں اور اس کے بعد ہر ذی فہم ان دلائل کی روشنی میں اپنے ذہن کو قائل کر سکے۔

اس طرح کے اختلاف و مناظرہ سے مختلف مسائل پر تحقیقات ہوتی ہیں۔ جس سے امت کو آسانی کی راہ ملتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت میں ایسا اختلاف رہا ہے اور یہ اختلاف ''اختلاف امتی رحمۃ'' کا مصداق تھا۔ اب بھی اگر اسی طرح کا اختلاف کوئی شخص کرتا ہے تو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ لیکن لعن طعن اور جبر کا سلسلہ اختلاف نہیں بلکہ مخالفت ہے جو اسلام میں ہرگز پسند نہیں۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ صوفی مزاج تھے اس لئے مناظروں سے دور رہتے۔ لیکن جب کہیں آپ اس کا فائدہ محسوس کرتے وہاں ضرور شریک ہوا کرتے۔

مرزائی علماء کی توبہ

مشہور پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کے والد مولوی محمد حسین ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز جھنگ اور ان کے تایا مولوی غلام حسین ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز دونوں مرزائی تھے۔ ان کا شمار اس وقت کے علماء مرزائیت میں ہوتا تھا۔ ان کی قبلہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات تھی ان دونوں علماء کا آپ سے ایک مرتبہ مناظرہ ہوا۔ موضوع یہ تھا کہ کیا حضور ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے یا نہیں؟ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے تین گھنٹے کے مباحثے میں ان دونوں کو یہ بات ماننے پر مجبور کر دیا کہ واقعتاً کتاب وسنت کی روشنی میں حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ہم اپنے سابقہ عقیدے سے توبہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر احسان صابری قریشی اس مناظرے کے روئیداد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ''ایک بار جھنگ شہر میں ڈاکٹر فرید الدین قادری کا مناظرہ ان دونوں بھائیوں سے ''احمدیت'' کے موضوع پر ہوا۔ میں اس مناظرے میں موجود تھا۔ اور پروفیسر صوفی ضیاء الحق بھی موجود تھے۔ تین دن مناظرہ جاری رہا۔ آخر کار یہ دونوں بھائی اس مسئلہ کو مان گئے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی ہندوستان میں تو کیا اس دنیا میں بھی نہیں آسکتا۔ اس بات پر مرزائیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اسے ڈاکٹر فرید الدین قادری کی کھلی کرامت کہا گیا۔ بعد میں اگرچہ یہ دونوں بھائی پھر مرزائی ہوگئے تھے۔

اگر ڈاکٹر صاحب نہ آتے تو ہم لوگ مرزائی ہو جاتے

قبلہ ڈاکٹر صاحب چونکہ لالیاں میں کچھ عرصہ رہے ہیں وہاں کے لوگ اب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہمارے ہاں ڈاکٹر صاحب نہ آتے تو ہم تمام ربوہ قریب ہونے کی وجہ سے مرزائی ہو چکے ہوتے لیکن یہ آپ کی آمد کی برکت تھی کہ لوگوں کو مرزائیت سے نفرت ہوگئی۔

۱۰۔ علماء کا استفادہ

جیسا کہ آپ کی تدریس کے ضمن میں بیان ہوا ہے اکثر طلبہ آپ کی خدمت میں حصول علم کے لئے آتے تھے لیکن یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ بعض بڑے بڑے صاحب فن مدرسین بھی آپ کی خدمت میں حصول فیض کے لئے آتے۔

مولانا احمد بخش ضیائی فن نحو میں مسلمہ عالم تھے ان کا طریقہ تھا کہ دوران تدریس و مطالعہ جو نحوی پیچیدگیاں اور اُلجھنیں پیش آتیں بیس پچیس دن کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں آجاتے۔ ڈاکٹر صاحب سے ایک ایک کر کے بیان کرتے جاتے اور ڈاکٹر صاحب انہیں بڑے ہی احسن انداز میں حل کرتے جاتے یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا۔

۱۱۔ قوتِ حافظہ و ذہانت

ایک عالم کے لئے جہاں دیگر خصوصیات ضروری ہیں وہاں اس کی قوت حافظہ غیر معمولی ہونا بنیادی چیز ہے۔ڈاکٹر صاحب کی قوت حافظہ کا اظہار دوران خطاب و تدریس اکثر مشاہدہ میں آتا۔ کیونکہ کسی بھی موضوع پر جب گفتگو کرتے تو اس موضوع سے متعلقہ کتب ان کے صفحات و سطور کا اور حواشی کا تذکرہ کرتے ۔اور اس کے بعد اس کی طویل عبارات جو آپ کو پانی کی طرح یاد تھیں صحت کے ساتھ بلا توقف پڑھ دیتے۔

ہم یہاں آپ کی قوت حافظہ کے بارے میں قبلہ ڈاکٹر صاحب کا ایک قول نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری سے بیان کیا:''طالب علمی اور بعد کے ایام میں میرے حافظہ کا عالم یہ تھا کہ میں اگر پانچ صد صفحات پر مشتمل کتاب کا مطالعہ کر لیتا تو پندرہ سال بیت جانے کے باوجود مجھے اس کی جلد صفحات سطریں اورعبارات یاد رہتی تھیں۔''

بنیادی بات یہ ہے کہ جو شخص جتنا اپنے آپ کو تقویٰ و طہارت، زہد و ورع اور عشق رسول ﷺ سے مزین کر لیتا ہے اسی قدر اسے یہ دولت شرح صدر کی صورت میں نصیب ہو جاتی ہے وہ کتاب کا محتاج نہیں رہتا۔ بلکہ کتابیں اس کی محتاج ہو جاتی ہیں۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب چونکہ مجسم عشق رسول ﷺ تھے۔ اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے بہرور کیا تھا۔آپ کی قوت حافظہ و ذہانت کا ایک عملی ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ درسی کتب جن کا مطالعہ کئے بغیر بڑے بڑے مدرسین بھی نہیں پڑھا سکتے۔ آپ مطالعہ کئے بغیر پڑھا دیتے اور پڑھنے والا طالب علم کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تھا کیونکہ آپ تمام تقاضے پورے کر دیتے تھے۔

پروفیسر صاحب اِس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ والد گرامی کا معمول یہ تھا کہ آپ رات پچھلے پہر دو اڑھائی بجے اُٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے۔ درود شریف، قصیدہ بردہ شریف ،قصیدہ غوثیہ پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طویل دعائیں کرتے یہ سلسلہ اشراق تک جاری رہتا۔ اس کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر ہسپتال میں اپنی ذمہ داری نبھاتے۔ ابتدائی وقت میں چونکہ مریض زیادہ ہوتے تھے لہٰذا آپ ساڑھے گیارہ بجے تک مریضوں کی خدمت کرتے اس کے بعد جو مریض آتے آپ کی راہنمائی میں دیگر عملہ ان کی خدمت کرتا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد آپ کی خدمت میں طلبہ آجاتے۔ آپ ان کو ظہر تک پڑھاتے، وہاں سے فارغ ہو کر آپ سفر کر کے گھر آجاتے،عصر کے بعد مجھے پڑھانا شروع فرما دیتے، یہ سلسلہ رات دس بجے تک جاری رہتا۔ اس کے بعد آپ مثنوی پڑھتے ہوئے سو جاتے۔

میں نے آپ کو کبھی درسی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ میں بچپن میں حیران ہوتا تھا کیونکہ جب پڑھاتے تو دیگر مدرسین سے زیادہ مطالعہ محسوس ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے سمجھ آگئی کہ یہ معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ پروفیسر صاحب یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے آج تک قبلہ ابا جی صاحب رحمہ اللہ سے اور اُستاذی المکرّم حضرت مولانا

علامہ عبدالرشید رضوی مدظلہ العالی سے بڑھ کر تدریس کا ماہر نہیں دیکھا۔

۱۲۔قوتِ استدلال

قبلہ ڈاکٹر صاحب کی دقتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ قوت استدلال بڑی دیدنی تھی۔ ایک دفعہ آپ جامعہ قطبیہ میں علماء کی مجلس میں تشریف فرما تھے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اتنے میں کچھ آدمی آئے ،انہوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں سوال کیا کہ حضور ﷺ نے اسے چادر دی لعابِ دھن ڈالا، جنازہ پڑھا۔ اس کے باوجود اسے کوئی نفع نہ ہوا؟

آپ نے ان کے جواب میں ایسی ایمان افروز گفتگو فرمائی کہ تمام علماء نے بیک زباں ہو کر کہاں کہ آج تک ہم نے اس مسئلہ پر اتنی مفصل اور ایمان پرور گفتگو نہ پڑھی نہ سنی۔

حضرت شیخ الاسلام بھی اس نشست میں موجود تھے (اس سال ڈاکٹر صاحب انہیں جامعہ قطبیہ میں استاذ العلماء مولانا عبدالرشید رضوی کے پاس برائے تعلیم داخل کروانے کے لئے ساتھ لے گئے تھے)۔

پروفیسر صاحب کو اس گفتگو کے جو گوشے یاد رہے ان کو یہاں نقل کیا جاتا ہے آپ نے ایک ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا:

سوال: حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا لعابِ دھن منافق کے منہ میں ڈالا اس کے باوجود وہ عذاب میں کیوں مبتلا رہا؟

جواب: یہاں مخالفین سے ایک بنیادی غلطی ہوئی ہے وہ یہ کہ انہوں نے لعابِ دھن عطا کرنے کا فائدہ خود متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا فائدہ عذابِ الٰہی کا دور کرنا تھا۔ حالانکہ اس عطیہ کو اسی فائدہ میں محدود کر دینا صریحاً زیادتی ہے۔ واضح بات ہے کہ جب

خود آقا علیہ السلام نے اس کے نفع کا تعین نہیں فرمایا کوئی دوسرا کیسے کرسکتا ہے تو جب عطیہ کا انحصار اس مذکورہ فائدہ میں نہ رہا تو سوال ہی لغو ہوگا۔ کیونکہ اس عطیہ کا مقصد ہی کچھ اور تھا۔ اور وہ حاصل بھی ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ وہ منافق حالت نزع میں مسلسل کئی دن سے تڑپ رہا تھا اس کی جان نہیں نکل رہی تھی۔ یہ بہت بڑا عذاب اور مشکل تھی۔ جب آپ نے لعابِ دھن عطا کیا تو اس کی برکت سے نزع کا مرحلہ آسان ہوگیا۔ مخالفین غور کریں کہ یہ کوئی معمولی مشکل حل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ ایک بہت بڑا عذاب تھا جو آپ کے لعاب دھن کی برکت سے ٹل گیا۔

سوال: دوسرا اعتراض یہ کیا کہ اس کی منافقت کا اگر علم تھا تو مقدس قمیض کیوں عطا کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اِس کی منافقت کا علم تھا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے قمیض عطا کی۔ اس کا احسان یہ تھا کہ ایک غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ کے چچا شہید ہوئے انہیں کفن دینے کے لئے کپڑا موجود نہ تھا۔ اس موقع پر اس شخص نے اپنی چادر دی تھی۔ آقا علیہ السلام نے اس کا یہ احسان یاد رکھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اس کی دی ہوئی چادر کا بدلہ چکا دیا۔ اس لئے آپ ﷺ اعلانیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ذات پر جس نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ بعض روایات میں موجود ہے کہ آپ کی مقدس چادر کو اسے عذاب دینے سے پہلے آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا۔

سوال: تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر علم تھا تو جنازہ کیوں پڑھایا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مخالفین صرف ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ یہ معاملہ تو اسی وقت حل ہوگیا تھا۔ جب آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے چلے، تو آپ ﷺ کے غلام سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ آپ ﷺ ایک منافق کا جنازہ پڑھانے نہ جائیں۔ اس کے جواب میں

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک اللہ تعالیٰ نے منافقین کا جنازہ پڑھانے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ مجھے اختیار دیا ہے کہ چاہوں تو پڑھاؤ اور چاہوں تو نہ پڑھاؤں۔ جب آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یافتہ شخص کو اس کی منافقت کا علم تھا تو آپ ﷺ کو بطریق اولیٰ علم تھا۔ پھر اس جنازہ پڑھانے میں ہزارہا حکمتیں تھیں ان میں بعض کا تذکرہ بھی ڈاکٹر صاحب نے کیا۔

۱۔ بیٹا مسلمان تھا اس کی دلجوئی مقصود تھی۔

۲۔ حسن خلق کا منظر دکھانا تھا کہ جس نے ساری عمر در پردہ مخالفت کی اس کے ساتھ بھی کتنے حسن خلق سے پیش آتے ہیں۔

۳۔ ہزار آدمیوں کا مسلمان ہو جانا بھی پیش نظر تھا۔ کہ جب آپ A نے جنازہ پڑھایا تو جتنے منافقین شریک تھے سب مسلمان ہوگئے۔

سوال: چوتھا اعتراض یہ ہے کہ جنازہ میں مغفرت کی دعا **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ** (اے اللہ اسے بخش دے) تو اس دعا کا کیا فائدہ ہوا؟ حالانکہ اہل سنت کے ہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی؟

جواب: اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مخالفین نے کبھی جنازہ کی دعا پر غور ہی نہیں کیا۔ اگر غور کر لیتے تو اعتراض نہ کرتے۔ جنازہ میں دعا کے الفاظ میں **اَللّٰھُمَّ اغْفِرِ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا** (اے اللہ وہ لوگ جو ہمارے ہیں خواہ زندہ یا فوت شدہ ان کو بخش دے)۔ اس دعا میں منافق شامل ہیں نہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب نے جنازہ کے الفاظ سے استدلال کر کے مخالفین کا رد کیا تو سامعین خصوصاً علماء متحیر ہوگئے۔ اور آپ کی کامل گرفت اور دقتِ نظر پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

سوال: پانچواں اعتراض یہ وارد کیا کہ قبر پر کھڑے ہو گئے مگر عذاب نہ ٹلا؟

جواب: آپ نے فرمایا آپ کی بات درست مگر یہ بتاؤ کہ اگر آپ ﷺ کے کھڑے رہنے سے عذاب نہیں ٹلتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیوں فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ.

(التوبۃ، ۹:۸۴)

''اور آپ کبھی بھی ان (منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (کیوں کہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حقدار نہیں ہیں)۔''

واضح بات ہے کہ یہ منع اس لئے تھی کہ آپ ﷺ کے قدموں کی برکت سے عذاب دور ہوتا ہے بلکہ رُک جاتا ہے۔ پھر اس پر قرآن کی شہادت پیش کی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ. (الانفال، ۸:۳۳)

''اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔''

جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی موجودگی کو عذاب کے نہ ہونے کی دلیل بتا رہا ہے تو پھر اب مخالفین کس بات پر ہٹ دھرمی کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۳۔ عربی و فارسی تکلّم میں مہارت

ہمارے ہاں اکثر علماء عربی اور فارسی کے ماہر ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان زبانوں کے بولنے کا ماحول نہیں۔ اس لئے نسبتاً کم علماء عربی اور فارسی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ لیکن قبلہ ڈاکٹر صاحب کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ آپ صرف ان زبانوں کے قواعد و ضوابط سے

ہی آگاہ نہ تھے بلکہ ان کے تکلم پر بھی کامل قدرت رکھتے تھے۔ آپ ان زبانوں میں اس طرح اظہار مافی الضمیر کرتے جس طرح کوئی صاحب زبان گفتگو کر رہا ہو۔ آپ اپنے لبنان، شام، حجاز کے سفر نامے میں ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ یہ امر میرے لئے بڑی سہولت کا باعث رہا ہے کہ مجھے عربی و فارسی زبانوں سے وافر شغف تھا۔ اس لئے ہر ملک کے باشندوں سے بے تکلّفانہ گفتگو کے ذریعے راہنمائی حاصل کی جا سکتی تھی۔

نبض کے موضوع پر عربی مقالہ

جب آپ لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۹۴۱ء میں واپس پنجاب تشریف لائے تو اس وقت یہاں زبدۃ الحکماء کی ڈگری طب میں سب سے بڑی ڈگری تھی آپ نے آتے ہی پنجاب یونیورسٹی کے تحت اس کے امتحان میں پرائیویٹ طور پر شرکت کی۔ آپ نے امتحان میں نبض کے موضوع پر چالیس صفحات پر مشتمل عربی میں مقالہ بھی لکھا، اس امتحان میں آپ نے پنجاب بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی، جس میں آپ کو گولڈ میڈل ملا۔

نبض کے موضوع پر یہ مقالہ ہے یا امام کی کتاب؟

انعام دینے کی تقریب کی صدارت سر عبدالقادر نے کی۔ جب ڈاکٹر صاحب کی باری آئی تو آپ کے عربی مقالہ کے جو ممتحن تھے وہ مقالہ لے کر سٹیج پر آئے اور انہوں نے درج ذیل الفاظ میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا:

> ’’یہ طالب علم (ڈاکٹر فرید الدین) مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے نبض کے موضوع پر ایک عظیم مقالہ لکھا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک بہترین مقالہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ادبی شہ پارہ بھی ہے۔ ہم اسے دیکھ کر حیران رہ گئے اور یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ یہ ایک طالب علم کا نبض کے موضوع پر مقالہ ہے یا کہ نبض کے فن پر کسی امام کی کتاب، ہم پچاس میں سے پچاس نمبر دینے پر مجبور تھے ورنہ یہ مقالہ زیادہ نمبروں کا مستحق تھا۔‘‘

۱۴۔ خطابت اور فن تقریر

عام مشاہدہ ہے کہ اکثر مدرسین اور علمی شخصیات اعلیٰ درجے کے خطیب نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان کا تعلق بنیادی طور پر تعلیم و تعلّم سے ہوتا ہے جس کے تقاضے الگ ہیں۔ جبکہ خطابت کے تقاضے الگ ہیں۔ لیکن حضرت فرید ملت رحمہ اللہ جہاں کامل مدرس تھے وہاں ایک اچھے خطیب بھی تھے۔ سیال شریف اور جامعہ قطبیہ قطب آباد کے سالانہ اجتماع میں اکثر آپ ہی کا خطاب ہوتا تھا۔

یہاں ہم آپ کے فن خطابت کے حوالے سے چند ان خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق آپ کے علمی مقام کے ساتھ ہے۔

۱۔ تمام خطاب علمی ہوتا۔ اس میں ایک جملہ بھی علمی سطح اور تحقیق سے گرا ہوا نہ ہوتا۔

۲۔ آپ کی تمام گفتگو متعلقہ موضوع پر ہی ہوتی تھی۔

۳۔ آپ کے خطاب کی یہ خصوصیت بھی بیان کی گئی ہے کہ سامعین بیان کردہ موضوع کے عالم ہو جاتے۔

۴۔ آپ کے خطاب میں علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ روحانی چاشنی بھی ہوتی۔ آپ جب وجد میں آکر مثنوی شریف کے اشعار پڑھتے تو سامعین پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔

۵۔ اپنے خطاب کا پہلے اختصار کے ساتھ خلاصہ بیان کر دیتے تھے۔ جس کے ذریعے سامعین پر واضح ہو جاتا کہ آج موضوع کیا ہے؟ اس میں اختلاف کیا ہے؟ اس موضوع کے پہلو کیا ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد مخالفین کے اعتراضات کا تفصیلی تذکرہ کرتے۔ پھر ہر ایک کا تجزیہ کرتے ہوئے مدلل رد فرماتے۔

٦۔ آپ کے خطاب کا انداز یہ بھی تھا کہ جس آیت یا حدیث کو مخالف سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کرتے اس کو آپ بنیاد بناتے ہوئے گفتگو کا آغاز فرماتے مثلاً آپ نے اگر نورانیت مصطفیٰ ﷺ پر گفتگو کرنا ہوتی تو ''قُلْ اِنَّمَا أنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یُوحٰی اِلَیَ'' اور اگر علم غیب پر گفتگو کرنا ہوتی تو اس آیت کی تلاوت کرتے ''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ'' حیات النبی ﷺ پر گفتگو کے لئے ''اِنَّکَ مَیتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْن'' کی تلاوت کرتے۔

سامعین ابتداً حیران ہوتے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کس آیت کو موضوع بنا رہے ہیں۔ لیکن جب آپ خداداد ذہانت و فطانت کو بروئے کار لاتے ہوئے ان آیات پر تفصیلی گفتگو کرتے تو ہر شخص محسوس کرتا کہ یہ مخالف کے دلائل نہیں بلکہ اثبات مسئلہ میں سب سے قوی دلائل ہیں۔

٧۔ مشکل سے مشکل مسئلہ کو عام فہم بنا کر بیان کر دیتے۔ اس کی ایک مثال بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے: آپ نے ایک عوامی اجتماع میں مسئلہ علم غیب پر گفتگو فرمائی۔ دیگر دلائل کے علاوہ آپ نے درج ذیل ایمان افروز دلیل دی۔ جسے سن کر ہر آدمی محظوظ ہوا۔ آپ نے فرمایا قرآن حکیم میں ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَایَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ.

(الانعام، ٦: ٥٩)

''اور غیب کی کُنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (ازخود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے۔''

یہ ارشاد باری تعالیٰ نشاندہی کرتا ہے کہ غیب کے خزانے مقفل ہیں۔ اور ان کی چابیاں موجود ہیں۔ اب اگر غیب کے خزانے ہر ایک سے مخفی ہی رکھنے تھے اور کسی پر انہیں

کھولا نہیں جانا تھا۔ تو ان کی چابیاں پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ چابی ہمیشہ تالے کو کھولنے کے لئے ہوتی ہے۔ جب چابیاں بیان کردیں تو اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ کسی نہ کسی کے لئے ضرور کھولے جائیں گے۔ اور اس کی نشاندہی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کردی ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (آل عمران، ۳: ۱۷۹)

''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۝ (الجن، ۷۲: ۲۶)

''(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا۝''

جب قرآن حکیم نے چابیوں کا ذکر کردیا اور جن پر وہ خزانے کھولے جاتے ہیں ان کا بھی ذکر کردیا تو اب یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو غیب عطا نہیں فرماتا صریحاً ظلم اور زیادتی ہے۔

۹۔ دوران خطاب موضوع سے متعلقہ مختلف کتب کی عربی و فارسی طویل عبارات صحت اور روانی سے پڑھتے تھے۔ یہ آپ کی قوت حافظہ کا ایسا اظہار تھا جس کا مشاہدہ ہر کوئی کرتا۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ
فنِ طب کے عظیم محقق

(ڈاکٹر علی اکبر قادری)

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو حصول تعلیم کی تڑپ برصغیر پاک و ہند کی بلند پایہ علمی شخصیات کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک کے عظیم علماء کے علم و عرفان کے چشموں پر کشاں کشاں لئے پھری۔ آپ نے انتھک جدوجہد اور محنت شاقہ کو بروئے کار لاکر نہ صرف دینی علوم کے حصول میں کمال حاصل کیا بلکہ علم طب یعنی اسلامی اور یونانی طب میں بھی کمال دسترس اور نبض شناسی میں محیر العقول حد تک ملکہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اعلیٰ پایہ کی ذہانت و فطانت، فہم و ادراک، نکتہ سنجی، استخراج و استنباط اور کمال درجے کا حافظہ عطا کیا گیا تھا۔ بقول حضرت شیخ الاسلام ''آج تک میں نے معاصرین میں سے ان جیسا نباض نہیں دیکھا'' آپ کو تشخیص اور تجویز دونوں پر پورا عبور حاصل تھا۔ بڑے بڑے ماہر اطباء آپ کی علمی و فنی اور عملی استعداد و مہارت تامہ کے معترف اور گواہ ہیں۔

طبی تعلیم کا حصول

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ ایک خدا رسیدہ اور درویش منش انسان تھے۔ وہ اپنے ہونہار فرزند کو ایک کامیاب طبیب اور حکیم حاذق دیکھنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے آٹھویں جماعت ہی میں آپ کا سلسلہ تعلیم منقطع کرا کے آپ کو جھنگ صدر کے ایک حکیم صاحب کی شاگردی میں دے دیا۔ مگر چند ہی روز میں حضرت فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے محسوس کیا

کہ ان کا حکیم صاحب کے پاس بیٹھنا سراسر وقت کا ضیاع ہے۔ لہٰذا آپ نے ان کے پاس جانا بند کر دیا۔ اور والد ماجد سے سلسلہ تعلیم کو جاری رکھنے کا اصرار کیا۔ تاہم حکیم صاحب کی صحبت میں گذارے گئے ان ابتدائی ایام نے آپ کے ذہن میں دین اور طب کی تعلیم اور اس کے ذریعے خلق خدا کی خدمت کا داعیہ پوری طرح بیدار کر دیا۔

ا۔ جھنگ سے سیالکوٹ روانگی

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ دینی اور سکول کی تعلیم کے حصول کے لئے سیالکوٹ کے معروف عالم دین مولانا محمد یوسف سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے طبیب بھی تھے۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے طب کی کچھ ابتدائی کتب اور نصاب ان سے پڑھا۔ بعد ازاں میٹرک کرنے کے بعد انہی کی ترغیب پر لکھنؤ تشریف لے گئے۔

۲۔ منبع الطب کالج لکھنؤ سے ڈپلومہ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ سیالکوٹ سے میٹرک، درس نظامی کی اعلیٰ کتب اور طب کی ابتدائی کتب اور نصاب کے مطالعہ کے بعد لکھنؤ میں فرنگی محل جیسے ایشیا کے معروف ترین علمی و فنی مرکز میں داخل ہوگئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آپ نے منبع الطب کالج میں بھی داخلہ لے لیا۔ یہاں آپ کو ڈاکٹر عبدالعزیز لکھنوی رحمہ اللہ (ایم آر اے ایس لندن) پرنسپل منبع الطب کالج لکھنؤ مولانا حکیم محمد ہادی رضا لکھنوی رحمہ اللہ اور مولانا حکیم محمد حسین رضا لکھنوی رحمہ اللہ جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ اور آپ نے کچھ عرصہ میں ۳ فروری ۱۹۳۴ء بمطابق ۲۱ شوال ۱۳۵۲ھ کو طب میں ابتدائی ڈپلومہ حاصل کر لیا۔

۳۔ تکمیل الطب کالج لکھنؤ

فرنگی محل میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے تکمیل الطب کالج جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں بھی داخلہ لے لیا اس طبیہ کالج کے پرنسل شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی تھے۔ آپ حضرت حکیم عبدالعزیز لکھنوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے۔ اور متحدہ ہندوستان کے دور آواخر کے بہت بلند پایہ حکماء اور اطباء حکیم محمد اجمل خان دہلوی اور حکیم نابینا انصاری وغیرہ کے ہم پایہ تھے۔

لکھنؤ میں تعلیم کے دوران حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو طب قدیم اور طب جدید کے دو بہت بڑے اداروں سے اکتساب علم کا ایک بہت ہی حسین موقع میسر آیا۔ یہاں پر قائم طبیہ کالج اور کنگ جارج میڈیکل کالج کے بعض طلباء کو یہ سہولت تھی کہ دونوں کالجوں سے بعض مضامین میں اکتساب علم کر سکیں۔ طبیہ کالج کے نہایت ہی ذہین طلباء کنگ جارج میڈیکل کالج سے میڈیکل سائنس کے بعض مضامین کی کلاسز میں بیٹھتے اور میڈیکل کالج کے بعض طلباء طبیہ کالج کی بعض کلاسوں میں شامل ہوتے۔ اس طرح حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو طب کی قدیم اور جدید تعلیم کے حصول کا بہترین موقع میسر آیا، چنانچہ کنگ جارج میڈیکل کالج سے بھی میڈیکل کی ڈگری لی اور طبیہ کالج لکھنؤ طب یونانی میں تخصص حاصل کیا اور فاضل طب و الجراح کی سند (Qualified degree of physician and surgeon) اوّل پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔

حکیم عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ کی خصوصی شفقت

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ چونکہ بہت ذہین و فطین اور محنتی طالب علم تھے۔ اس لئے آپ کے اُستاد محترم شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی آپ پر خصوصی توجہ اور کمال شفقت فرماتے تھے۔ بسا اوقات آپ کو ایک لائق طالب علم ہونے کے ناطے گھر بلا کر بھی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز حکیم صاحب نے حضرت ڈاکٹر فرید الدین

قادری رحمہ اللہ کو فرمایا ''اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر میرے گھر منتقل ہو جاؤ۔ آج سے تم میرے بیٹے ہو۔'' حکیم صاحب نے آپ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ کا صرف ایک بیٹا تھا جسے وہ متین بابو کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ سے بہت مانوس ہوگیا۔ اور وہ آپ کا منہ بولا بھائی بھی بن گیا۔ اس طرح آپ اپنی تعلیم کے تمام سال وہیں مقیم رہے۔

۴۔ نبض میں تخصُّص

دور قدیم میں مرض کی تشخیص کے سلسلہ میں نبض شناسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ طبی تعلیم میں حکماء کے لئے اس مہارت کا حصول بنیادی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ اور قدیم حکماء کی نبض شناسی سے متعلق ایسی ایسی محیر العقول مثالیں سامنے آئی ہیں جن کے مقابل جدید طب کے تمام تکنیکی اور کمپیوٹرائزڈ وسائل بہت ہیچ نظر آتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے اُستادِ محترم جناب شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی طبی تعلیم کے اس فن میں بھی آپ کو اعلیٰ مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے نبض شناسی میں تخصص کے لئے ڈاکٹر صاحب کو اس دور کے ایک عظیم نباض حکیم عبدالوہاب المعروف حکیم نابینا انصاری کے پاس ایک خصوصی تعارفی خط کے ساتھ بھیجا۔ اس خط میں تحریر فرمایا کہ ''جناب حکیم انصاری صاحب یہ ایک طالب علم جس کی نظر آج تک ہمارے ادارے نے نہیں دیکھی۔ اس کو آپ کے پاس نبض میں تخصص کے لئے بھیج رہا ہوں اس پر خصوصی توجہ کی درخواست ہے۔''

حکیم عبدالوہاب رحمہ اللہ نابینا انصاری کے زیرِ نگرانی تعلیم

حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ لیکن نظام حیدر آباد دکن کے پاس ان دنوں افسر الاطباء کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب آپ کے

پاس حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے پر حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ نے آپ کا انٹرویو اور ٹیسٹ لیا۔ جس میں آپ نے قابل رشک حد تک کامیابی حاصل کی۔ حکیم صاحب نے آپ کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر آپ کو اپنے ان خاص طلباء میں شامل کر لیا جنہیں وہ سالوں کی تعلیم کے بعد مطب میں اپنے دائیں اور بائیں بٹھاتے تھے۔

حکیم انصاری رحمہ اللہ کا مریض کے دیکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ بیک وقت دو مریضوں کو دیکھتے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر دونوں مریضوں کا جو مرض ہوتا بول دیتے۔ پہلے علامات بولتے جاتے۔ بعد میں ادویات اور نسخہ جات تجویز کرتے جاتے۔ اور شاگردوں کو یہ ہرگز نہ بتاتے کہ دونوں مریضوں میں سے یہ نسخہ کس کے لئے ہے۔ بلکہ یہ کام شاگردوں پر چھوڑے دیتے۔ جب مریض کو دیکھ کر فارغ ہو جاتے تو حکیم صاحب شاگردوں سے پوچھتے کہ انہوں نے کس مریض کے لئے کونسی دوا تجویز کی ہے۔ شاگرد اپنے اپنے نوٹس کے مطابق بتاتے اور اس میں کوئی غلطی ہوتی تو اصلاح فرما دیتے۔ اس طرح شاگردوں کو خود محنت کرنا پڑتی۔ اور انہیں تشخیص اور تجویز میں زیادہ درک حاصل ہوتا چلا جاتا۔ حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ جب حیدر آباد دکن سے دہلی واپس آئے تو ڈاکٹر صاحب بھی ان کے ہمراہ دہلی آ گئے۔ اس طرح آپ پورا ایک سال حکیم انصاری رحمہ اللہ کے ساتھ رہے۔ اس طرح ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو نبض میں وہ مہارت حاصل ہوئی کہ آج کے حکماء و اطباء میں ان جیسا نباض ان کے معاصرین میں نہیں دیکھا گیا۔ حکیم نابینا انصاری کی تربیت اور صحبت نے آپ کو فرید العصر بنا دیا۔ آپ دہلی سے ۱۹۴۱ء میں جھنگ واپس تشریف لائے۔

حکیم عبدالوہاب رحمہ اللہ نابینا انصاری کا ایک محیر العقول واقعہ

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے اساتذہ اور ہم عصر اکابرین جن سے انہوں نے اکتساب فیض کیا، میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، جلیل القدر صوفیاء، مجذوبین، اطباء، اور ڈاکٹرز کے نام ملتے ہیں۔ لکھنؤ میں جب طبِ قدیم و جدید کی تحصیل سے فراغت حاصل کی تو شفاء الملک حکیم عبدالحلیم رحمہ اللہ پرنسپل طبیہ کالج لکھنؤ نے نبض شناسی میں تخصص کے لئے

انہیں اس دور کے ایک عظیم حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ کے پاس ایک خصوصی تعارفی خط دے کر بھیجا۔ حکیم صاحب کا پورا نام حکیم عبدالوہاب انصاری رحمہ اللہ تھا۔ یہ وہی حکیم ہیں جو حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ کے معالج رہے۔

دورِ قدیم میں نبض شناسی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ قدیم اطباء نہ صرف حکیم و نبض شناس ہوتے بلکہ صاحبِ زہد وتقویٰ بھی ہوتے۔ طبی بصیرت کے ساتھ ساتھ قلبی بصیرت کا امتزاج ہوتا تو نبض شناسی کے ایسے باب کھل کر سامنے آتے کہ عقل وخرد کے تمام پیمانے یکسر ٹوٹ جاتے۔ اسی نوعیت کا ایک محیر العقول واقعہ حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ سے متعلق ہے جس کے راوی خود ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ہیں اور ان کی موجودگی میں یہ وقعہ پیش آیا۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی زبانی قائد انقلاب بیان فرماتے ہیں:

''ہم حکیم نابینا انصاری صاحب کے دائیں بائیں معمول کے مطابق بیٹھتے تھے۔ مطب کا وقت تھا لوگ آتے اور حکیم صاحب بیک وقت دو دو مریضوں کو دیکھتے جاتے جیسا کہ ان کا معمول تھا۔ ایک دن ایک میاں بیوی حکیم صاحب کے مطب پر آئے۔ اُن کے ساتھ نو دس سال کا ایک بچہ بھی تھا۔ شوہر نے حکیم صاحب کو نبض دکھائی حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر اس کے لئے دوا تجویز کر دی۔ وہ شخص نبض دکھا چکا تو کہنے لگا حکیم صاحب میرا بیٹا بھی میرے ساتھ ہے اس کی طبیعت بھی دیکھ لیں۔ حکیم صاحب نے اس شخص کی بات سنی تو چونک اُٹھے اور کہنے لگے بھئی آپ کا بیٹا کیسا؟ یہ تدبر ہمارے ''ایم بی بی ایس'' ڈاکٹرز حضرات کے تصور سے بھی بالا تر ہے۔ کیونکہ انہیں نبض کا علم پڑھایا ہی نہیں جاتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نبض صرف سرکولیشن آف بلڈ کو ٹیسٹ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ نے اس آدمی کو نبض تو محض کسی دوسری تکلیف کو جاننے کے لئے دیکھی تھی لیکن نبض پر ہاتھ رکھنے سے اس کی فطرت و جبلت اور صلاحیت ہر چیز آشکار ہوگئی تھی۔ جب اس شخص نے اپنے بیٹے کا ذکر کیا تو انصاری صاحب نے کہا کہ بھئی تمہارا بیٹا تو ہو ہی

نہیں سکتا۔ اس نے کہا جناب میرا ہی بیٹا ہے جبکہ حکیم صاحب ماننے سے انکاری تھے۔ اسی اصرار و انکار میں لوگوں کا ایک اژدھام اکٹھا ہوگیا۔ تلامذہ جمع تھے۔ عجب تماشا ہوا۔ مریض کا اصرار ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ حکیم صاحب کا اصرار ہے کہ آپ کا بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ حکیم صاحب نے آخری اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اگر یہ آپ کا بیٹا ہے تو مَیں ساری عمر کے لئے حکمت و طبابت چھوڑ دوں گا۔ بیوی اس کے ساتھ تھی اس سے پوچھا تو اُس نے حلفاً کہا کہ جناب: انہی کا بیٹا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہیں ایسا تو نہیں کہ اس خاتون کی پہلے کہیں اور شادی ہوئی ہو اور یہ بیٹا پہلے شوہر سے ہو اور آپ نے اس کی پرورش کی ہو۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا یہ بیٹا ہمارا ہی ہے۔ حکیم انصاری رحمہ اللہ نے قلم رکھ دیا اور فرمایا میں بھی حلفاً کہتا ہوں کہ آپ کے ہاں بیٹا نہیں ہوسکتا۔ مجھے سچ سچ بتائیں اصل ماجرا کیا ہے؟ عجیب صورتحال پیدا ہوگئی۔ بیوی کی عصمت و کردار پر بھی حرف آنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ بالآخر شوہر بول اُٹھا کہ آپ کی تشخیص درست ہے بابا! آپ بھی سچے ہیں اور ہم بھی سچے ہیں۔ حکیم صاحب کہنے لگے کیسے؟ اس پر اُس شخص نے اپنی کہانی کچھ ان الفاظ میں سنائی۔

ہماری شادی کو بارہ سال ہوگئے تھے لیکن اولاد سے محروم تھے۔ بڑے علاج کروائے۔ بڑے بڑے طبیبوں اور ڈاکٹروں سے رابطہ کیا لیکن مایوسی ہوئی۔ دوا دارو کا سلسلہ چلتا رہا لیکن اولاد سے محروم ہی رہے (یہ واقعہ حیدر آباد دکن کا ہے)۔ ہم بالکل مایوس ہوگئے۔ حیدر آباد دکن جہاں ہمارا گھر ہے اس گلی میں ایک مجذوب آکر بیٹھا کرتے تھے۔ روزانہ صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب۔ دو تین گھنٹے مسلسل بیٹھے رہتے مراقبے کی حالت میں۔ اس کے بعد اُٹھ کر کہیں اور چلے جاتے۔ میری اہلیہ نے جب دیکھا کہ یہ مجذوب روزانہ یہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں تو وہ کوئی کھانا وغیرہ پکا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیتی۔ کبھی وہ کھا لیتے اور اگر طبیعت نہ ہوتی تو انکار میں سر ہلا دیتے۔ اس طرح خدمت کرتے کرتے ایک عرصہ گزر گیا۔ ایک روز جب میری بیوی نے ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا تو انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا اور پوچھا کہ بیٹی ہر روز تم ہی کھانا لاتی ہو؟ اہلیہ

نے کہا جی ہاں! مجذوب نے کہا کیوں تکلیف کرتی ہو؟ اس وقت میری اہلیہ کے دل میں اولاد کی خواہش مچل اُٹھی اور وہ اولاد کی محرومی کے احساس سے رو پڑی۔ ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اللہ والے کے دل میں رحم آیا اور انہوں نے پوچھا بیٹی کیوں روتی ہو؟ تو اس نے کہا حضرت میری شادی کو بارہ سال ہوگئے ہیں۔ سنا ہے بارہ سال تو اللہ تعالیٰ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی بھی سن لیتا ہے لیکن میں ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ ہم نے بہت علاج کروائے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ومکرم بندے ہیں۔ اگر آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو عرض یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں وہ تقدیریں بدلنے والا ہے، قادرِ مطلق ہے اگر ہماری تقدیر بدل جائے تو اس سے کون پوچھنے والا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں بیٹا یا بیٹی عطا کردے۔ یہ سن کر مجذوب صاحب مراقبہ میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر کہنے لگے بیٹی! یہ معاملہ ہمارے بس سے باہر ہے۔ البتہ ہم نے تمہارا کام کر دیا ہے۔ یہ معاملہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کے بس کا ہے۔ اور ہم نے ان سے عرض کر دی ہے۔ آپ لوگ پاکپتن شریف چلے جائیں۔ بابا حضور رحمہ اللہ کے دربار عالیہ پر، وہاں چالیس روز قیام کریں اگر اللہ کو منظور ہوا تو تمہارا کام بن جائے گا۔

چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی پاک پتن شریف چلے گئے اور مزار شریف پر حسبِ حکم چالیس روز تک اعتکاف کیا۔ اور یہ گھڑیاں مسلسل عبادت و ریاضت میں گزاریں۔ تہجد کے وقت ہم اللہ تعالیٰ کے حضور رو روکر التجا کرتے۔ اور ان التجاؤں میں بابا حضور کو وسیلہ بناتے۔ آخر چالیس راتیں پوری ہوئیں۔ آخری رات تھی جس کی صبح ہمیں واپس چلے جانا تھا۔ میری اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ تشریف لائے اور میری اہلیہ سے فرمایا بیٹی اُٹھو! تمہیں مبارک ہو اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول رکھ دیا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کا میری اہلیہ کے ہاتھ پر گلاب کا پھول رکھنا تھا کہ اہلیہ کی آنکھ کھل گئی اس نے فوراً مجھے بیدار کیا اور خواب بتلایا۔

ہم نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا، بابا حضور رحمہ اللہ کا شکریہ ادا کیا اور نمازِ فجر کے فوراً بعد واپس روانہ ہوگئے۔ آتے ہی میری اہلیہ اُمید سے ہوگئیں اور اس کے نو ماہ بعد یعنی ہماری شادی کے تیرھویں سال یہ بیٹا پیدا ہوا۔ اب پھر نو سال گزر گئے ہیں لیکن اس بیٹے کے بعد دوبارہ ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ نے نبض دیکھ کر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ یہ بیٹا بھی ہمارا ہی ہے۔ الحمد للہ آپ بھی سچے ہیں اور ہم بھی۔ یہ بیٹا ہمارا ہی ہے لیکن ہوا ہے ایک مجذوب اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کے توسط سے۔'' نبض شناسی کا یہ حیرت انگیز واقعہ ایک حقیقت ہے۔ اس تشخیص کا انداز آج کے حکماء اور ڈاکٹروں کے ہاں مفقود ہے لیکن کہیں کہیں سلف صالحین کی نشانیاں موجود ہیں اور ان کے ہاں آج بھی یہ جھلک نظر آجاتی ہے:

دار الشفاء حوالی بطحا میں چاہئے
نبضِ مریض پنجۂ عیسیٰ میں چاہیے

ملازمت

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے خلق خدا کی خدمت کے لئے طب کو بطور پیشہ پسند فرمایا۔ اور گورنمنٹ ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ کا دل خلق خدا کی خدمت کے جذبہ سے سرشار تھا۔ آپ کے پاس جتنے بھی مریض آتے ان کو بڑی تسلی اور اطمینان سے دیکھتے۔ مریض کی نفسیات میں آپ کو پوری مہارت حاصل تھی۔ مریض کی اس درجہ حسن سلوک کی وجہ سے تشفی ہو جاتی اور اس کی آدھی بیماری پہلی ملاقات ہی میں دور ہو جاتی۔

۱۹۴۸ء میں جب ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کے کیمپوں میں ہیضہ کی وباء پھیلی تو حکومت نے حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو بیماری کے علاج کے لئے ان کیمپوں کا انچارج مقرر کیا۔ آپ نے اس بیماری کے علاج کے لئے اپنا تیار

کردہ نسخہ استعمال کروایا جس سے یہ وباء فوری طور پر ختم ہوگئی۔ صدر ایوب کے دور میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ طبی سلیکشن بورڈ کے رُکن بھی رہے اور آپ نے یونانی اطباء کی سلیکشن بھی کی۔

طریقہ علاج کی خصوصیات

۱۔ آپ کے طریقہ علاج کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ مرض کی شفایابی کے وقت کا تعین فرما دیتے تھے۔ اور مریض کو بتاتے کہ اتنے وقت میں بیماری کی علامات ختم ہو جائیں گی اور اتنے عرصہ تک آپ کو دوا لینا ہوگی۔

۲۔ جب آپ کسی مریض کو دیکھتے تو محض عمومی شکایت پوچھتے اور پھر کچھ نہ پوچھتے۔ مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر تمام علامات اور بیماری بتا دیتے حتیٰ کہ اگر مریض کو ۱۵،۲۰ یا ۲۵ سال پہلے کوئی مرض لاحق ہوا ہوتا تو اس کا پس منظر بتاتے یا کوئی موروثی مرض ہوتا تو وہ بھی بتا دیتے۔

ڈاکٹر صاحب کے طریقہ علاج سے جو بات سامنے آتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف طبی علم کے ماہر تھے بلکہ فن طبابت میں ان کا درجہ محقق اور مجتہد کا تھا۔ آپ نے علمی تحقیقات اور تجربات کی روشنی میں متعدد فروعات ایجاد کیں اور کئی نہایت اہم اور کیمیا اثر نسخہ جات مرتب کیے۔

گولڈ میڈل کا اعزاز

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے لکھنؤ سے لاہور آتے ہی حمایت اسلام طبیہ کالج لاہور سے زبدۃ الحکماء کا امتحان بطور پرائیویٹ اُمیدوار کے دیا۔ اس وقت یہ امتحان پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ہوتا تھا۔ اس امتحان میں آپ نے

پہلی پوزیشن حاصل کی اور اس طرح پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۴۱ء میں آپ کو گولڈ میڈل کا اعزاز ملا۔

فن نبض شناسی پر مقالہ

مذکورہ امتحان میں آپ نے فن نبض شناسی پر چالیس صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ایک فی البدیہ مقالہ لکھا جس میں اس فن پر مبسوط بحث کی۔ مقالہ میں آپ نے اقسام نبض، ان کی علامات، اخذ نتائج، ان کے انطباقات اور تشخیص کی اساسیات پر اتنی سیر حاصل گفتگو کی کہ ممتحن حضرات یہ مقالہ پڑھ کر متحیر ہو گئے۔ انہوں نے لکھا کہ یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کسی طالب علم کا مقالہ ہے یا اس فن کے کسی ماہر یا امام کی کتاب۔

طبی تصنیفات

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے فن طب پر چار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں پہلی کتاب ''شفاء الناس'' (زمانہ طالب علمی کے فوراً بعد لکھی) دوسری ''بیاض فریدی'' تیسری ''زبدۃ المجربات'' چوتھی ''تفرید الفرید'' ہے۔ یہ کتابیں آپ کے فرزند جلیل شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی کے پاس مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں۔

اہم طبی واقعات

جھنگ میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر حکیم حافظ سلطان محمود صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک بلند پایہ طبیب تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہم ان کی طبی گفتگو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز پہلے شیخ اکرام الحق اے ڈی ایم و چیئرمین بلدیہ جھنگ کی اہلیہ کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا تھی۔ ڈاکٹر صاحب مجھے ہمراہ لے کر مریضہ کے معائنے کے لئے گئے۔ مریضہ کا دماغی

توازن درست نہ تھا۔ میں تو اس مریض کو دیکھ کر پریشان ہوگیا اور نا اُمید ہوکر ایک طرف کھڑا ہوگیا لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب نے مریضہ کو دیکھ فرمایا کہ پرسوں انشاء اللہ آپ کا مریض صحت یاب ہو جائے گا۔ آپ نے مریضہ کے لئے دوا دی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا جب دو روز بعد میں ان کے ہمراہ مریضہ کے معائنہ کے لئے گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ آپ کے علاج سے صحت یاب ہو چکی تھی۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کچھ عرصہ ڈی ایس ہسپتال لالیاں تحصیل چنیوٹ میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ لالیاں میں ایک بڑے زمیندار مہر غلام عباس (بی اے۔ ایل ایل بی و آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل چنیوٹ) اپنا زیادہ وقت ڈاکٹر صاحب کے پاس ہی گذارتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی طبی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا مہر مراد بخش سخت بیمار ہوگئے۔ ہر جگہ سے کافی علاج کروایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر کار میرے والد مہر محمد محسن لالی انہیں حکیم اجمل خان کے پاس دہلی لے گئے۔ وہاں دو ماہ علاج کرانے کے بعد کچھ افاقہ محسوس ہوا تو انہوں نے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ اس مریض کے لئے نسخہ تجویز فرما دیں۔ ہم اپنے گاؤں میں نسخہ تیار کروا لیں گے اس پر حکیم اجمل خان صاحب نے کہا کہ موسم بدلنے کے ساتھ یہ مرض دوبارہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور مجھے نسخہ کے اجزاء میں کمی بیشی کرنا پڑے گی۔ مریض اگر میرے پاس رہا تو اس کا علاج جاری رہ سکتا ہے کوئی دوسرا شخص اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ مہر صاحب بتاتے ہیں کہ چند مجبوریوں کے باعث وہ دہلی سے گاؤں آگئے کچھ عرصہ بعد حکیم اجمل صاحب کا کہا سچ ثابت ہوا۔ اور موسم تبدیل ہونے کے بعد مرض بڑھ گیا۔ اب ہم مریض کو حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے پاس لے گئے آپ نے مریض کا علاج کیا تو چند روز بعد مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

مہر غلام عباس لالی صاحب بیان کرتے ہیں کہ خود میرے والد مہر محمد محسن لالی بیمار ہوئے تو ہم نے متعدد حکماء کو آپ کی نبض دکھائی، سب نے کہا کہ ان کا جگر خراب

ہے۔ جب ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کو کینسر کی ایک قسم کا مرض لاحق ہے۔ ہم نے اس وقت زیادہ توجہ نہ دی۔ کئی برسوں بعد جب مہر صاحب کو دوبارہ تکلیف ہوئی تو ہم نے لاہور کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر الٰہی بخش سے علاج شروع کروایا لیکن بیماری جوں کی توں رہی ۔آخر کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر الٰہی بخش نے بتایا کہ مہر صاحب کو کینسر ہے۔ اس طرح ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے جو بات ہمیں برسوں پہلے بتا دی تھی وہ سچ ثابت ہوئی۔

قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری چند واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم والد صاحب کے ہمراہ جھنگ کے دوست سید الطاف حسین شاہ کی پھوپھی محترمہ آفتاب بی بی کے انتقال پر ان کی تدفین کے لئے قبرستان گئے تھے۔ قبرستان ہی میں ایک مریض آیا۔ اس مریض کا کئی سالوں سے خونی بواسیر کا علاج کیا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور مسکرائے۔ فرمانے لگے نہ تمہیں خونی بواسیر ہے نہ علاج درست ہوا ہے۔ بلکہ تمہاری انتڑیوں میں ورم ہے اور ۱۵ دِن کے علاج سے افاقہ ہو جائے گا، لیکن تین ماہ تک علاج کرنا پڑے گا۔ چنانچہ مریض نے علاج جاری رکھا اور وہ مکمل صحت یاب ہوگیا۔

ایک مرتبہ ہماری رہائش گاہ جھنگ پر میری موجودگی میں ایک مریض آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف ہے مگر زبان سے اور کچھ نہ بتایا۔ آپ نے نبض پر ہاتھ رکھتے ہی مجھے فرمایا کہ آپ بیٹے ذرا اندر جائیں۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں اندر جانے کے لئے اُٹھا کہ ابھی دروازے ہی میں تھا کہ مریض سے فرمانے لگے کہ آپ نے اتنی زیادہ لواطت کی ہے کہ آپ کو یہ تکلیف ہوئی اور بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی ۔اس پر مریض کہنے لگا کہ آپ کی نبض شناسی نے مجھے ننگا کر دیا ہے۔ تاہم آپ نے اس کا علاج کیا۔

سرزمینِ عرب پر لا علاج مریضوں کا علاج

شاہ ابن مسعود کے بھائی کا علاج

۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ جب بغداد شریف سے ایک قافلہ کے ہمراہ سرزمین حجاز پہنچے تو اس زمانہ کے سعودی بادشاہ ابن المسعود کے کارندے بندرگاہ پر قافلہ کے ایک ایک فرد سے پوچھ رہے تھےتم میں کوئی ڈاکٹر ہے؟ ماجرا یہ تھا کہ شاہ ابن المسعود کے بھائی کو کوئی ایسا مرض لاحق تھا کہ یورپ تک علاج کروانے کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا تھا۔ اور اب وہ زندگی کی آخر گھڑیاں گذار رہا تھا۔لیکن بادشاہ نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل کوشش میں لگا رہا کہ کسی طور اس کا بھائی صحت یاب ہوجائے۔

جب قافلہ سرزمین حجاز کی سرحد پر پہنچا تو بادشاہ کے کارندے فرداً فرداً پوچھنے کے بعد حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کو اپنے ساتھ ریاض لے گئے۔ اور شاہی محل میں مریض کے پاس پہنچا دیا۔آپ نے مریض کی نبض دیکھی تو فرمایا کہ انہیں چند گھنٹوں میں افاقہ ہو جائے گا۔ اس پر تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ چنانچہ آپ فوراً بازار گئے اور دوا کے لئے چند چیزیں خریدیں اور واپس محل میں آکر ایک ٹب گرم پانی سے بھروایا اور اس میں متعلقہ دوال ڈال دی۔ اور ملازموں سے فرمایا کہ مریض کو علیحدہ کمرے میں کپڑے اتروا کر اس ٹپ میں بٹھا دیا جائے اور جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو نئے سرے سے پانی گرم کر کے اس میں یہ دوائی ملا کر دوبارہ اس مریض کو بٹھا دیا جائے۔ اور اس عمل کو بار بار دہرایا جائے۔ چنانچہ ملازموں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ اور صرف دو گھنٹوں کے بعد ایک نادار کمزور اور زندگی سے مایوس مریض صحت یاب ہو کر اپنے پاؤں پر چلتا ہوا کمرے سے ہشاش بشاش آ گیا اس پر شاہی خاندان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

بحرین کے مریض کا علاج

۱۹۶۳ء میں جب حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ حج پر گئے تو حج سے واپسی پر بحرین میں آپ کے پاس کچھ لوگ آئے۔ اور ایک ایسے مریض کو دیکھنے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر جانے کے لئے کہا جس کی حالت بہت تشویشناک ہو چکی تھی۔ اور زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ چنانچہ آپ اس وقت ان لوگوں کے ساتھ چل دیئے اور مریض کو دیکھ کر دوا دی اور رات بھر میں ۳/۴ ماہ سے صاحب فراش مریض کو اللہ تعالیٰ نے فی الفور شفا دی اور آپ کو مسیحا بنا دیا۔

درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف کے مرید کا علاج

۱۹۶۳ء میں قیام حرمین شریفین کا واقعہ ہے کہ ان دنوں حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ غلام محی الدین المعروف بابوجیؒ سرکار بھی وہیں قیام پذیر تھے۔ حضرت بابوجیؒ نے حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری سے فرمایا کہ قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے کچھ مریدین یہاں مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب سخت علیل ہیں۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو وہ مریض دیکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے مریض کو دیکھا پھر خود بازار سے دوائیں لا کر مریض کو نسخہ بنا کر دیا، جس کے استعمال سے مریض بفضلہٖ تعالیٰ کچھ ہی وقت میں شفا یاب ہو گیا۔

نیروبی سے آئی ہوئی کینسر کی مریضہ کا علاج اور زیارت رسول ﷺ

اسی سال مدینہ منورہ میں نیروبی سے آئی ہوئی کینسر کی ایک مریضہ پڑی ہوئی تھی۔ جسے کینسر کا مرض بڑی ایڈوانس صورت میں لاحق تھا۔ وہ یورپ سے علاج کروانے کے باوجود بھی صحت یاب نہ ہو سکی تھی۔ جب ان کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو وہ لوگ مدینہ پاک میں اس آرزو کے ساتھ آئے کہ اب موت تو یقینی ہے تاہم دفنانے کے لئے مدینہ

پاک میں جگہ ہی مل جائے تو غنیمت ہے۔ ان کے اس قیام کے دوران کسی نے انہیں ڈاکٹر صاحب کا تعارف کروادیا۔ وہ آپ کے پاس ان کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ آپ نے مریض کی حالت دیکھ تشویش کا اظہار فرمایا۔ لیکن مریض اور اس کے لواحقین بضد رہے کہ اب جبکہ ہم مدینہ پاک آ گئے ہیں تو اُمید ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے تصدق سے ضرور شفا عطا فرمائے گا۔ اب ہم زندگی کے دن تو پورے کر ہی رہے ہیں آپ علاج شروع کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ کل تشریف لائیں میں سوچ کر آپ کو بتاؤں گا۔ اسی رات ڈاکٹر صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے مدینہ پاک شہر کے باہر ایک جگہ دکھائی اور دوا بنانے کے کچھ اجزاء دکھائے گئے جو وہاں میسر تھے۔ یہ اجزاء پاکستان کے دیہاتی علاقوں میں بھی میسر ہیں۔ ان اجزاء کو ملا کر دوا بنانے کا طریقہ بھی بتایا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوا بنا کر مریض کو استعمال کرواؤ۔

جب اگلے روز مریضہ آئی تو ڈاکٹر صاحب نے انہیں مبارکباد دی ۔اور فرمایا مبارک ہو حضور ﷺ کی بارگاہ سے علاج کا اذن مل گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہدایت کے مطابق اجزاء کی دوا تیار کر کے مریض کا علاج شروع کیا۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کا مدینہ شریف میں چھ ماہ کا قیام تھا۔ آپ نے ۲ یا ۳ ماہ علاج جاری رکھا اور وہ خاتون مکمل شفایاب ہوگئی۔ مریضہ کے لواحقین نے علاج کے اخراجات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو اس وقت تقریباً ۴۰۰۰ ریال بطور انعام پیش کئے۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ابا جی قبلہ اُسی وقت بازار گئے اور حضور ﷺ کی شانِ اقدس، شمائل اور سیرتِ طیبہ پر جس قدر کتب دستیاب تھیں اِن پیسوں سے خرید لائے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ ابا جی اِس دوائی کو عام کر دیا جائے۔ قومی سطح پر اسے متعارف کرایا جائے۔ لیکن انہوں نے فرمایا معلوم نہیں اِس اِفشا میں حضور ﷺ کی منشاء ہے بھی یا نہیں، اس لئے بیٹا خاموشی بہتر ہے۔ بعد ازاں پاکستان آ کر بھی کئی ایسے مریضوں کا علاج کیا اور وہ شفایاب ہوتے رہے۔

حضرت فریدِ ملّتؒ اور نسبتِ رسالت

(ریاض حسین چودھری)

اگر پہچان ہے کوئی تو یہ نسبت کی خوبی ہے
وگرنہ کیا مری اوقات کیا نام و نسب میرا

فرمایا آقائے دو جہاں ﷺ نے کہ اس وقت تک تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے تمہارے مال سے اور تمہاری اولاد سے عزیز تر نہ ہو جاؤں۔ گویا نسبت رسول اللہ ﷺ اور محبت رسول ﷺ ہی اساس دین اور معیار ایمان ہے۔ اور پھر ہم غلاموں کے دامن صد چاک میں حضور کی محبت کے سوا ہے بھی کیا۔ یہی ہمارا اثاثہ یہی ہمارا سرمایہ حیات اور یہی ہمارا زادِ سفر ہے۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

ربِّ کائنات بھی اپنی ربوبیت اور اپنی خدائی کی قسم حضور سید عالم ﷺ کی نسبت سے اُٹھاتا ہے تو سوچئے ہم ناچیز اور پرُتقصیر بندے کس شمار قطار میں ہوں گے، اپنی پہچان مشروط ہے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے کہ مکین گنبد خضرا کا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے اور اس حوالہ کے بعد کسی دوسرے حوالے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کی پہچان بھی اسی نسبت مقدسہ سے ابلاغ پاتی ہے اور یہ سعادت کوئی کم سعادت نہیں بلکہ اس سعادت کے حصول کے بعد تو کسی دوسری سعادت کی تمنا ہی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد کوئی آرزو کرے بھی تو کس کی؟

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ حضرت فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو رسالت

مآب ﷺ کے ساتھ اس قدر والہانہ عشق تھا کہ ہمہ وقت ماہی بے آب کی طرح آپ ﷺ کی محبت میں روتے رہتے۔ جونہی آپ ﷺ سرکار مدینہ کا اِسم گرامی لیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ زبان ہمیشہ آپ ﷺ کے تذکار جلیلہ سے تر رہتی۔ کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنا آپ کا وظیفہ حیات تھا۔ نعت مصطفٰے ﷺ سے اس قدر شغف تھا کہ کثرت کے ساتھ تلاوت کلام پاک کے علاوہ روزانہ تہجد کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف رُخ کر کے قصیدہ بردہ شریف پڑھا کرتے تھے۔

میں جو اک برباد ہوں آباد رکھتا ہے مجھے
دیر تک اسمِ محمد ﷺ شاد رکھتا ہے مجھے

مقام ملتزم پر حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کی زبان میں بارگاہِ خداوندی میں دعا کرنا اور پھر تاجدارِ کائنات ﷺ کی دعا کی قبولیت کی بشارت دینا اور ان کا اپنے آقا و مولا ﷺ سے وعدہ کرنا کہ حضور ﷺ طاہر جونہی سن شعور کو پہنچے گا، اسے خدمت اقدس میں پیش کردوں گا اور پھر ۶۳ میں حضوری کے لمحات، حضور ﷺ سرور کون و مکاں کی کرم نوازیاں، طاہر کو دودھ کا مٹکا عطا کر کے ہر ایک میں تقسیم کے حکم سے نہ صرف قبلہ ڈاکٹر صاحب کے روحانی مرتبے کا پتہ چلتا ہے کہ بلکہ ان کے ایمان کی پختگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ نسبت رسول ﷺ نے انہیں ایمان و ایقان کی دولت سے کس حد تک سرفراز اور سرشار رکھا تھا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے برادرِ عزیز حاجی اسمٰعیل صاحب اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ والد بزرگوار الحاج میاں خدا بخش کی بیماری اور پھر ان کی وفات کی خبر مجھے نہ مل سکی کہ ان دنوں میں لاہور میں تھا، مجھے اس کا بے حد افسوس تھا اور

ملال بھی لیکن تلافی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

خوش قسمتی سے اسی سال ۱۹۶۸ء میں حج اکبر کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں صفا مروہ کی چھت پر سویا ہوا تھا کہ خواب میں والد گرامی کی زیارت ہوئی ۔آپ نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا ،چہرہ روز روشن کی طرح تابندہ، مجھے اپنے پاس بلایا، گلے لگایا اور فرمایا کہ وضو کرلو جماعت کھڑی ہونے والی ہے۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ بھی تشریف فرما ہیں، جب میں وضو کر کے آیا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی ،میرے دائیں جانب ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ اور بائیں جانب والد گرامی تھے، میں نہیں جانتا تھا کہ امام صاحب کون ہیں اور نماز کون سی ہے۔ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتا ہوں۔ نماز کے دوران امام صاحب کے حسن و جمال کی زیارت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ نماز کے بعد قریب ہی ایک دروازہ کھلتا ہے اور امام صاحب اندر تشریف لے جاتے ہیں، مَیں والد صاحب سے دریافت کرتا ہوں میاں جی یہ امام صاحب کون تھے، فرمایا حضور علیہ السلام خود تھے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ حاضری ہوئی، ریاض الجنت کو دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ یہ وہی جگہ تھی جہاں میں نے خواب میں آقا حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس منظر دلنواز میں ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی موجودگی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مکین گنبد خضرا اپنے غلاموں کو کس طرح نوازتے ہیں، کس طرح کرم فرماتے ہیں اور مسلسل کرم فرماتے ہیں کہ سائل کو دامن کی تنگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

اک عمر گزاری ہے میں نے بے کار زمانے والوں میں
دربارِ نبیؐ میں بن مانگے کچھ پانے کا عالم کیا ہوگا

قصیدہ بردہ کے ۱۶۰ اَبیات اَزبر تھے

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری فرماتے ہیں کہ قبلہ ابا جی ہر وقت تصور محبوب کبریا

ﷺ میں مستغرق رہتے۔ وہ عمر بھر قصیدہ بردہ شریف کے عامل رہے، قصیدہ بردہ شریف کے ۱۶۰ ابیات انہیں حفظ تھے، ان کا معمول تھا کہ ہر رات نماز تہجد کے بعد فجر سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے شہر بے مثال کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور قصیدہ بردہ شریف پڑھتے۔ بعد ازاں کھڑے ہو کر دست بستہ قصیدے کے اشعار اپنے آقا و مولا کی بارگاہ ناز میں پیش کرتے، اس قدر رُوتے کہ ان کی ہچکی بندھ جاتی، وصال تک یہی معمول رہا۔

میں اپنے اشکوں سے روز کرتا ہوں آبیاری زمین دل کی
ریاض کشت مراد میری اسی لئے تو ہری بھری ہے

درودِ پاک بڑی کثرت سے پڑھتے، ہر وقت باوضو رہتے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے سنت خداوندی کی اتباع کرتے۔ صاحب گنبد خضرا ﷺ کا اسم گرامی زبان پر آتا تو آنکھیں چھلک اُٹھتیں اور بہر سلامی جھک جاتیں۔ آقا حضور ﷺ غلام زادے کا سلام قبول کیجئے۔ وہ اپنے ذاتی استعمال کی چیزیں بھی شہر حضور ﷺ سے لے کر آتے۔ مثلاً برتن، چادریں، کپڑے، حتیٰ کہ مسواک تک اور ہر آن اس حوالے سے اپنی نسبت قائم رکھتے، قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ہمعصر اور ان کے دوست ڈاکٹر احسان قریشی صابری نے نسبت رسول ﷺ اور حضور اکرم ﷺ کے عشق کے حوالے سے بتایا کہ ایک دن میں نے اقبال کی یہ رباعی پڑھی۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اے مالک تو غنی ہے اور میں ایک فقیر بے نوا قیامت کے دن میرا عذر سننا اور میری خطاؤں سے درگزر کرنا، اگر میرا حساب لینا ناگزیر ہو تو میرا حساب حضور ﷺ کی

نگاہوں سے اوجھل لینا، میں گنہ گار پر تقصیر اور شرمندہ اُمتی اپنے آقا ﷺ کی نگاہوں کا سامنا نہ کر سکوں گا۔ قریشی صاحب کہتے ہیں کہ اقبال کی یہ رباعی سن کر ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ اپنے آنسوؤں پر ضبط نہ کر سکے۔ ہچکی بندھ گئی اور دیر تک جذب و کیف کے اسی عالم میں رہے۔

ہزار بار بشوئم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

آیئے دیکھیں کہ سرکار کس طرح اپنے غلاموں کو دور دور سے بلا کر نوازتے ہیں۔ ان کا کرم پھر ان کا کرم ہے۔ ان کے کرم کی بات نہ پوچھو، فرید روزگار میں ہے۔ ''مدینہ منورہ کے اسی مبارک سفر اول (۱۹۴۸ء) میں رمضان المبارک روضۂ رسول مقبول پر گزارنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آخری عشرہ میں سنت سید الانبیاء ﷺ کے مطابق معتکف تھے، ۲۵ رمضان المبارک کی طاقت رات تھی رات کو محو خواب تھے کہ قسمت جاگ اُٹھی کہ قسمتیں اور مقدر جگانے والے تشریف لے آئے اور فرمایا'' فرید الدین اُٹھ آج ٹھیک ۱۲ بج کر پچاس منٹ پر وہ ساعت سعید آنے والی ہے جسے زمانہ شبِ قدر اور قرآن پاک لیلتہ القدر کا نام دیتا ہے یہ مبارک ساعت مقبولیت کی ساعت ہے، حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نیند سے کیا بیدار ہوئے نصیب جاگ اُٹھا، اے کاش یہی نیند طویل ہو جاتی اور ساعت دیدار مصطفیٰ ﷺ اپنے دامن دراز کر دیتی، ہزار لیلتہ القدریں جان جاناں ﷺ کے چہرہ والضحیٰ پر نثار، اور ہزاروں فرید الدین نثار اس ساعت پر جس میں جان کائنات ﷺ نے سعید لمحات کی خوشخبری عطا فرمائی ارشاد محبوب حقیقی ﷺ پر اٹھے اور اپنے ساتھی کے پاس گئے اس نے پہلے ہی ان سے کہہ دیا کہ محترم ڈاکٹر صاحب آج رات بارہ بجکر پچاس منٹ پر شب قدر ہے، ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ انہیں کیسے خبر ہوگئی تو انہوں نے ان کی حیرت کو دور کرتے ہوئے کہا کہ ہم بھی تو سرکار کے مہمان ہیں، صرف آپ پر کرم نہیں فرمایا جاتے جاتے اس رحمت عالم ﷺ نے ہمیں بھی مطلع فرما دیا۔

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
جب بھی ہوئی ہے مجھ کو زیارت حضورؐ کی

سنا ہے آپ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں

نسبت نبوی ﷺ کے حوالے سے ایک اور ایمان افروز واقعہ درج کیا جاتا ہے، لالیاں ضلع سرگودھا ایک مشہور قصبہ ہے اس قصبہ کے ایک باشندے مہر غلام محمد لالی تھے۔انتہائی نیک اور پرہیزگار شخصیت، سچے عاشق رسول ﷺ، ہر وقت حضور کی یاد میں آنکھوں کے گوشے بھیگے رہتے، دیار ہجرت میں رہتے کہ حضور کبھی تو مقدر جگانے تشریف لائیں گے،حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ان دنوں لالیاں میں ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کے ایک ہسپتال میں تعینات تھے،آپ نے قبلہ پروفیسر صاحب کے لئے لائل پور (اب فیصل آباد) میں ایک قطعہ اراضی کا سودا کر لیا اور بیعانہ بھی ہوگیا۔ جنوری کی آخری تاریخ آ گئی لیکن مطلوبہ رقم ساڑھے تین ہزار روپے کا انتظام نہ ہوسکا۔لیکن قبلہ ڈاکٹر مطمئن اللہ پر توکل تھا۔ رات تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے کہ دروازے پر دستک ہوئی، سوچا کوئی مریض ہوگا دروازہ کھولا تو مہر غلام محمد لالی تھے۔ وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے، فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو تھے۔ پوچھا مہر صاحب کیا بات ہے۔ جواب ملا آج مقدر جاگ اُٹھا ۔ بخت رسا نے اوج ثریا کو چھولیا۔ آقا ﷺ خواب میں تشریف لائے تھے اور مجھے حکم دیا کہ جاؤ فرید الدین کو ساڑھے تین ہزار روپے دے کر آؤ، سو میں رقم لے کر حاضر ہوں۔قیامِ پاکستان سے قبل ایک ہندو صحافی مسلمان (غالبًا ان کا نام گابا تھا) مسلمان ہوگئے، ہندوؤں نے کافی شور مچایا اور ایک مقدمہ میں انہیں پھنسا دیا، عدالت نے ان سے ایک لاکھ روپے کی ضمانت طلب کی۔ گھر والے تو پہلے ہی ناراض تھے ضمانت کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ سیالکوٹ کے ملک سردار علی کی قسمت کا ستارا چمکا،حضور نبی اکرم ﷺ خواب میں تشریف لائے حکم دیا کہ صبح جا کر گابا کی ضمانت دو۔ چنانچہ ملک صاحب

نے دوسرے دن ایک لاکھ (جو آج کے کروڑوں کے برابر ہے) انتظام کیا اور نقد روپے لے کر لاہور عدالت میں پہنچ گئے اور نومسلم کی ضمانت دی یہ دیکھ کر جج بھی حیران رہ گیا، تاریخ عشق اس قسم کے واقعات سے بھر پڑی ہے۔

سنا ہے آپ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں
مرے گھر میں بھی ہو جائے چراغاں یا رسول اللہ

قبلہ پروفیسر صاحب مدینہ منورہ میں اپنے والد گرامی کے معمولات کے حوالے سے فرماتے ہیں، مدینہ منورہ میں ابا جی پر کیف و مستی کا ایک عجیب عالم طاری رہتا۔ ادب بارگاہِ رسالت اس قدر تھا کہ ہمیشہ حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھتے۔ ۶۳ء میں مَیں بھی ان کے ساتھ تھا۔ رات ایک یا ڈیڑھ بجے مسجد نبوی ﷺ کا دروازہ کھلتا، دروازہ کھلتے ہی لوگ نوافل ادا کرنے کے لئے ریاض الجنۃ کی طرف لپکتے لیکن ابا جی مجھے لے کر سیدھے حضور کے قدموں میں پہنچ جاتے۔

قدموں کو چھوڑنا مرے بس میں نہیں حضور
قدموں ہی میں ریاض کو مر جانے دیجئے!

ریاض الجنۃ میں بھی نوافل ادا کرتے لیکن زیادہ تر حضور ﷺ کے قدمین مبارک کی طرف ہی بیٹھتے اور اشراق تک بیٹھے رہتے ایک دن میں نے پوچھا ریاض الجنۃ میں آپ ذرا کم جاتے ہیں فرمایا بیٹا ہماری جنت یہی ہے۔

مدینہ منورہ میں شارع عینیہ (پرانی سبزی منڈی) کی طرف گنبد خضرا کا ایک خاص نظارہ ہوتا ہے۔ وہاں دیر تک کھڑے رہتے اور سبز گنبد کی رعنائیوں کو دامن دل میں سمیٹتے رہتے۔ شہر دلنواز کی گلیوں میں چلتے پھرتے بھی رقت طاری رہتی، ہچکی بندھ جاتی لیکن آواز بلند نہ کرتے کہ یہ ادب کے منافی ہے، ضبط کرتے کہ یہاں آنسوؤں کا رقص بے حجاب بھی سوئے ادب میں شمار ہوتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کے باہر محراب کی طرف

یا پھر باب جبریل کے ساتھ حضور ﷺ کے قدمین مبارک کی سمت میں کھڑکی ہے جس پر ترکوں نے تاج بنا رکھا تھا کہ دنیا کی ہر شاہی حضور ﷺ آپ کے قدموں پر نثار اس کے سامنے دست بستہ سلام عرض کرتے۔

آپ رحمہ اللہ کا داڑھی رکھنے کا واقعہ بھی نسبت و ادبِ رسول ﷺ کا آئینہ دار ہے۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں: ۶۶ء میں قبلہ اباجی مسجد نبوی ﷺ میں معتکف تھے کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ انگلی اور انگوٹھے کا اشارہ فرماتے ہوئے حکم فرمایا کہ فرید الدین داڑھی رکھ لو۔ ان کی داڑھی تا دم وفات مٹھی بھر سے کم تھی۔ ایک دن دوران سبق میں نے پوچھا کہ اباجی داڑھی آپ کی مٹھی بھر سے کم ہے جب کہ سنت مٹھی بھر منقول ہے۔ اس پر آپ نے مذکورہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ آقا ﷺ نے اشارہ فرمایا۔ معلوم نہیں اس کی حکمت کیا ہے۔ مگر میری سمجھ میں یہی آیا کہ اشارہ مٹھی بھر سے کم کا ہے۔ ممکن ہے اشارے سے مراد مٹھی بھر سے کم رکھنے کا حکم نہ ہو وہ اشارہ محض اتفاقاً ہی ہو۔ میں نے داڑھی مٹھی بھر سے کم اس لئے رکھی ہے کہ داڑھی بڑھنے کی صورت میں میرے لئے حد ادب سے تجاوز نہ ہو جائے۔ میرا یہ عمل کسی کے لئے نہ شرعاً حجت ہے اور نہ اس سے کسی شرعی مسئلے کا استنباط ہوتا ہے۔ یہ محض میرا ایک ذاتی فعل، میری قلبی کیفیت اور وجدانی ذوق کا تقاضا ہے۔

قبلہ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قبلہ اباجی نے فرمایا مردوں کے لئے اپنے بال کانوں کی لو یا کندھوں سے زیادہ لمبے کرنا جائز نہیں۔ مگر حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کے سر پر دست اقدس پھیرا تو اس صحابی نے پاس ادب کے طور پر عمر بھر سر کے بال نہیں کٹوائے۔ بال بڑھ کر اتنے لمبے ہوگئے کہ وہ انہیں باندھ کر رکھتے۔ یہ صرف ادب رسول ﷺ تھا کوئی شریعت کا حکم نہ تھا۔ نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ معترض ہوئے اور نہ ان کا عمل کسی کے لئے حجت بنا۔ مولائے کائنات حضور ﷺ کی یہ محبت یہ نسبت بھی غلاموں کا سرمایہ صد حیات رہی ہے۔ ایک بزرگ بازار سے کوئی برتن خریدنے گئے تو دکان

میں سب سے پرانا زنگ آلود برتن خرید لیا۔ دکاندار نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا؟ فرمانے لگے یہ برتن پرانا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے سے زیادہ قریب ہے، اقبال رحمہ اللہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر میری عمر ۶۳ سے تجاوز کر گئی تو کہیں حضور ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہوجائے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں کہ قصیدہ بردہ شریف پڑھتے وقت اباجی رحمہ اللہ اکثر آبدیدہ ہوجایا کرتے تھے۔ ساری ساری رات گریہ و زاری میں گزر جاتی، یہ شعر اکثر پڑھتے:

یا أکرم الخلق ما لی من ألوذ به
سواک عند حلول الحادث العمم

آپ فرماتے ہیں کہ میری عمر چھ سات سال ہوگی رات آنکھ کھلتی اور قبلہ اباجی رحمہ اللہ کو مصلےٰ پر بیٹھے آنسو بہاتے دیکھتا، تو والدہ ماجدہ سے پوچھتا کہ قبلہ اباجی رحمہ اللہ کیوں رو رہے ہیں، تو وہ بتاتیں کہ بیٹا عبادت کر رہے ہیں۔

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام
خوب رو لیتا ہوں آقا ﷺ کی ثنا سے پہلے

پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ رات بھی یاد ہے کہ جب قبلہ اباجی علیل تھے۔ عیسیٰ خیل سے تقریباً ڈیڑھ بجے شب گھر پہنچا، وہ سردیوں کے دن تھے، قبلہ اباجی کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ نقاہت اور کمزوری کے باوجود دروازہ کھولا۔ غالباً یہ ۲۶ رمضان المبارک کی رات تھی۔ قبلہ اباجی اس وقت بھی مصلےٰ پر بیٹھے یادِ محبوب میں آنسو بہا رہے تھے۔ حضور ﷺ کے فضائل شمائل اور شان اقدس کا ذکر حضوری کی تمام تر کیفیتوں میں ڈوب کر کرتے، کیف و سرور میں خود بھی جھومتے اور ان کے سامعین پر بھی بے خودی کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی۔ توحید، معرفت اور عشق الٰہی کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھوں میں ایک خاص چمک سی آجاتی۔

مجذوبہ کا ذکر شمائم امدادیہ میں ہے

شمائم امدادیہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں ''مولوی قلندر صاحب کو ہر روز زیارت رسول اللہ ﷺ ہوتی تھی۔ ایک دن کسی لڑکے کو جو سید تھا، طمانچہ مارا ،اس دن سے زیارت منقطع ہوگئی۔ مدینہ منورہ کے مشائخ سے رجوع کیا۔ انہوں نے ایک زن ولیہ مجذوبہ کے حوالے فرمایا۔ جب وہ عورت مسجد نبوی ﷺ میں آئی اور مولانا نے عرض کیا سنتے ہی جوش میں آئی۔ اور مولانا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ شف ہذا رسول اللہ ﷺ، پس (مولانا نے) بیداری میں چشم ظاہر سے زیارت کی۔ اس سے پہلے اس لڑکے سے خطا بھی معاف کرائی تھی مگر کچھ مفید نہ ہوا۔

پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قبلہ اباجی نے ۴۸ء میں اس مجذوبہ کی زیارت کی۔ اس مجذوبہ کا گھر شارع عینیہ (پرانی سبزی منڈی) کی طرف تھا۔ اس خاتون کا معمول تھا رات ڈیڑھ بجے سے لے کر اذان فجر تک ننگے پاؤں اور پنجوں کے بل روضہ اطہر ﷺ کی طرف آتیں۔ نگاہیں گنبد خضرا پر جمی رہتیں، قریب آ کر پھر اُلٹے قدم لوٹ جاتیں۔ ۶۳ء میں اباجی مجھے شارع عینیہ کی طرف لے گئے اور سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ بیٹا اس مجذوبہ کا ذکر شمائم امدادیہ میں ہے۔

پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ۶۹ء کی بات ہے۔ اباجی قبلہ کی آرزو تھی کہ میں ایم بی بی ایس کروں لیکن میرا رُجحان اس طرح نہیں تھا۔ ایک دن اباجی قبلہ نے حکماً فرمایا کہ ایف ایس سی کا امتحان دو، داخلہ ہوگیا تو ٹھیک ورنہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور، ایف ایس سی میں میری فرسٹ ڈویژن تھی۔ نمبر میں نے ۶۱۶ حاصل کیے، نشتر میڈیکل کالج میں مقابلہ بڑا سخت تھا۔ آخری نشست میں ۶۱۶ نمبر والے ایک دوسرے اُمیدوار کے ساتھ ٹائی پڑ گئی، اباجی قبلہ کا معمول تھا کہ جب کوئی روحانی مسئلہ درپیش ہوتا، مشکل یا پریشانی وارد ہوتی تو قصیدہ بردہ شریف پڑھ کر حضرت سیدنا غوث الاعظم کے وسیلہ سے آقا حضور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں اپنی مشکل پیش کرتے اور رہنمائی کے طلبگار ہوتے۔

مجھے تو یہ سعادت اپنے بچپن ہی سے حاصل ہے
تصور میں درِ اقدس پہ جا کر چشم تر رکھنا

اباجی قبلہ رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ ایم بی بی ایس کے بعد مدینہ منورہ میں ہی پوسٹنگ کرالیں گے، وہاں حضور ﷺ کی شہر اقدس کے باسیوں کی خدمت بھی کریں گے۔ اور ساری عمر حضور ﷺ کے قدموں میں گذار دیں گے۔ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ میں مسجد جانے کے لئے سیڑھیوں کے نیچے اترا تو اباجی قبلہ رحمہ اللہ سیڑھیوں کے سامنے کھڑے تھے۔ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: مبارک ہو تمہاری جو خواہش تھی اللہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور ہے، میں نے پوچھا کس نے فرمایا: کہنے لگے رات حضور ﷺ کی بارگاہ میں مدینہ منورہ میں مستقل قیام کی آرزو کی خواہش کا اظہار کر کے توجہ فرمانے کی درخواست کی تھی، رات خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھتا ہوں کہ دروازے کے سامنے بیٹھا ہوں ایک کار آ کر رکی ہے۔ کار میں حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ دوڑ کر قدم بوسی کرتا ہوں۔ حضور ﷺ مجھے گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں، گاڑی چل پڑتی ہے ایک صاحب پچھلی نشست پر بیٹھے ہیں۔ حضور ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ اس شخص کو پہچانتے ہو، میں نے مڑ کر دیکھا ''حضور ﷺ یہ تو علامہ اقبال ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے مسکرا کر کہا ''ہم طاہر کو بھی ایسا ہی بنانا چاہتے ہیں۔'' یہ خواب سنا کر اباجی قبلہ فرمانے لگے۔ میں تمہیں جسمانی امراض کا معالج بنانے کا سوچ رہا تھا۔ لیکن سرکار ﷺ جسمانی مریضوں کی بجائے اُمت کے روحانی مریضوں کا علاج تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں، اب طاہر بیٹے تمہارے مستقبل کے بارے میں میری منصوبہ بندی ختم۔ جن کی بارگاہ کے توسل سے تمہیں حاصل کیا تھا وہ تم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔ تمہیں کیا ذمہ داری سونپتے ہیں اس کی منصوبہ بندی بھی وہی کریں گے۔ اس نسبت جلیلہ کی پاسداری میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کس احتیاط اور احترام کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آیئے قبلہ پروفیسر صاحب کی زبانی ایک اور ایمان افروز واقعہ سنتے ہیں:

یہ ۶۳ء کا ذکر ہے۔ مدینہ منورہ میں نیروبی کی ایک فیملی بھی ٹھہری ہوئی تھی اس فیملی کی ایک خاتون کینسر کی مریضہ تھیں اور ان کا مرض بھی آخری سٹیج پر تھا یہ لندن میں بڑے بڑے نامور ڈاکٹروں کے زیر علاج رہیں، ڈاکٹروں نے مریضہ کو لاعلاج قرار دے دیا۔ مریضہ قریب الموت تھیں گھر والے انہیں مدینہ پاک لے آئے، کسی نے اس فیملی کو قبلہ اباجی کے بارے میں بتایا کہ آپ ان سے ضرور مل لیں۔ وہ مریضہ کو قبلہ اباجی کے پاس لائے، تشخیص کے بعد اباجی نے کہا کہ مرض بہت بڑھ چکا ہے۔ شفایابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، انہوں نے کہا یہ ہم بھی جانتے ہیں لیکن ممکن ہے حضور ﷺ کے تصرف ہی سے ہم آپ کے پاس پہنچے ہوں آپ علاج تو شروع کریں، اباجی نے کہا آپ کل آئیں سوچ کر بتاؤں گا، اسی رات اباجی کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، خواب میں اباجی کو مدینہ طیبہ سے باہر ایک جگہ دکھائی گئی اور دوائی بنانے کے لئے کچھ اجزا دیئے گئے جو وہاں بھی میسر تھے اور پاکستان کے دیہی علاقوں میں بھی دستیاب ہیں حضور ﷺ نے ان اجزا کو ملا کر دوائی تیار کرنے کا طریقہ بھی تلقین فرمایا، اگلی صبح جب وہ نیروبی والے اصحاب آئے تو اباجی نے انہیں مبارکباد دی کہ حضور ﷺ کی بارگا سے اذن علاج مل گیا ہے، چھ مہینے کا قیام تھا۔ ۲، ۳ ماہ تک مسلسل علاج ہوتا رہا وہ خاتون مکمل طور پر شفایاب ہوگئیں، علاج کے اخراجات کے علاوہ انہوں نے غالباً ۴۰۰۰ ریال بطور انعام پیش کیا اباجی قبلہ اسی وقت بازار گئے حضور ﷺ کی شان اقدس، شمائل اور سیرت اطہر پر جس قدر کتب دستیاب تھیں ان پیسوں سے خرید لائے، بعد ازاں پاکستان میں بھی اباجی قبلہ نے وہ نسخہ آزمایا اور کئی مریض شفایاب ہوئے ۔ایک دن میں نے عرض کیا کہ اباجی اس دوائی کو عام کر دیا جائے قومی سطح پر اسے Introduce کرایا جائے لیکن انہوں نے فرمایا معلوم نہیں اسے افشا کرنے میں حضور ﷺ کی منشا ہے بھی یا نہیں، اس لئے بیٹا خاموشی بہتر ہے۔

سفرنامہ حجاز کا دوسرا حصہ جو حرمین شریفین کی زیارات پر مبنی تھا۔ گم ہو چکا ہے۔

ورنہ یہ حصہ بھی مدینہ منورہ میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے جذب ومستی اور کیف و سرشاری اور حضوری کے لمحات پر روشنی ڈالتا، سفرنامہ حجاز کا آغاز ہی اس جملے سے ہوتا ہے۔ ''دیارِ محبوب کے لئے دل پھر تڑپ رہا تھا۔'' آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے، شکیل مینائی (حیدر آباد دکن) کے شاگرد تھے، ان کا دیوان بھی ضائع ہوگیا ہے البتہ چند ایک چیزیں فریدِ روزگار میں دیکھی جا سکتی ہیں، بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ان کا سلام بھی زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہا۔ یہ سلام پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مرحوم کس پایہ کے نعت گو شاعر تھے، جذبوں کی ارزانی، محبتوں اور عقیدتوں کی فراوانی، فصاحت اور بلاغت کی روانی، خود سپردگی اور وارفتگی کا ایک عجیب عالم:

السلام اے جانِ ہر نثر و غزل — السلام اے مطلع صبح ازل
السلام اے مصدرِ حمد و ثنا — اسلام اے قلزم جو دو عطا

سچی بات تو ہے کہ وہ لوگ جو ذہنوں میں چراغ جلانے کا منصب سنبھالتے ہیں خود بھی تاریخ کے چہرے کی روشنی بن جاتے ہیں اور ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ بھی تاریخ کے چہرے کی اسی روشنی کا نام ہیں۔

خانوادۂ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت و تعلق

(رانا جاوید القادری)

سرزمینِ جھنگ جو اپنی مردم خیزی کی بدولت صاحبانِ نظر کی نگاہ میں برصغیر کا یونان کہلاتی ہے۔ فرید ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی نادرۂ روزگار شخصیت پر جس قدر فخر اور اُمت مسلمہ اسے جس قدر ہدیۂ تشکر پیش کرے کم ہے، جس کے حسن طلب اور کمالِ تربیت نے عالم اسلام کو قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں ایک ایسی روحانی قیادت اور عطا کر دی ہے، جو غلبۂ دین حق کی بحالی اور اُمتِ مسلمہ کے اتحاد کی علامت بن کر باطل قوتوں کو للکار رہی ہے۔ اور جس کے نعرۂ مستانہ سے وقت کی بڑی بڑی سامراجی اور طاغوتی و استحصالی اور شیطانی قوتوں کے ایوان زمین بوس ہونے لگے ہیں۔

فرید ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ واقعتاً ایک یگانۂ روزگار شخصیت تھے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا کثیر الجہت نگینہ ہے جس کی ہر ہر جہت اپنی آب و تاب اور چمک دمک کے اعتبار سے جداگانہ شان کی حامل نظر آتی ہے۔ آپ اپنے ہر ہر وصف اور شخصیت کے ہر ہر پہلو کے اعتبار سے نابغۂ روزگار تھے۔ آپ جہاں علم و عرفاں کے میدان کے عدیم النظیر شہسوار تھے وہیں بحرِ معرفت کے مشاق شناور بھی تھے۔ جہاں ایک طرف توکل علی اللہ اور فقر و استغناء کی تصویر تھے، وہیں زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کے پیکر مجسم بھی۔ جہاں ایک طرف ہمہ وقت عشق رسالتمآب ﷺ میں سرشاری و استغراق آپ کا طرۂ امتیاز تھا، وہیں نسبتِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ میں گرفتاری آپ کی پہچان تھی۔ شعر و سخن کی دنیا ہو یا طب و ڈاکٹری کا میدان، نبض شناسی کا فن ہو یا تعلیم و تدریس

کا ہنر، ہر ہر میدان میں یدطولیٰ کی حامل اس ہستی کے شخصی اوصاف اور ذاتی محاسن کا احاطہ ہم جیسے کج فہم اور کور ذوق افراد کے بس کی بات ہی نہیں لیکن حصولِ برکت کے لئے ان کی ہمہ نوع شخصیت کے ایک گوشے قطبِ ربانی محبوبِ صمدانی سیدنا غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور آپ کے خانوادۂ اطہر کے ساتھ آپ کی نسبت کے حوالے سے چند واقعات ذکر کئے ہیں۔

حضرت اعلیٰ گولڑویؒ نے فرمایا: ''تیڈی بیعت تھئی ہوئی اے''

زمانۂ طالب علمی میں لکھنؤ قیام کے دوران غالباً ۱۹۳۴ء میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ قدوۃ الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کی خدمت میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ یہ حضرت گولڑہ رحمہ اللہ کی عمر مبارک کا آخری زمانہ تھا۔ آپ اکثر سُکر کی حالت میں رہا کرتے تھے۔ سردی کا موسم تھا، حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ دربار کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ آپ کے خاص مقربین و محبین میں سے دس پندرہ افراد آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے حضرت رحمہ اللہ کو بیعت کے لئے عرض کیا۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ''تیڈی بیعت تھئی ہوئی اے'' (تمہاری بیعت تو ہو چکی ہوئی ہے)۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں مَیں نے سمجھا شاید حالت سُکر میں ہیں اور میری درخواست پر مطلع نہیں ہو سکے۔ لہٰذا دوبارہ عرض کی لیکن آپ نے پھر وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ عرض کرنے پر آپ نے قدرے بلند آواز میں وہی فقرہ دہرایا جس پر میں سمجھ گیا کہ میرے لئے فیض کا حصہ کہیں اور مقدر ہو چکا ہوا ہے۔ اور حضرت گولڑوی رحمہ اللہ اپنے کشف اور باطنی مشاہدے کی بنا پر مجھے اس سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ گویا ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے زمانۂ طالب علمی اور دورِ شباب میں ہی ان کی روحانی نسبت اور حصۂ فیض جس بارگاہ سے مقدر ہو چکا تھا حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ اپنے باطنی مشاہدے کی بناء پر اس سے مطلع اور آگاہ تھے۔

بیعت سے قبل شہنشاہِ بغداد رحمہ اللہ کا لطفِ کریمانہ

آپ نے دینی و دنیوی علوم کی تحصیل اور روحانی فیوض و برکات کے حصول کے بعد کسبِ معاش کے سلسلے میں گھر ہی میں ایک چھوٹا سا کلینک کھول لیا۔ تاہم عبادت و ریاضت اور حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے سلسلے میں دریائے چناب کے کنارے جانے کا سلسلہ قائم رہا کیونکہ روح کی غذا اور تسکین کا سامان بہم پہنچانا بہرطور ضروری تھا۔ کلینک کا ابتدائی دور تھا کبھی کوئی مریض آجاتا اور کبھی نہ آتا۔ گزراوقات تو بہرحال ہو رہی تھی۔ ایک روز ایک مجذوب بزرگ کلینک پر تشریف لائے۔ ان کا اسم گرامی گلاب شاہ رحمہ اللہ تھا، آکر بیٹھ گئے۔ اور پوچھا کیا حال ہے؟ کچھ آمدنی کا مسئلہ حل ہوا یا نہیں؟ شکوہ تو اہلِ محبت کے لئے حرام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا الحمدللہ! اللہ کا شکر ہے۔ دال روٹی چل رہی ہے۔ فرمانے لگے یہ وظیفہ پڑھا کرو۔ ہر روز پانچ روپے مل جایا کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے وہ وظیفہ شروع کر دیا۔ خدا کی شان کہ کوئی مریض نہ آئے۔ گلے میں سے پانچ روپے بہرحال مل جاتے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب بڑے بڑے افسران کو ۲۰/۱۰ روپیہ ماہانہ روزینہ ملتا تھا۔ دھیلہ پائیوں کا زمانہ تھا۔ اور گھریلوں استعمال کی عام اشیاء دھیلوں پائیوں کے عوض آجایا کرتی تھیں۔ سال دو سال یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب خوش تھے کہ غم روزگار کا کانٹا تو نکل گیا مگر قادرِ مطلق جو علیم و خبیر بھی ہے اور واسع و حکیم بھی۔ اس نے مختصر سے روزینے کا یہ وظیفہ اپنے شایانِ شان نہ سمجھا جس شخص نے اپنی پوری زندگی اس کے دین کی تعلیم کے حصول میں گزار دی ہو اور دُکھی اِنسانیت میں صحت وسکون کی دولت بانٹنے کا عزم رکھتا ہو، اسے بحرِ عطا کی ایک بوند پر شاکر کر دینا شانِ جودوسخا کے خلاف ہے۔ اس لئے اس واسع و علیم ہستی نے اس کا بندوبست کچھ اس طرح فرمایا کہ ایک رات جبکہ قصیدہ بردہ، قصیدہ غوثیہ، نوافل تہجد اور معمول کے دیگر اوراد و وظائف کے بعد ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ محوِ خواب ہیں کہ مقدر کا ستارہ چمکتا ہے۔ غوثِ صمدانی قطبِ ربانی شہبازِ لامکانی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

تشریف لاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے کلینک میں بیٹھے ہیں کہ آپؒ جانبِ مغرب سے کلینک میں داخل ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں فرید الدین رحمہ اللہ ! وظیفوں والی کاپی نکالو۔ ڈاکٹر صاحب وہ کاپی نکال کر پیش کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچ روپے والا وظیفہ کہاں ہے۔ ڈاکٹر صاحب وہ صفحہ نکال کر پیش کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی جیب مبارک سے قلم نکالتے ہیں اور پانچ روپے والے وظیفے پر قلم پھیرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ وظیفہ چھوڑ دو ورنہ ساری زندگی پانچ روپے پر ہی گزارہ کرو گے۔ اگر کبھی ہزاروں لاکھوں روپے کی ضرورت پڑ گئی تو کیا کرو گے؟ یہ فرما کر آپؒ تشریف لے جاتے ہیں۔ صبح اُٹھ کر ڈاکٹر صاحب نے کاپی دیکھی تو پانچ روپے والے وظیفہ پر قلم پھر چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو یقین ہوگیا کہ یہ واقعتاً حضرت پیرانِ پیر سیدنا غوث الاعظم رحمہ اللہ ہی کی آمد تھی۔ اس کے بعد وہ وظیفہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قعرِ نسیاں میں دفن ہوگیا۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اوائل دور ہی میں حضور غوث الثقلین کے ساتھ ان کی نسبت کس قدر پختہ و مستحکم تھی اور حضور غوث پاک ص ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر کس طرح نظرِ شفقت اور لطف و کرم فرماتے تھے۔

خانوادۂ غوث الثقلین رضی اللہ عنہ میں بیعت

فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ اپنے مطلوب و مقصود کی تلاش میں مسلسل کوشاں و سرگرداں رہے۔ روح کی بے چینی اور خود کو کسی اللہ والے کے ہاتھ میں دینے کا اضطراب بڑھا، تو ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ استخارۂ بیعت کیا۔ خواب میں آپ کو بغداد شریف میں غوث الثقلین حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اور خانوادۂ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے ایک عظیم چشم و چراغ اور فیضانِ غوثیت مآب کے امین و قسیم، قطبِ دوراں حضرت سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدینؒ کی زیارت کرائی گئی۔

آپ حضرت سیدنا الشیخ سلیمان النقیب رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند حضرت سیدنا مصطفیٰ گیلانیؒ کے نورِ چشم تھے۔ حضرت سیدنا الشیخ سلیمان النقیب رحمہ اللہ حضرت شیخ الاسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے شیخِ طریقت قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی رحمہ اللہ کے دادا جان حضرت سیدنا شیخ عبدالرحمٰن ظہیر الدین المحضؒ کے بھائی اور حضرت سیدنا الشیخ علی النقیبؒ کے فرزندِ ارجمند تھے۔

فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مَیں حضرت سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدینؒ کی شخصیت اور آپ کے اسم گرامی تک سے واقف نہ تھا لیکن میرا حصہ فیض عنداللہ انہی کے ساتھ خاص ہو چکا تھا۔ میں نے استخارے کے نتیجے میں زندگی میں بغداد شریف کا یہ پہلا سفر کیا۔ اور لامحالہ طور پر یہ سمجھ رہا تھا کہ یہی عظیم المرتبت شخصیت ہیں کہ جن کی مجھے زیارت کرائی گئی ہے۔ یقیناً سجادہ نشین یا نقیب الاشراف ہوں گے لیکن جب دربارِ غوثیت مآب پر حاضر ہوکر نقیب الاشراف کے بارے میں استفسار کیا تو پتہ چلا کہ قدوۃ الاولیاء حضرت السید الشیخ احمد عاصم (جو شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری البغدادی رحمہ اللہ کے حقیقی چچا تھے) نقیب الاشراف ہیں۔ مَیں سن کر پریشان ہوا کہ مجھے جس ہستی کی زیارت کرائی گئی ہے وہ تو سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدینؒ ہیں۔ میں نے حضرت سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدینؒ کے بارے میں استفسار کیا تو پتہ چلا کہ وہ رشتے میں نقیب الاشراف حضرت سیدنا الشیخ احمد عاصم رحمہ اللہ کے بھتیجے ہیں۔ اور بڑے صاحبِ روحانیت، صاحبِ تصرف اور صاحبِ جلالت بزرگ ہیں۔(انہیں شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت سیدنا الشیخ محمود حسام الدینؒ کے زیر پرورش رہنے اور اکتسابِ فیض کا خصوصی شرف حاصل رہا ہے)۔ میں نے آپ کی رہائش کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ فلاں اوقات میں دربار غوثیت مآب میں اپنے حجرے میں آکر بیٹھتے ہیں۔ آپ مغرب کے وقت اپنے حجرے میں تشریف لائے۔ میں نے دست بوسی و قدم بوسی کے بعد عرض مدعا کیا حضرت رحمہ اللہ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے شرفِ بیعت عطا کیا۔ اس موقع پر کئی دن تک ڈاکٹر صاحب اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں زیر تربیت رہے ۔اور صحبت خاص میں رہ کر اکتسابِ فیض کیا۔

شیخ کامل نے مریدِ خاص کو خصوصی تعلیم و تلقین اور ردائے شفقت کے سائے میں اگلی منزل کی جانب روانہ کیا۔

سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدینؒ ’’بمبئی والے پیر‘‘ کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ عراق میں اسلامی انقلاب لانا چاہتے تھے مگر انگریز حکومت نے آپ کو ملک بدر کر دیا۔ آپ ۲۰ سال کے لگ بھگ بمبئی میں قدوۃ الاولیاء حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین القادریؒ کے بڑے بھائی حضرت سیدنا الشیخ جمال الدینؒ کے ہاں مقیم رہے اور بعد ازاں واپس تشریف لے آئے۔

نظر جنہاں دی کیمیا

جب انسان کسی منزل کو پالیتا ہے تو سوچتا ہے کہ مجھے اس مقام پر پہنچانے والا کون ہے؟ یہ سب کس کا فیضان ہے۔ عظمتِ انسانیت کے آسمان پر چمکنے والے نجوم و کواکب کس کے فیضانِ نور سے چمک رہے ہیں۔ اور ہر سو کس مہر تاباں کی جلوہ سامانیاں اور آفتاب درخشندہ کی ضیاء پاشیاں ہیں؟ گلشن دہر کس کی زلفِ عنبریں سے عطر بیز اور دبستانِ وجود کس کے پائے ناز کے بوسوں میں سجدہ ریز ہے؟ تو انسان کی نظر لامحالہ اس مرکز مہر و وفا، سرچشمۂ رشد و ہدیٰ، منبع انوارِ محبوبِ کردگار سیدی و مولائی ختمی مرتبت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑتی ہے جو فخر موجودات اور رونقِ بزم کائنات ہیں۔ پھر آپ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضری کی تمنا دل میں چٹکیاں لینے لگتی ہے۔ دنیا ویران اور محفلیں سنسان لگنے لگتی ہیں اور اس درِ اقدس کی چوکھٹ کا بوسہ لئے بغیر چین نہیں آتا۔

ڈاکٹر صاحب کے دل کی دنیا میں بھی بحرِ محبت نے جوش مارا اور سرزمینِ حجاز کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کے لئے بے چین ہوگئے۔ یہ سچ ہے کہ متاعِ دنیوی کے بغیر عشق و مستی کی منزلیں بھی طے نہیں ہوتیں لیکن دل کی تمناؤں اور آرزوؤں پر بھی تو کوئی پہرہ نہیں لگایا جا سکتا۔ شوقِ فراواں کے سامنے بھی تو کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔ چنانچہ بیتابیٔ دل

نے مجبور کیا تو شیخ کامل سے اپنی مشکل کے بارے میں مشکل کشائی کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا فرید الدین رحمہ اللہ! تمہارا انتظام کر دیا گیا ہے۔''روزنامہ آفتاب قائد انقلاب کے انٹرویو کے حوالے سے اپنی ۲۶ مئی ۱۹۸۹ء کی اشاعت خاص میں لکھتا ہے کہ جب ڈاکٹر صاحب نے اپنے پیرومرشد سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدینؒ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو شیخ کامل نے مراقبہ فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر ارشاد فرمایا فریدالدینؒ! آپ کا معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہے۔ آپ نجفِ اشرف چلے جائیں۔ وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مزار مبارک پر مراقب ہوجانا۔ قبلہ والد صاحب فرماتے ہیں۔ مَیں پیر و مرشد کا حکم سن کر فوراً نجفِ اشرف کی طرف روانہ ہوگیا۔ چند روز کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے مزار مبارک کے سامنے حاضر تھا۔ حضرت سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدین رحمہ اللہ کے حکم کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مزار مبارک پر مراقبے میں بیٹھا رہا۔ فرماتے ہیں اچانک حضرت سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روح مبارک ایک نور بن کر چمکی۔ مولائے کائنات شیر خدا حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیداری کے عالم میں مراقبے کے دوران ہاتھ پکڑ کر مدینہ پاک پہنچا دیا۔ گویا مراقبے میں اس طرح کا مشاہدہ کروا دیا۔ جیسے خواب کا ایک مشاہدہ ہوتا ہے۔ والد صاحب قبلہ بغداد شریف واپس تشریف لائے تو شیخ طریقت نے از راہِ شفقت پوچھا، فرید الدین رحمہ اللہ! وہاں کیا دیکھا؟ عرض کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس طرح کرم فرما دیا۔ ارشاد ہوا تو پھر آپ کی آرزو کی تکمیل کا انتظام ہوگیا نا!

بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے رہنمائی

ڈاکٹر صاحب کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی ظاہری اُلجھن، باطنی مسئلہ یا کوئی اشکال درپیش ہوتا، تو اسے اس کی نوعیت کے پیش نظر آقائے دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اور حضرت سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کرتے۔ اگر معاملہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنا ہوتا تو نمازِ تہجد کے بعد مدینہ طیبہ کی

جانب متوجہ ہو کر قصیدہ بردہ شریف کے اشعار رو رو کر پڑھتے اور اگر معاملہ حضور غوث پاکؒ کی خدمت میں پیش کرنا ہوتا تو بغداد شریف کی جانب متوجہ ہو کر گیارہ مرتبہ قصیدۂ غوثیہ کا ورد کرتے اور بعد ازاں اپنا مسئلہ یا اُلجھن پیش کرتے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ پر سرکارِ دو عالم علیہ السلام اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے لطف و کرم اور نوازشاتِ کریمانہ کا یہ عالم تھا کہ انہیں بلا تاخیر پہلی ہی رات ان عظیم بارگاہوں سے راہنمائی عطا ہو جاتی۔ شہنشاہِ بغداد سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے روحانی قرب اور پختگی نسبت کا یہ عالم تھا کہ کئی بار آپ کو نیم بیداری کی حالت میں حضور غوث پاکؒ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے آپ کو رہنمائی عطا کی۔

پروفیسر صاحب راوی ہیں کہ بچپن میں بسا اوقات کسی مسئلے میں حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے رہنمائی درکار ہوتی تو اباجان مجھے آپؒ کی بارگاہ میں وہ مسئلہ پیش کرنے کے لئے فرماتے۔ میں عرض کرتا کہ آپ خود مسئلہ پیش کیوں نہیں فرماتے؟ تو ارشاد فرماتے کہ بیٹا! شہنشاہِ بغداد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تم پر خصوصی لطف و کرم فرماتے ہیں۔ اور اپنے اسی خصوصی لطف و کرم اور شفقت کی وجہ سے تمہیں جلد جواب عطا فرمائیں گے۔ میں ابھی بچہ ہی تھا اور مجھ پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کرم قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ پر آپ رضی اللہ عنہ کے خصوصی لطف و کرم اور عنایت و بخشش ہی کی وجہ سے تھا۔

حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ کی شہادت

سرزمین جھنگ کے ایک صاحبِ روحانیت فقیر منش اور مرتاض درویش حضرت میاں صالح محمدؒ جن کی پوری زندگی تقویٰ و طہارت، ریاضت و عبادت اور مجاہدے میں گزری۔ اور جنہیں ایک مرتبہ عالم بیداری میں مسجد کے احاطے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی، کا معمول تھا کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جب بھی گھر سے نکلتے وہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھ کر دست بستہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاتے۔ اور اس وقت تک حرکت نہ کرتے جب تک کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ گلی کا موڑ مڑ نہ جاتے۔

حضرت شیخ الاسلام نے میاں صالح محمد رحمہ اللہ کے اس معمول کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے میاں صالح محمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ ابا جان کا غیر معمولی ادب کیوں فرماتے ہیں اور اس طرح دست بستہ کھڑے ہو جانے کا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ نے فرمایا آپ کے والدِ محترم کا روحانی مقام بہت بلند ہے۔ آقائے نامدار سرورِ کائنات ﷺ اور حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کا ان پر بے حد کرم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے انہیں اتنے فیوضات ملتے ہیں کہ کم ہی کسی کو نصیب ہوتے ہوں گے۔ دونوں بارگاہوں اور ان عظیم نسبتوں سے ان کو اس قدر فیض ملتا ہے کہ کسی کو اندازہ تک نہیں۔ اور ان کے یہ مقامات عام لوگوں سے مخفی ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ان مقامات کا اُن بارگاہوں میں مشاہدہ کیا ہے۔

اپنی وفات سے ڈیڑھ دو سال قبل حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ کا یہ معمول قبلہ ڈاکٹر صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ بھی رہا۔ آپ جب بھی حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ کے سامنے آتے وہ دست بستہ دیوار کی جانب پشت کر کے اس سے پیوست ہو کر کھڑے ہو جاتے۔

یہاں قبلہ پروفیسر صاحب پر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خصوصی لطف و کرم اور عنایت و شفقت کے حوالے سے ایک واقعہ کا بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپ نے میاں صالح محمد رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ جب حضور غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں روحانی حاضری ہو تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ آپ حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ سے اس نوعیت کی درخواست اکثر کرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ ہر مرتبہ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ آپ خود مقبول بارگہِ غوث الوریٰ ہیں۔ اور آپ پر ان کی بے پایاں شفقتیں ہیں، میں کس قابل ہوں؟ القصہ آپ نے باصرار حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ کو اس پر راضی کر لیا۔ اگلی صبح جب حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی آپ سے ملاقات ہوئی تو وہ یہ

کہتے ہوئے آپ سے لپٹ گئے کہ بابا آپ بڑے مرتبے والے ہیں۔آپ کی براہِ راست حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی کچہری تک رسائی ہے۔ ہم فقیروں کو درمیان میں کیوں لاتے ہو۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی گذشتہ رات کا مشاہدہ بیان فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور غوثِ پاکؓ کی کچہری میں اس نیت سے داخل ہوا کہ آج ضرور طاہر صاحب کا سلام عرض کروں گا۔لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ ایک ننھے منے بچے کی مثل حضور غوث الاعظمؓ کی گود میں بیٹھے کھیل رہے ہیں اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ آپ پر بے پناہ شفقت فرما رہے ہیں۔

واضح کامیابی کی طرف اشارہ

قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست تھے جن کا نام شیخ گل محمد تھا۔ شیخ گل محمد انتہائی سادہ ،درویش طبع اور شریف النفس انسان تھے۔ایک دفعہ انہوں نے بی۔ ڈی ممبر کا الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ ان کا معمول تھا کہ زندگی میں جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا، حضرت فرید ملت رحمہ اللہ سے مشورہ ضرور کرتے ۔لیکن اس مسئلے میں انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے مشورہ نہ کیا اور اس توقع پر کہ ڈاکٹر صاحب مہربان دوست ہیں ضرور حمایت کریں گے، الیکشن لڑنے کا پروگرام بنالیا۔ شیخ گل محمد صاحب کی پوزیشن بظاہر نہایت کمزور تھی۔ ان کا مد مقابل انتہائی مضبوط اور وسیع سیاسی وسماجی تجربے کا حامل اُمیدوار تھا۔ دونوں کی سطح اور سیاسی تجربے ومہارت میں نمایاں فرق تھا۔ مد مقابل اُمیدوار کی پشت پر جھنگ کی معروف سیاسی شخصیات نواب افتخار احمد انصاری اور سید عابد حسین کی سیاسی بصیرت اور تجربہ بھی تھا جبکہ شیخ گل محمد صاحب انتہائی مسکین الطبع درویش صفت تھے۔ سیاسی سوجھ بوجھ، عملی تجربہ اور انتخابی حکمت وبصیرت ہر اعتبار سے فریق ثانی کا پلڑا بھاری تھا۔قصہ مختصر شیخ گل محمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کھل کر حمایت کی درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سوچ کر بتاؤں گا۔ اگلی صبح ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ببانگِ دھل شیخ گل محمد صاحب کی حمات کا اعلان کر دیا۔ شیخ گل محمد صاحب ظاہری

حالات کی وجہ سے مایوس اور شکستہ دل تھے۔ الیکشن سے ایک دن قبل شام کے وقت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی بیان کی۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے فرمایا صبح بتاؤں گا۔ شیخ صاحب نے کہا صبح تو الیکشن ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا صبح صبح بتادوں گا۔ پولنگ کے آغاز سے قبل شیخ صاحب پھر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ صاحب جاؤ اور ببانگِ دھل عوام میں جا کر اس بات کا اعلان کردو کہ میں گیارہ ووٹوں سے جیت جاؤں گا۔ شیخ صاحب نے کہا اس کا کیا مطلب؟ آپ نے فرمایا یہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کا کرم ہے۔ اپنی نسبت ان سے قائم کرلو کبھی مات نہیں کھاؤ گے۔ میں نے تمہارا معاملہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تھا انہوں نے شفقت فرما دی ہے۔ اگر گیارہ ووٹوں سے الیکشن جیت جاؤ تو سمجھ لینا کہ یہ انہی کا کرم ہے۔ معرکہ الیکشن بپا ہوا۔ حالات بظاہر بڑے مخدوش تھے ۔اور شیخ صاحب کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ووٹوں کی گنتی ہوئی بار بار ووٹ گنے گئے بالآخر شیخ گل محمد صاحب گیارہ ووٹوں سے الیکشن جیت گئے۔ اس امر کی تصدیق آج بھی الیکشن کے سرکاری ریکارڈ اور شیخ گل محمد صاحب کے صاحبزادے شیخ محمد فاروق ایڈووکیٹ سے جو جھنگ میں انکم ٹیکس کی پریکٹس کرتے ہیں، کی جاسکتی ہے۔

کامیابی کے بعد شیخ گل محمد گھوڑا اور ہار لے کر اپنے بیٹے اور سینکڑوں سپورٹرز کے ساتھ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے گھر پر آئے، ڈاکٹر صاحب کو ہار پہنائے اور گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کامیابی درحقیقت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہی کی کامیابی اور انہی کی حمایت مرہونِ منت ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے ہار شیخ صاحب کو پہنا دیئے اور فرمایا کہ شیخ صاحب مقصد فریقِ ثانی سے محاذ آرائی نہیں تھا، کوئی وجہ تھی جس وجہ سے تمہاری کھل کر تائید اور حمایت کی، کامیابی آپ کو مبارک ہو۔ شیخ صاحب کو دعا دی اور روانہ کر دیا۔ اس طرح شیخ صاحب کی کامیابی پر جشن کا جلوس ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی رہائش گاہ سے روانہ ہوا۔

عقیدت مند کی وفات پر مطلع کر دیا

پروفیسر صاحب کی خوشدامن اور چچی جان کی نانی اماں ایک انتہائی نیک، متقی اور صالح خاتون تھیں۔ وہ حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ کی بڑی عقیدتمند تھیں اور باقاعدگی سے ’’گیارھویں شریف‘‘ کیا کرتی تھیں۔ موصوفہ جھنگ شہر میں مقیم تھیں، جبکہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ ان دنوں ’’حسو بلیل‘‘ میں تعینات تھے۔ ایک رات حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ڈاکٹر صاحب کے خواب میں تشریف لے آئے اور فرمایا: ’’فرید الدین رحمہ اللہ! ہماری مریدنی (نام لے کر فرمایا) اور عقیدتمند آج رات فوت ہوگئی ہے تو جنازے کے لئے فی الفور پہنچ جا!‘‘ ڈاکٹر صاحب ۳۰/۴۰ میل کا فاصلہ طے کر کے علی الصبح جھنگ شہر پہنچ گئے۔ مرحومہ کے بیٹے ابھی شہر میں دیگر رشتہ داروں اور خود ڈاکٹر صاحب کو اطلاع کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور پوچھا کہ آپ کو اطلاع کیسے ہوئی؟ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے خواب والا ماجرا بیان فرما دیا۔ جنازے کے بعد یا غالباً رسمِ قل کے موقع پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر انسان کی اس عظیم خاندان کے ساتھ سچی نسبت قائم ہو جائے تو وہ اس طرح احوال پر نظر رکھتے۔ اور دستگیری فرماتے ہیں۔ مرحومہ کے تین صاحبزادے ملک صدیق، ملک محمد افضل اور ملک محمد سعید آج بھی بقید حیات ہیں۔ اس واقعے کی لفظ بہ لفظ تصدیق ان سے کی جا سکتی ہے۔ تینوں صاحبزادے اپنی والدہ کی وفات کے وقت کٹر عقائد اور مسلک کے حامل تھے۔ اور اپنی والدہ کے حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے نسبت و تعلق اور ان کے روحانی معمولات کو ہدفِ تنقید بنایا کرتے تھے۔

بھائی مہر غلام محمد رحمہ اللہ کی وفات کی پیشگی اطلاع

قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری راوی ہیں کہ ’’یہ جون ۱۹۷۲ء کی بات ہے میں ان دنوں پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے میں پڑھتا تھا۔ میں لاہور سے

جھنگ اپنے گھر آیا ہوا تھا ابا جان بھی گھر آئے ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت بوجھل تھی۔ اور ہلکا ہلکا ٹمپریچر بھی تھا۔ جب گھر کے سارے افراد سو گئے تو میں نے عرض کی ابا جان رحمہ اللہ ! اگر اجازت ہو تو آپ کا بدن دبا دوں؟ ابا جان رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ مجھے اپنا بدن دبانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اور میرے اصرار کے باوجود ٹانگیں سمیٹ لیتے تھے۔ یہ شرف میرے چھوٹے بھائی جاوید مرحوم کے لئے مختص تھا۔ لیکن آج کی رات انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ میں آپ کا بدن دبانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد قبلہ ابا جان رحمہ اللہ فرمانے لگے بیٹا! ایک بات بتاؤ۔ میں نے کل رات یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک لاری اڈا ہے جس کے مسافر خانے میں ایک کمرہ ہے۔ کوئی مجھے بتلاتا ہے کہ کمرے میں حضور سیدنا غوث الاعظم غوث الثقلین رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ میں کمرے میں حاضر ہوتا ہوں۔ آپ تخت پوش پر کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور حالتِ قیام میں ہیں۔ میں قریب ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ آپ نماز سے فارغ ہوتے ہیں نہ رکوع نہ سجود۔ بس کھڑے کھڑے سلام پھیر دیتے ہیں۔ میں قدم بوسی کے بعد استفسار کرتا ہوں کہ حضرت یہ کون سی نماز ہے؟ نہ رکوع نہ سجود۔ آپ رضی اللہ عنہ تخت پوش سے اُتر کر مجھے گلے لگا لیتے ہیں اور از راہِ شفقت تھپکی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فرید الدین رحمہ اللہ ! میں نے یہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے تم صبر کرنا۔ میں عرض کرتا ہوں ۔حضور! کس کا جنازہ؟ آپ فرماتے ہیں تم صبر کرنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے صبر عطا کرے۔ میں اسی تلقین کے لئے آیا ہوں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنے فرزندِ جلیل سے فرماتے ہیں۔ سوچ رہا ہوں ماجرا کیا ہے؟ ہمارے گھر کوئی بیمار بھی تو نہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ گھر میں کوئی مرگ ہونے والی ہے اور وہ بھی اتنی قریبی اور اہم فرد کی کہ آپؓ خود تشریف لائے ہیں۔ فوت ہونے والے کے لئے دعا بصورت نماز جنازہ اور مجھے صبر کی تلقین فرما رہے ہیں۔ تم ہی بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ گھر میں کوئی بیمار بھی تو نہیں۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں اگلے روز یعنی ۱۰ جون کی صبح ہم ابھی لیٹے ہی ہوئے تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر گیا کوئی دروازے پر کھڑا تھا جس نے بتایا

کہ سرکاری طور پر ڈسکہ سے اطلاع آئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے بھائی مہر غلام محمد کا ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوگیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْن.

یاد رہے کہ پروفیسر صاحب کے چچا جان مہر غلام محمد مرحوم بھی حضور سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہ کے انتہائی کمال درجہ عقیدت مند اور حضور قدوۃ الاولیاء حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی رحمہ اللہ کے بڑے منظورِ نظر مرید تھے۔ حضور غوث پاکؓ نے اپنے ایک مرید خاص کی وفات کی پیشگی اطلاع فرید ملت رحمہ اللہ کو فرما دی اور اس سانحہ جانکاہ پر انہیں صبر کی تلقین بھی کر دی۔ اس واقعہ سے حضور غوث الثقلینؓ کی قبلہ ڈاکٹر صاحب خصوصی شفقتوں اور بے پایاں لطف و کرم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں ''میں اپنا ایک ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہوں جس سے اس اَمر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غوث الوریٰ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا فریدِ ملت اور اُن کے خاندان پر کس قدر لطف و کرم ہے۔ اور اُن کی توجہات اور فیوضات و برکات کی بارشیں کس قدر فراوانی کے ساتھ قائد انقلاب پر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ دسمبر ۱۹۸۳ء کی بات ہے جب قائد انقلاب کو دوسری مرتبہ شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا۔ پروفیسر صاحب کے محبین و مخلصین اور دوست و احباب انتہائی متفکر اور پریشان تھے۔ میں ان دنوں نیا نیا جھنگ سے لاہور منتقل ہوا تھا۔ شب و روز پروفیسر صاحب کے لئے صحت و سلامتی اور درازئ عمر کی دعاؤں میں بسر ہوتے تھے۔ ان دنوں آئینہ قلب بڑا صاف تھا اور رات کی تاریکیوں میں دیگر ہزارہا محبین و مخلصین کی مانند رو رو کر اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگتا تھا کہ الٰہی میری عمر بھی پروفیسر صاحب کو لگا دے اور اس سرمایۂ دین و ملت کو صحت و تندرستی عطا فرما۔ ایک رات اسی عالم میں آنکھ لگ گئی اور خواب میں حضور سیدنا غوث ثقلین رضی اللہ عنہ کے لطف و کرم کا وہ دلنواز اور روح پرور منظر دیکھا کہ آج بھی چشم تصور میں جب وہ لمحات لاتا ہوں تو روح جھوم جھوم جاتی ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ پروفیسر صاحب کا کمرہ ہے میں بیڈ پر پروفیسر صاحب کو اپنی گود میں لئے بیٹھا ہوں۔ رو رو کر بڑے والہانہ انداز میں پروفیسر صاحب

کے چہرے اور جسم کو چوم رہا ہوں۔ اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا کر رہا ہوں کہ الٰہ العالمین! پروفیسر صاحب کو صحت کاملہ عطا فرما اور میری عمر بھی انہیں لگا دے۔ اسی عالم میں جب دوسری جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو ایک انتہائی ذیشان اور عزت مآب ہستی مصروفِ نماز ہے۔ سبز رنگ کا جبہ اور غالباً سرخ رنگ کا عمامہ پہنے اللہ کے حضور حالتِ تشہد میں ہے وہ عظیم الشان ہستی اس قدر تحیم شحیم ہے کہ اس کا سرِ اقدس چھت کو چھو رہا ہے۔ میرے دل میں دورانِ خواب ہی یہ امر القاء کیا جاتا ہے کہ یہ غوث الثقلین حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی میرے دل کو قرار آجاتا ہے۔ طبیعت مطمئن ہو جاتی ہے کہ اب سائیں (مالک) پہنچ گئے ہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نماز سے فراغت کے بعد بیڈ پر تشریف لے آتے ہیں اور پروفیسر صاحب کو میری گود سے لے کر اپنی گود میں لٹا لیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی گود میں جاتے ہی مچلنا شروع کر دیتے ہیں۔ حضور غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ ایک ہاتھ میں دوائی کی پڑیا لیتے ہیں آپؒ کے دوسرے ہاتھ میں شیشے کا ایک گلاس ہے جس میں پانی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ پروفیسر صاحب کو دوائی پلانا چاہتے ہیں لیکن پروفیسر صاحب بالکل بچے کی مانند اس انداز سے مچلنے لگتے ہیں جس طرح بچہ دوائی پلاتے وقت ماں کی گود میں مچلتا ہے اور دوا پینے سے کتراتا ہے۔ بالآخر حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ زبردستی دوائی پروفیسر صاحب کے منہ میں ڈال کر پانی کا گلاس ان کے منہ کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔ گلاس منہ سے ہٹتے ہی پروفیسر صاحب پُرسکون ہو جاتے ہیں اوران کے چہرے پر صحت و تندرستی کی چمک آجاتی ہے۔ یہ خواب یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ میری آنکھ کھلتی ہے۔ شکرانے کے نفل ادا کرتا ہوں، اُڑ کر پروفیسر صاحب کی خدمت میں پہنچنا اور انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنانا چاہتا ہوں لیکن وقت کی گھڑیاں بوجھل ہوئی جا رہی ہیں۔ مؤذن نمازِ فجر کے لئے اذان دیتا ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد پروفیسر صاحب کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہوں۔ صبح ہی صبح ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خوشخبری سناتا ہوں جس پر پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ رانا صاحب! آج کی رات صرف آپ پر ہی نہیں ادھر ہم پر بھی

توجہاتِ غوث الوریٰ کی بارش ہوئی ہے۔ اور بارگہِ غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ سے صحت و تندرستی کا پیغام مل گیا ہے۔ اس پر پروفیسر صاحب نے گذشتہ رات کا اپنا مشاہدہ بیان فرمایا جس سے مجھے اطمینان کامل ہوگیا کہ اب خطرے اور پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ جن کے فیضانِ لطف و کرم نے پروفیسر صاحب کو پروان چڑھایا ہے وہی ان کی حفاظت بھی فرمائیں گے۔

حضرت فریدِ ملّتؒ: عصرِ حاضر کی اِحیائی تحریک کی خشتِ اوّل

(محمد فاروق رانا)

حضرت فریدِ ملّت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ۱۹۱۸ء میں جھنگ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جھنگ کے اسلامیہ ہائی اسکول سے حاصل کی اور ساتھ ہی ایک بزرگ مولانا غلام فرید سے صرف و نحو، منطق اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ ہر کلاس میں اول آتے تھے اور ہمیشہ وظیفہ حاصل کرتے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی زندگی کے چیدہ پہلو اس تناظر میں بیان کریں گے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور معمولات میں اُلوہی منشاء کارفرما تھی جس کا مقصد واحد موجودہ صدی کی عظیم اِحیائی تحریک کے لیے قیادت کی تیاری وفراہمی تھی۔

روحانی مقام و مجاہدات

سلف صالحین کی زندگیوں کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات بچپن ہی سے تلاشِ حق میں سرگرداں رہتے۔ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے مجاہدات و ریاضتیں ایام طفولیت میں ہی اپنے عروج پر تھیں۔ آپ کے طبعی میلان اور روحانی پرواز کا یہ عالم تھا کہ نو دس سال کی عمر میں ہی شہر سے باہر دریائے چناب کے کنارے گھنٹوں مراقبہ میں رہتے، وہاں مختلف وظائف اور سورتوں کا وِرد کرتے، خصوصا حضرت خضر سے ملاقات کے لیے بزرگوں کے بتائے ہوئے طریق پر وظائف کیا کرتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ کی زندگی اُم الکرامات یعنی اِستقامت سے عبارت تھی۔ تصوف کی کتب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ استقامت حاصل کرنا بڑے

اونچے درجے کی بات ہے۔ حضور داتا صاحب رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف ''کشف المحجوب (ص: ۱۹)'' میں فرماتے ہیں کہ **الإستقامة فوق الکرامة** (اِستقامت کرامت سے بالاتر ہے)۔

آپ رحمہ اللہ چونکہ صاحب استقامت تھے اس لئے آپ کے اندر جو رِقت بچپن میں تھی وہ تادمِ وِصال برقرار رہی اور یہ اِستقامت فقط انہی لوگوں کونصیب ہوتی ہے جن کا تعلق بارگاہِ رسالت ﷺ سے مضبوط اور پختہ ہوجاتا ہے۔ عشقِ رسالت مآب اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں حضوری کا غلبہ آپ کے قلب و ذہن میں ایک سمندر کی طرح موجزن تھا۔ رات کے پچھلے پہر عبادت میں مصروف ہوجانا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ کو منانا آپ رحمہ اللہ کی پوری زندگی کا معمول تھا۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ پوری زندگی درود پاک کا وِرد باقاعدگی سے کرتے رہے، عمر بھر بلا ناغہ آقا ﷺ کی بارگاہ میں درود پاک کا نذرانہ بھیجتے بلکہ آخری عمر میں تو کئی ہزار مرتبہ درود پاک پڑھتے۔ قصیدہ بردہ شریف کے ۱۶۰ اَشعار ہر رات تہجد کے بعد مدینہ شریف کی طرف منہ کرکے پڑھنے کا جوانی سے ہی معمول تھا۔ جب مصرع:

أمن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعاً جری من مقلة بدم

پر پہنچتے تو آنکھیں چھم چھم برسنا شروع کردیتیں۔ آنسوؤں کی برسات میں جھولتے اور صحراؤں کا ذکرکرتے ہوئے آقا ﷺ کی خدمت میں یہ اشعار پڑھتے تو آپ کی کیفیت دیدنی ہوتی:

یا أکرم الخلق ما لی من ألوذ به
سواک عند حلول الحادث العمم

اس مصرع کو بار بار پڑھتے اور بعض اوقات سوبار تک پڑھ جاتے۔ ایسے کئی

اشعار ہیں جن کے پڑھنے سے آپ رحمہ اللہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، یہ کیفیت ایک لمحے یا رات کی نہیں بلکہ ساری زندگی اس کیفیت کے دوام و استقامت میں گزرگئی۔ قصیدہ بردہ شریف کے وِرد کے بعد حضور غوث پاک کی طرف متوجہ ہوتے اور قصیدہ غوثیہ کا وِرد کرتے اور ہمیشہ ہر روز اشراق سے پہلے تک حزب البحر کا پورا ورد کرتے، جوکہ امام ابو الحسن شاذلی اور دیگر اولیاء کرام کے معمولات میں سے رہا ہے۔

قائد انقلاب اپنے بچپن کے واقعات بیان کرتے ہیں کہ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ رات کو گریہ و زاری میں مشغول ہوتے تو بعض اوقات ایسی کیفیت ہوجاتی کہ بے ساختہ چیخ نکل جاتی اور میں ڈر کے جاگ جاتا، پھر امی جان سے پوچھتا کہ اباجی کو کیا ہوگیا ہے، وہ کیوں رو رہے ہیں۔ امی مجھے تسلی دے کر سلا دیتیں اور کہتی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں رو رہے ہیں۔

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کو پاکستان میں تین اولیائے کرام کے ساتھ خاص نسبت رہی: سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ، اور حضور داتا گنج بخش رحمہ اللہ۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے لطف و کرم کا تو یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ رات کے ڈیڑھ دو بجے تک دربار سلطان العارفین رحمہ اللہ کے سجادہ نشین کے پاس بیٹھے رہے، پھر تکان دور کرنے کے لیے ذرا لیٹ گئے کہ اٹھ کر نمازِ تہجد ادا کروں گا۔ مگر آنکھ جو لگی تو نمازِ فجر کا وقت قریب ہوگیا اور ممکن تھا کہ نمازِ تہجد قضا ہوجاتی۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ عالم حیات میں تشریف لائے اور آکر ڈاکٹر فرید الدین کو جگا دیا کہ اٹھو تہجد کا وقت جا رہا ہے۔ ڈاکٹر فرید الدین نے جو اپنی آنکھوں کے سامنے سلطان العارفین کو دیکھا تو ان سے مصافحہ کرنے کے لیے دوڑے مگر وہ غائب ہوگئے۔ اس طرح آپ پر بزرگوں کی توجہات اور فیوض و برکات تھیں۔

آپ نے شیخ محمد کتانی رئیس رابطہ علمائے شام سے حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمہ

اللہ کی ''الفتوحات المکیۃ'' اور ''فصوص الحکم'' کا درس سبقاً لیا۔ آپ کبھی مزاراتِ اولیاء کی زیارت کے لیے سرہند شریف جایا کرتے، کبھی اجمیر شریف اور کبھی دلی کے اکابر اولیاے و صوفیاء عظام کے مزارات پر حاضری دے کر روحانی سکون حاصل کرتے۔ آپ کو اگر پتہ چلتا کہ فلاں جگہ کوئی مجذوب سکونت پذیر ہے تو دور دراز کا سفر طے کرکے بھی ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے۔ انہوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، سیدنا اُویس قرنی رضی اللہ عنہ اور مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ سے بے پناہ فیض حاصل کیا۔ سرکار غوث اعظم کے مزار اقدس پر تو آپ باقاعدگی سے حاضری دیا کرتے اور کئی کئی ماہ وہاں قیام کرتے۔ خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پر نوازشات کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

جن لوگوں کی لو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لگ جاتی ہے وہ دنیا کی آسائشوں اور عہدوں کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر بھی نہیں رکھتے۔ اسی لیے جب لاہور طبیہ کالج کے پرنسپل حکیم آفتاب احمد قریشی نے آپ کو وائس پرنسپل کی سیٹ کی پیش کش کی کہ آپ وائس پرنسپل کے طور پر چارج لے لیں اور میری ریٹائرمنٹ کے بعد آپ پرنسپل بن جائیں گے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی لیکن آپ نہ مانے، کافی دیر اس مسئلے پر بحث چلتی رہی اور آپ ہنس کر فرماتے کہ لاہور جا کر کیا لینا، ہم اپنی زندگی گزار چکے ہیں، جو باقی ہے اس کو تنہائی، گوشہ نشینی اور گمنامی میں گزارنا چاہتا ہوں کیونکہ اس میں بڑا مزہ آتا ہے۔ آپ نے اپنی عمر کے آخری پانچ سالوں میں ساری کتب اور کام چھوڑ دیے تھے صرف مثنوی شریف اور مصلیٰ آپ کے پاس ہوتا تھا۔ آپ رات کا کچھ حصہ آنسوؤں کی برسات اور ہلکی ہلکی لے میں مثنوی شریف پڑھنے میں گزارتے تھے، گریہ و زاری اور خلوت کا آپ پر غلبہ تھا، حتیٰ کہ جب رات کے ڈیڑھ بجے عارضہ قلب لاحق ہوا تب بھی آپ مصلے پر تھے اور یہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب تھی۔

قائدِ انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی وفات کے دس دن بعد خواب میں

زیارت کی تو اُن سے تین سوال پوچھے: پہلا یہ کہ نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد آپ کا چہرہ کی زیارت کی گئی تو آپ بے ساختہ مسکرا رہے تھے، تو یکا یک یہ تبسم کیسے آ گیا جو نمازِ جنازہ کی ادائیگی سے پہلے نہیں تھا۔ قائدِ انقلاب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ خیال آنے لگا کہ شاید ابا جی قبلہ کا وصال نہیں ہوا اور ڈاکٹروں کو مغالطہ ہوگیا ہے اور ہم لوگ انہیں زندہ حالت میں غسل دے کر لے آئے ہیں۔ دوسرا سوال یہ کیا گیا کہ دس روز تک آپ مجھ سے ملے نہیں۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ آپ نے نکیرین کے سوالوں کا کیا جواب دیا اور ان کے ساتھ معاملہ کیسا رہا۔ ان سوالوں کے جواب میں حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب آپ لوگ نماز پڑھ کے فارغ ہوئے، میرے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور مجھے مسکراتا ہوا پایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت پردے ہٹا دیے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے عالم عقبیٰ کے مقامات، باغاتِ جنت اور علیین کی اعلیٰ سیر گاہیں دکھانا شروع کردی تھیں۔ میں اس کے خصوصی انعامات کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اور آپ کے ساتھ دس روز بعد ملاقات کرنے کا سبب بھی یہی عالم بالا کی سیر تھی۔ رہ گیا قبر میں منکر نکیرین کے ساتھ معاملہ تو وہ یوں ہوا کہ جب وہ آئے میں نمازِ عصر ادا کر رہا تھا، انہوں نے مجھے نماز میں دیکھا تو لوٹ گئے۔ آج دس دن ہوگئے میں انتظار میں ہوں کہ وہ آئیں اور سوال کریں۔

سفر ہائے فرید

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ کے حکم الٰہی کے تحت خطہ اَرضی کے بیشتر حصوں کی سیر کی تاکہ قدیم و جدید علوم و رجحانات سے آگہی ہونے کے ساتھ ساتھ قومی و بین الاقوامی ویژن میسر آئے کیونکہ یہی خصوصیات آپ نے سائنس و ٹیکنالوجی کی موجودہ صدی کی عالم گیر تجدیدی و اِحیائی تحریک کی قیادت میں منتقل کرنا تھیں۔ آپ کے ان اَسفار کا مقصد کبھی شیخ طریقت کی تلاش ہوتا تو کبھی روحانی اسرار و معارف سے شناسائی، کبھی دینی علوم کا حصول ہوتا تو کبھی دنیاوی علوم تک رسائی۔ آپ نے ایران کے مختلف شہروں کی سیر کی جن میں زاہدان، مشہد مقدس، نیشاپور، شہرود، بسطام،

خرقان، سمنان، تہران، قم، اصفہان، شیراز قابل ذکر ہیں۔ وہاں آپ نے حافظ شیرازی، شیخ سعدی، شیخ ابو عبد اللہ خفیف اور قرآن حکیم کی بے مثل روحانی و عرفانی تفسیر ’’عرائس البیان فی تفسیر القرآن‘‘ کے مصنف شیخ روز بہان بقلی شیرازی کے مزار پر بھی حاضری دی۔ آپ بصرہ (عراق) میں سیدنا زبیر بن العوام، سیدنا انس بن مالک، سیدنا حضرت طلحہ اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مزارات پر بھی حاضر ہوئے۔ بغداد شریف میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں کئی بار حاضر ہوئے۔

اس کے علاوہ انہوں نے اور بھی بے شمار ملکی و غیر ملکی سفر کیے جن کی تفصیل ہمیں ان کے حالاتِ زندگی میں ملتی ہے۔

ملتِ اِسلامیہ کا اِحیاء

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے دل میں غلبہ دین حق اور اِحیائے اِسلام کی تڑپ بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ کو ہر وقت اُمت مسلمہ کی فکر دامن گیر رہتی اور اس کے لیے ہر سطح پر کوشش کرتے۔

ا۔ علمی کاوشیں

اُمت مسلمہ اپنے دورِ زوال کے آغاز میں تعلیمی اِنحطاط کا شکار ہوئی۔ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کو اس کا شدت سے احساس تھا، اس لیے آپ نے تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ آپ علم میں تحقیق و تصنیف کے فن میں ماہر تھے۔ علم و مطالعہ میں پختگی اور علوم دینیہ میں مسائل پر مناظروں میں گہرائی اور گرفت اور مسائل کے استنباط و استخراج پر آپ ملکہ راسخہ رکھتے تھے۔ درس و تدریس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپ رحمہ اللہ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ چالیس برس پہلے کی پڑھی ہوئی کتاب کا حوالہ بھی من و عن دیتے اور دیکھنے پر ذرا برابر فرق نہ ہوتا۔ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کی دینی تعلیم بچپن میں اسکول کی تعلیم کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی۔ دینی تعلیم کے سلسلے میں انہیں جن بزرگوں سے تلمذ کا شرف

حاصل ہوا ان میں پاکستان میں تین بزرگ ہیں: شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد قادری رحمہ اللہ، حضرت ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ اور مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ سیالکوٹی۔ علاوہ ازیں مولانا عبد الحی فرنگی محلی سے فرنگی محل لکھنو میں پانچ چھ سال پڑھا اور وہاں دورہ حدیث کیا اور بڑے بڑے اکابر علماء و فضلاء کے ساتھ دینی علوم کی تکمیل کی۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا عبد الشکور مہاجر مدنی، شیخ علوی المالکی اور شیخ محمد الکتانی شامل ہیں۔

آپ نے اپنے معاصر علماء کے برعکس نئے دور کے تقاضوں کے مطابق جدید علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی کمال حاصل کیا۔ آپ نے طب یونانی میں شفاء الملک حکیم عبد الحلیم لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا، انھوں نے آپ کو اپنا بیٹا (متبنیٰ) بنا لیا اور پانچ سال اپنے پاس رکھ کر خصوصی تربیت دی۔ آپ نے حیدر آباد دکن میں حکیم عبد الوہاب نابینا انصاری سے نبض میں تخصص حاصل کیا۔ قائد انقلاب اپنے حالیہ دورۂ ہند میں اس مطب بھی گئے تھے جہاں فرید ملت حکیم عبد الوہاب نابینا انصاری کی زیرِ تربیت رہے۔ اگرچہ آپ عملی زندگی میں شعبہ طب سے وابستہ ہوگئے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کے لیے روزانہ گھنٹوں وقف کرتے۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، مولانا حکیم محمد نور، مولانا محمد اسماعیل، مولانا سید سردار احمد شاہ، مولانا قادر بخش اور مولانا سلطان محمود شامل ہیں۔

حضرت فریدِ ملّتؒ کا ذوقِ مطالعہ بھی اپنے عروج پر تھا۔ ہر روز آپ کی نشست کے اردگرد چالیس پچاس کتب موجود رہتیں، گھنٹوں مطالعہ میں مستغرق رہتے اور جہاں کوئی علمی و فنی نکتہ یا دلیل میسر آ جاتی ابتداء میں نوٹ فرما دیتے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے آسانی پیدا ہو۔ آپ ہر سفر میں منتخب کتب خرید کر لاتے، آپ کی لائبریری میں سینکڑوں کتب موجود تھیں جو بعد میں حضرت شیخ الاسلام نے فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ کو عطیہ

کر دیں جہاں ان کتب کا ''مکتبہ فریدیہ قادریہ'' کے نام سے الگ سیکشن موجود ہے اور ان پر حضرت فریدِ ملّتؒ کے لگائے ہوئے حواشی و حوالہ جات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

شعر و ادب اور نعتیہ شاعری میں مقام

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے چونکہ لکھنو اور حیدر آباد دکن میں کافی عرصہ قیام کیا تھا، اس لیے ان کا شعری ذوق کافی پروان چڑھا اور وہاں انہوں نے شکیل مینائی سے شاعری میں تلمذ حاصل کیا تھا۔ آپ ایک صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اپنی اوائل عمر ۱۹۴۰-۱۹۵۰ء میں جھنگ میں شعر و ادب کی مختلف محافل میں اپنا کلام بھی سنایا کرتے۔ شیر افضل جعفری اور مجید امجد جیسے شعراء کرام آپ کے معاصرین میں سے تھے اور آپ سے اشعار کی اِصلاح لیتے تھے۔ لکھنو کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا جس میں چوٹی کے شعراء شریک ہوں اور حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ شامل نہ ہوں۔ ایک دفعہ لکھنؤ میں اہلِ سنت اور اہلِ تشیع نے فیصلہ کیا کہ یومِ علی رضی اللہ عنہ اور یومِ عمر رضی اللہ عنہ اکٹھے منائیں گے، اس پر مشاعرہ ہوگا۔ یومِ عمر رضی اللہ عنہ آنے پر اہلِ سنت اور اہلِ تشیع نے پورے ہندوستان سے بڑے بڑے شعراء کرام کو بلایا۔ اور حضرت ڈاکٹر فریدالدین رحمہ اللہ کو بھی بلایا، آپ کا تخلص ''فریدؔ'' تھا۔ اور فرید الدین فریدؔ لکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دریائے نیل کی کرامات کا واقعہ منظوم شکل میں پڑھنے کی ذمہ داری آپ رحمہ اللہ پر آئی تو آپ رحمہ اللہ نے فی البدیہ ساٹھ اشعار پڑھ کر مشاعرہ لوٹ لیا۔ آپ کے کلام کا مجموعہ ''دیوان قادری'' کے نام سے بھی جمع کیا گیا تھا جو کچھ عرصہ حضرت شیخ الاسلام کے پاس رہنے کے بعد کہیں کھو گیا۔ اس میں شامل ''سلام بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے دو شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں، جن سے آپ کا شعری ذوق اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمایاں ہوتا ہے:

السلام اے مطلعِ صبحِ اَزل   السلام اے جانِ ہر نثر و غزل
السلام اے قلزمِ جود و سخا   السلام اے مصدرِ حمد و ثنا

چاہتا ہوں آشنائے راہ کر مجھ کو راہِ زیست سے آگاہ کر

میرے سینے میں تیری ہی یاد ہو مری دنیا میں تو ہی آباد ہو

نفس اَمّارہ کہے اِنِّیْ سَقِیْم منہ کہ بل گر جائے شیطٰن الرجیم

۲۔ عملی کاوشیں

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ عملی جد و جہد پر یقین رکھتے تھے، آپ کی اِحیائے اِسلام کے لیے کاوِشیں صرف علمی و تحقیقی میدان تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ آپ نے عملی میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ سیاسی و مذہبی ہر دو پلیٹ فارمز پر سرگرمی سے شریک ہوئے۔ آپ دورانِ تعلیم میں دو مرتبہ لکھنو سے حکیم الامت علامہ اِقبال رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے لاہور آئے۔ زمانہ طالب علمی میں تحریک پاکستان میں کام کرتے رہے۔ کثیر علماء و مشائخ سے ساتھ رابطہ رہتا، دو مرتبہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دی۔ اور معاصر علمائے کرام کے ساتھ اکثر علمی مباحث ہوتی رہتیں۔ بڑے بڑے اہم مسائل پر حوالہ جات کے لیے اور اعتراضات کے ردّ کے لیے علمائے کرام آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جس مسئلہ پر خطاب کرتے تھے اس مسئلے پر آپ کا خطاب فیصلہ کن تسلیم کیا جاتا تھا۔ ذیل میں آپ کی عملی خدمات کے باب میں سے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اِجلاس میں شرکت

آپ کے ایک دیرینہ دوست ڈاکٹر اِحسان صابری قریشی بیان کرتے ہیں:

’’آل انڈیا مسلم لیگ کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا مشہور تاریخی اجلاس لاہور میں شروع ہونے والا تھا۔ ان ایام میں دفعتہً ڈاکٹر فرید الدین قادری جھنگ تشریف لائے اور اپنے والد صاحب کے گھر ٹھہرنے کی بجائے میرے ہاں

ٹھرے۔ مجھے انہوں نے مشورہ دیا کہ آؤ لاہور چلیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے تین روزہ اجلاس میں شرکت کریں، جب کہ میں نے اپنی سرکاری ملازمت کے سبب لیت ولعل سے کام لیا۔ اس پر فرید صاحب نے کہا کہ اس اجلاس میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ خطے کا قرارداد پاس ہوگا۔ اور قائد اعظم محمد علی جناح بنفس نفیس اس کی صدارت کریں گے، اس لحاظ سے یہ ایک تاریخی اجلاس ہوگا اور اِن شاء اللہ مسلمان انگریز سے ایک علیحدہ خطہ لے کر رہیں گے۔ چنانچہ میں نے فرید صاحب رحمہ اللہ کا مشورہ مان لیا اور دو دن کی رخصت لے کر ڈاکٹر فرید صاحب کے ساتھ لاہور پہنچا۔ میں چونکہ زمانہ طالب علمی میں مسلم لیگ کا رضا کار بھی رہا تھا۔ اس لیے ۲۳ مارچ کے اجلاس میں ہم دونوں نے پہلی قطار میں جگہ حاصل کرلی۔ قائد اعظم کی تقریر کے دوران میں نعرے لگاتا تھا اور فرید صاحب مع حاضرینِ اِجلاس میرے نعروں کا جواب دیتے تھے۔ ہم ''مسلم لیگ زندہ باد''، ''قائد اعظم زندہ باد'' کے نعرے پوری قوت سے لگا رہے تھے۔ قائد اعظم ہم دونوں سے بہت خوش نظر آتے تھے۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ہمیں دادِ تحسین دیتے تھے۔ مولوی ابو القاسم، فضل الحق، خلیق الزماں اور نواب زادہ لیاقت علی خان بھی ہمیں شاباش دے رہے تھے۔ یہ اِجلاس تین روز تک جاری رہا اور ہم دونوں نے تینوں روز فلک شگاف نعرے لگائے۔''

خطیبِ بے بدل

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ صاحبِ طرز خطیب اور میدانِ خطابت میں منفرد اُسلوب کے حامل تھے، آپ فقہی، اُصولی، منطقی اور معانی کی معلومات و مباحث کے بند قبا اس طرح کھول کر بیان کرتے کہ انسان دنگ رہ جاتا۔ یہ بھی آپ کے علمی مقام کا اِمتیاز تھا کہ جن جن مقامات و اجتماعات میں آپ کا جانا ہوتا ان میں آپ کا خطاب ہوتا اور اکثر آخری خطاب ہوتا۔ آپ اُردو اور پنجابی میں انتہائی روانی کے ساتھ خطاب کرتے لیکن

جب مثنوی شریف پڑھتے تو سُر اور طرز کے ساتھ لے میں پڑھتے تھے۔ آپ دین اِسلام کی اصل روح کی ترویج اور شانِ رسالت مآب ﷺ کی بابت پائی جانے والی بدعقیدگی ختم کرنے کے لیے اکثر دینی و علمی مجالس میں شرکت کرتے۔ اور لوگوں کے ذہنوں پر پڑی تشکیک کی گرد دور کرتے۔ جن اَحباب کو ان کا خطاب سننے، ان کی مجلس میں بیٹھنے، ان کے دلائل سننے اور استدلال جاننے کا موقع ملا ہے وہ گواہ ہیں کہ وہ جس مسئلہ پر خطاب کرتے ایسا لگتا کہ اب اس مسئلہ پر گفتگو کی ضرورت ہی نہیں، وہ فیصلہ کن اور حتمی خطاب ہوتا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی بیان کرتے ہیں: ''حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا، لیکن جو مختصر سا وقت ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے ارشاداتِ عالیہ اور خطابِ دل نواز سننے کا ملا اس نے ہمیشہ کے لیے ان کا گرویدہ بنا دیا اور ان کی عظمت کے اَن مٹ نقوش دل و دماغ پر ثبت اور منقش ہو کر رہ گئے۔ آپ کا انداز عام خطباء اور مقررین کے اسلوب و انداز سے بالکل منفرد تھا کہ آپ صرف اپنے مفید مدعا دلائل و براہین کے بیان پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ اس پر وارِد ہونے والے اشکالات و اِعتراضات کا بھی خود ہی ذکر فرماتے اور پھر ایسا جواب دیتے جو موجبِ اطمینان اور مورثِ ایقان ہوتا۔'' ذیل میں آپ کی خطابت کے چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ مولانا عبد الرشید رضوی کے والد ماجد مولانا قطب الدین رحمہ اللہ نے جھنگ کے نزدیک ایک جامعہ قائم کیا تھا جہاں اَطراف و اَکناف سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے آتے تھے۔ جامعہ کے سالانہ جلسہ کی مختلف نشستیں ہوتیں تھیں مگر آخری نشست کی صدارت شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ فرماتے، جس میں حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ سینکڑوں علماء کی موجودگی میں خطاب فرماتے۔

۲۔ سیال شریف میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کی زیر صدارت ہونے والے عرس مبارک کی تقریب میں ملک کے گوشے گوشے سے مشائخ عظام اور جید

علماء شریک ہوتے۔ جب مجلس اپنے عروج پر ہوتی تو شیخ الاسلام ہزاروں علماء و سامعین کی موجودگی میں حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کو خطاب کے لیے حکم فرماتے۔ آپ کا خطاب آخری ہوتا اور بعض اوقات صرف آپ ہی کا خطاب ہوتا، اور اس کے بعد شیخ الاسلام کلماتِ تحسین فرماتے۔

۳۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی نے حصولِ علم سے فراغت کے بعد سلانوالی میں ایک مدرسہ ''ضیاء العلوم جامعہ شمسیہ'' کی بنیاد رکھی تو ایک مرتبہ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کو جمعہ کی خطاب کی دعوت دی۔ وہ بیان کرتے ہیں: ''جس جمعہ کا میں نے عرض کیا تھا آپ اِتفاقاً اس سے پہلا جمعہ سمجھ کر پہلے تشریف لے آئے، اور پھر گاڑی بھی لیٹ ہوگئی۔ جمعہ آپ کا بھی رہ گیا اور ہم بھی استفادہ سے محروم رہے، لیکن اس دوران میں کمال اخلاص اور منتہائے شفقت کا یہ عجیب اور عظیم منظر دیکھنا نصیب ہوا کہ روٹی اور چائے وغیرہ تک بھی نہ پی، اور ذرا بھی طبیعت پر ملال اور گرانی کا اثر دیکھنے میں نہ آیا۔ فرمایا: میں لالیاں سے آیا ہوں اور جانا بھی ادھر ہی ہے اور جھنگ سے سرگودھا جانی والی گاڑی کا لالیاں والی گاڑی سے کراس ہنڈیوالی جنکشن پر نہیں ہوتا، لہٰذا میں تمہیں صرف اتنی تکلیف دیتا ہوں کہ ایک سائیکل سوار آدمی دے دو جو مجھے پیچھے بٹھا کر سلانوالی سے ہنڈیوالی پہنچا دے۔ بندہ نے کرایہ پیش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن آپ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے عرض کی: آئندہ جلسہ کا کرایہ وصول فرمالیں۔ لیکن فرمایا: جلسہ پر آؤں گا لیکن کرایہ نہیں لوں گا۔ بالآخر وقت کے اس عظیم علامہ اور بے مثل خطیب کو ایک سائیکل سوار کے پیچھے بٹھا کر یوں روانہ کیا کہ ہمیشہ کے لیے دل میں بٹھا اور بسا لیا۔ بعد ازاں آپ دار العلوم کے جلسہ پر تشریف لائے، رات کو خطاب فرمایا جو سلانوالی میں خطاباتِ اہل سنت میں ریکارڈ خطاب تھا اور صبح روانہ ہوتے وقت بمشکل سلانوالی سے ہنڈیوالی کا ٹکٹ قبول فرمایا اور ہم جیسے نیاز مندوں کے لیے خدماتِ اِسلام کے اخلاص اور محنت ولگن کا ایک روشن مینار قائم فرما گئے۔''

مذکورہ حقائق واضح کرتے ہیں کہ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ خدمتِ اِسلام کے لیے ہر وقت مستعد اور کوشاں رہتے۔ آپ نے خود کو دین کی تبلیغ و اِشاعت کے لیے وقف کیے رکھا اور اس سلسلے میں کبھی اپنی انا اور عزتِ نفس کو رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

سعودی علماء کے ساتھ مناظرہ

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ جب ۱۹۴۸ء میں حجازِ مقدس گئے تو بادشاہِ وقت کے بھائی کو ایسا مرض لاحق ہوا تھا کہ جس کا علاج کسی ڈاکٹر سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے اس کا علاج کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ وہ ٹھیک ہوگیا۔ آپ کے قیام کے دوران میں انہیں پتہ چلا کہ آپ عظیم طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت کے عظیم عالم بھی ہیں تو آپ کے ساتھ علماء کی مختلف نشستیں کروائی گئیں، جن میں خود بادشاہِ وقت موجود ہوتا تھا۔ مسئلہ شفاعت، مسئلہ توسل، مسئلہ استغاثہ اور دیگر بہت سارے علمی مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا مگر آپ علمی دلائل کی روشنی میں تمام علماء پر اس طرح غالب آجاتے کہ ہر نشست کے آخر میں امیر کو آپ کے حق میں فیصلہ دینا پڑتا اور وہ علمائے سعود سے کہتا: آپ ہار گئے اور دکتور جیت گئے۔

مرزائی علماء کی توبہ

نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبد السلام کے والد ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز مولوی محمد حسین اور ان کے تایا مولوی غلام حسین کا شمار اس وقت کے علماء مرزائیت میں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ان دونوں حضرات کا حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ سے مناظرہ ہوا جس کا موضوع تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے تین گھنٹے کے مباحثے میں ان دونوں کو یہ بات ماننے پر مجبور کردیا کہ واقعتاً قرآن وسنت کی روشنی میں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، یوں ان دونوں نے اپنے سابقہ عقیدے سے توبہ کرلی۔ ڈاکٹر اِحسان صابری قریشی اس مناظرے کی

روئداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’ایک بار جھنگ شہر میں ڈاکٹر فرید الدین کا مناظرہ ان دونوں بھائیوں سے ’’احمدیت‘‘ کے موضوع پر ہوا، میں اس مناظرے میں موجود تھا اور پروفیسر صوفی ضیاء الحق بھی موجود تھے۔ تین دن مناظرہ جاری رہا، آخر کار یہ دونوں بھائی اس مسئلہ کو مان گئے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی ہندوستان میں تو کیا اس دنیا میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس بات پر مرزائیوں میں کھلبلی مچ گئی اور اسے ڈاکٹر فرید الدین کی کھلی کرامت کہا گیا۔ بعد میں اگرچہ یہ دونوں بھائی پھر مرزائی ہوگئے تھے۔‘‘

اگر ڈاکٹر صاحب نہ آتے تو ہم مرزائی ہوجاتے

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کچھ عرصہ لالیاں میں رہے ہیں، وہاں کے لوگ اب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہمارے ہاں ڈاکٹر صاحب نہ آتے تو ہم تمام ربوہ قریب ہونے کی وجہ سے مرزائی ہوچکے ہوتے لیکن یہ آپ کی آمد کی برکت تھی کہ لوگوں کو مرزائیت سے نفرت ہوگئی۔

مسئلہ تکفیر یزید

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ رحمہ اللہ صاحب کا حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے ساتھ علمی مباحثہ ہوا۔ حضرت کاظمی شاہ صاحب رحمہ اللہ یزید کو لعنتی تو سمجھتے تھے مگر فتوتاً خاموش تھے جب کہ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ یزید کے کفر اور اس پر لعنت بھیجنے کے جواز کے قائل تھے۔ اس پر دونوں حضرات کی تفصیلی گفتگو ہوئی جس میں جھنگ کے کچھ علماء بھی شریک تھے۔ آپ نے کاظمی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تکفیر یزید پر کتب تفاسیر و عقائد اور شروحاتِ حدیث میں سے حوالہ جات پیش کیے اور ان کے علمی اعتراضات کے جواب دیے۔ گفتگو کے اختتام پر حضرت کاظمی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کہا: ’’ڈاکٹر صاحب! آپ نے جو حوالہ جات دیے ہیں ان میں سے بعض میری نظر سے پہلے نہیں گزرے، میں یہ کتب لے جاتا ہوں ان پر غور کروں گا۔‘‘

مجالسِ علماء برائے اِستفادہ

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ یقیناً یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ عام انسان سے لے کر علماء کرام تک سب آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ سب آپ کی علمی و استدلالی قوت سے فیض یاب ہوتے اور خرد کی گتھیاں سلجھانے کے لیے آپ سے رہنمائی لیتے تھے۔

۱۔ مولانا عبد الغفور ہزاروی رحمہ اللہ صوفی منش فلسفی اور عالم تھے۔ ان کی گفتگو میں تصوف کی چاشنی اور فلسفہ و منطق کے مسائل یک جا ہوتے تھے۔ جب وہ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے ہاں آتے تو اکثر مسائل تصوف پر گفتگو ہوتی۔ ایک دفعہ دونوں بزرگوں کے مابین فلکیات کے موضوع پر قریباً اڑھائی گھنٹے گفتگو ہوئی۔

۲۔ مولانا احمد بخش ضیائی فنِ نحو میں ماہر عالم تھے۔ ان کا یہ طریق تھا کہ مطالعہ اور درس و تدریس کے دوران میں جو نحوی پیچیدگیاں پیش آتیں دو تین ہفتوں کے بعد حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کی خدمت میں آ جاتے۔ مولانا ضیائی ایک ایک کر کے مسئلہ بیان کرتے جاتے اور آپ انہیں بڑے احسن انداز میں حل کرتے جاتے۔

۳۔ استاذ العلماء مولانا عبد الرشید رضوی دورانِ مطالعہ و تدریس کوئی الجھن محسوس کرتے تو حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے ہاں تشریف لا کر ان کی رائے طلب کرتے اور گھنٹوں بحث و تمحیص جاری رہتی۔

۴۔ مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ بھی حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وہ ان کے گھر رکتے اور مختلف امور پر علمی و فنی تبادلہ خیال ہوتا۔

۳۔ حضرت فریدِ ملّتؒ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی

اُمت مسلمہ کا زوال اور پستی کا عالم دیکھ کر حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ آپ ہر وقت اس غم میں کڑھتے رہتے اور متفکر رہتے کہ کس طرح اسلام

اور عقائد پر ہونے والے تابڑ توڑ حملوں کا مؤثر جواب دیا جائے۔ اس کے لیے آپ کی مقدور بھر قابل تقلید کاوشیں ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں، مگر حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کچھ مزید کرنے کے خواہاں تھے۔ مثل مشہور ہے کہ اِنسان جو کام خود نہیں کر سکتا ان کی تکمیل اپنی اولاد کے ذریعے چاہتا ہے۔ اسی لیے جب آپ کو پہلی بار ۱۹۴۸ء میں حرمِ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو وہاں رات کے پچھلے پہر طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ ملتزم پر غلافِ کعبہ کو تھامتے ہوئے آنسوؤں کی برسات میں دل کی تمنا زبان سے دعا بن کر نکلنے لگی: باری تعالیٰ! ایسا بچہ عطا کر جو تیری اور تیرے دین کی معرفت کا حامل ہو، جو دنیا اور آخرت میں تیری بے پناہ عطا و رضا کا حق دار ٹھہرے اور فیضانِ رسالت مآب ﷺ سے بہرہ ور ہوکر دنیائے اِسلام میں ایسے علمی وفکری اور اخلاقی و روحانی انقلاب کا داعی ہو جس سے ایک عالم متمتع ہو سکے۔ آپ کی دعا بارگاہِ اِلٰہی میں مستجاب ہوئی اور ۱۹ فروری ۱۹۵۱ء بروز پیر آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جو آج نابغۂ عصر شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی صورت میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر پسی ہوئی ملت اِسلامیہ کے درد کی آواز بن کر باطل، اِستحصالی اور اِسلام دشمن قوتوں کی سرکوبی کے لیے اپنی شبانہ روز جدو جہد میں مصروفِ عمل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کی تربیت کا خصوصی اِہتمام

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ جس خزینہ معرفت سے اللہ تعالیٰ کے خصوصی لطف و کرم کے ذریعے فیض یاب ہوکر روحانیت کے اعلی مقامات پر فائز ہو چکے تھے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ یہ دولت عظمیٰ ان کے فرزند ارجمند کو بھی نصیب ہو، اس لیے انہوں نے شیخ الاسلام کو بچپن سے ہی اپنی نگرانی میں باقاعدہ اور مسلسل تربیتی مراحل سے گزارا۔ اپنی صحبت و تربیت کے زیر اثر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے عشق و محبت، دین اسلام کی چاہت و رغبت، روحانی اعمال کے ساتھ قلبی لگاؤ، یہ تمام چیزیں بچپن ہی سے ان کے اندر راسخ کر دی تھیں۔ سن شعور سے قبل ہی آپ کو اپنے ساتھ نماز ادا کرنے کی عادت ڈالی،

اوائل عمری ہی میں قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم کی تکمیل کا اہتمام کیا۔ اور بعد ازاں اپنی تربیت وصحبت سے رات کو اٹھنے کی عادت بھی قابل رشک طریقے سے پیدا فرمائی۔ انہوں نے اپنی زبان مبارک سے شیخ الاسلام کو کبھی نہ فرمایا کہ تہجد کے لیے اٹھو، بلکہ معمول یہ تھا کہ جب خود اٹھتے تو سردیوں کی راتوں میں سوہن حلوہ یا بسکٹ یا ایسی ہی کوئی اور چیز تیار کرکے اس کے ساتھ دودھ گرم کرکے ان کے بستر کے قریب لا کر رکھ دیتے۔ اور وضو کے لیے پانی خود اپنے ہاتھ سے گرم کرکے ان کے پاس رکھ دیتے۔ آپ رحمہ اللہ کے قدموں کی آہٹ سے خود بخود شیخ الاسلام کی آنکھ کھل جاتی تو آپ رحمہ اللہ کمال محبت وشفقت سے فرماتے: بیٹے! میں نے تمہارے وضو کے لیے پانی گرم کر کے رکھ دیا ہے، اور کچھ دودھ اور سوہن حلوہ ہے، وضو کرکے کھا لینا۔ اس طرح ایک احسن ترغیب سے بالواسطہ ایک مستقل عادتِ شب بیداری آپ کے اندر پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا۔

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے جس طرح شیخ الاسلام کی روحانی تربیت کا آغاز اپنی نگرانی میں خود کیا، اسی طرح ان کی تعلیم کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ چھوڑی۔ جھنگ کے بہترین اسکول میں آپ کو داخل کروایا۔ دینی تعلیم کا آغاز خود گھر کروایا اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتب خود ہی پڑھا ڈالیں۔ حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ ظہر سے لے کر عصر یا مغرب تک کا وقت فارغ رکھتے اور اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں سے فارغ ہوکر اس وقت میں طالبانِ علم کو پڑھاتے، مگر جب قائد انقلاب کی تعلیم شروع ہوئی تو ظہر تک ہسپتال سے فارغ ہوکر گھر آجاتے۔ بعد ازاں عصر سے لے کر رات گیارہ بجے تک سارا وقت شیخ الاسلام کو پڑھانے میں صرف کرتے۔ انہوں نے ۱۹۶۲ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک مختلف وقتوں میں شیخ الاسلام کی تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ خود پڑھانے کے علاوہ قائد انقلاب کی خصوصی تربیت کے پیش نظر انہیں استاذ العلماء مولانا عبد الرشید رضوی کے پاس درسیات پڑھنے کے لیے مسلسل بھیجا تاکہ ان کی تعلیم وتربیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔

الغرض حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے پندرھویں صدی کے مجدد کی تیاری میں کوئی کسر رَوا نہ رکھتے ہوئے انہیں ہر طرح کی قدیم و جدید تعلیم اور اعلیٰ ترین تربیت سے آراستہ کیا، تاکہ وہ ہر سطح پر معاصر چیلنجز کا مقابلہ کرسکیں اور اسلام پر ہونے والے حملوں کا عقلی و نقلی اور عملی ہر سہ سطح پر کامل جواب فراہم کرسکیں۔

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کی شخصیت ہمارے لئے آج بھی ایک مینارۂ نور ہے۔ آپ کا کردار اور تعلیمات ہمارے جذبہ عمل کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس منزل کے حصول کے لئے کلیتًا وقف کر دیں جس کا خواب حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے دیکھا تھا اور جس کے لئے ان کے شب و روز اور سوز و گداز وقف تھے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے احوال پر نظر کریں اور اُن ہستیوں کی طرف دیکھیں جو مر کر بھی زندہ ہوگئیں اور جنہیں بارگاہِ الٰہی میں کامرانی نصیب ہوئی۔ ہمیں یہ عہد کر لینا چاہیے کہ ہم بھی اپنی زندگی میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ یہ رضا اُس وقت تک میسر نہیں آ سکتی جب تک ہم اپنے آپ کو گناہوں اور رذائل سے پاک کرتے ہوئے تقویٰ، صدق، اخلاص، محبت و طاعت اِلٰہی اور عشق و اِتباعِ رسول ﷺ کے نور سے منور نہیں کر لیتے۔ جب ایسا تعلق قائم ہوجاتا ہے تو ہر قدم پر آقائے دو جہاں ﷺ خود رہنمائی فرماتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی اصل سے رابطہ قائم کرتے ہوئے حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کی اصل آرزوئے اِنقلاب کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ معاشرے میں ایثار وقربانی کے جذبہ کا انقلاب دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے زندگی بھر اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دی۔ شیخ الاسلام کی تعلیم و تربیت بھی ان کے اسی جذبہ کی عکاسی کرتی ہے کہ انہوں نے دنیاوی ترقی کے کئی مواقع سے صرف اس لیے فائدہ نہیں اٹھایا کہ اس طرح وہ دنیاوی اُمور میں مصروف ہوکر شیخ الاسلام کی تعلیم و تربیت پر کما حقہٗ توجہ نہیں دے سکیں گے۔ ایثار وقربانی کے اسی جذبہ کے پیشِ نظر حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ نے دمِ وِصال شیخ الاسلام کو

جو وصیت کی وہ صرف یہ تھی کہ بیٹا! تمہارے پاس کچھ ہو یا نہ ہو صدقہ و خیرات کثرت سے کرتے رہنا۔ پس کسی کے پاس زیادہ ہو یا تھوڑا، فاقے کی حالت ہو یا غناء کی جتنی توفیق اللہ تعالیٰ عطا کرے اس کی مخلوق پر خرچ کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اس میں بڑی برکتیں ہیں۔

حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کی خدمات کے اعتراف میں جھنگ میں آپ کی رہائش گاہ کو فریدیہ ٹرسٹ بنایا جاچکا ہے۔ انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ پر ''فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ'' قائم کیا گیا ہے جہاں محققین ہمہ وقت اِسلام کے مختلف گوشوں پر تحقیق میں مصروف رہتے ہیں۔ قائد انقلاب کی تمام کتب اِسی اِنسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام شائع ہوتی ہیں۔ اِنسٹی ٹیوٹ میں ایک بے مثال لائبریری موجود ہے جہاں حضرت فریدِ ملّت رحمہ اللہ کے زیر مطالعہ رہنے والی کتب کا الگ سیکشن بنایا گیا ہے۔

روحانی ذوق - حیاتِ فریدؒ کا ایک درخشاں باب

(چوہدری محمد اشرف قادری)

فرید ملت حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے مجاہدوں، ریاضتوں، زیارتوں اور روحانی و دینی علوم کے حصول کے لئے بھرپور اور ہمہ وقت متحرک، چھپن سالہ حیات کا بہ نظر عمیق جائزہ لیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے سامنے مسلمانانِ عالم کی اللہ تعالیٰ کے دین سے بے توجہی کا راز منکشف ہو چکا تھا۔ وہ نبض شناس ملت کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کے اصل روگ اور مرض کی تشخیص کر چکے تھے۔ اور اب اس کے مکمل علاج کے لئے بارگاہ ایزدی سے کسی ایسے مسیحا کے متمنی تھے جو تساہل پسند اور اپنے سود و زیاں کے احساس سے عاری اور باہمی تعصّبات و اختلافات کے روگ میں گرفتار ملت کو اس کی عظمت رفتہ لوٹانے کی جدوجہد کی شاہراہ پر گامزن کردے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی التجاؤں اور خشوع وخضوع سے مانگی گئی دعاؤں کو ان کے مولا کے حضور جب شرف قبولیت عطا ہوا۔ اور ان کے آنگن میں ''محمد طاہر'' کی صورت میں متبسم و معطر گل، کھل اُٹھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ پھر اسی کی آبیاری کرنے اور پروان چڑھانے کا اہتمام بطریق احسن کرنے میں لگے رہے۔ کیونکہ یہی وہ گوہر مقصود تھا جس کو پانے کے لئے انہوں نے مقام ملتزم پر کھڑے ہو کر غلاف کعبہ کو تھام کر اپنے مولا کے حضور رو رو کر دست سوال دراز کیا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اس بچے کی ہمہ جہت تربیت کرنے کی خواہش سے لبریز ہو چکے تھے۔ آپ کی روحانی بصیرت پوری طرح بھانپ چکی تھی کہ ملت کی طوفانوں میں گھری ہوئی کشتی کو ساحل مراد ان کے اسی فرزند ارجمند کے ہاتھوں نصیب ہوگا۔ اپنے اس امیدوں کے مرکز کو روحانی علمی، اخلاقی اور دینی سرمایہ منتقل کرنے کے لئے پہلے خود کو مختلف روحانی و دینی بارگاہوں سے بدرجہ اتم مستفیض و متمتع کیا۔ ان فیض کے چشموں اور اولوالعزم، برگزیدہ ہستیوں کی بارگاہ میں پلٹ پلٹ کر حاضریاں

دیں۔ اپنے اللہ کے حضور بے پایاں فیوض و برکات کے لئے رو رو کر دعائیں مانگیں۔ اور جوں جوں ان کے لختِ جگر نے منازلِ طے کیں، اس طرح اللہ کے لطف و کرم سے جو روحانی و دینی سرمایہ انہیں عطا ہوا تھا وہ بڑے بھرپور طریقہ اور خصوصی توجہ کے ساتھ تادم واپسیں انہوں نے اپنے اس بیٹے کو منتقل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

تسکین روح کی تلاش

جھنگ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہونے والی اس عظیم شخصیت کے ذوق میں بڑا تنوع تھا۔ آپ کی شخصیت میں بڑی جامعیت اور ہمہ گیریت تھی، علمی، ادبی، طبی، فکری، عالمانہ فقہی اور تحقیقی ذوق کے ساتھ ساتھ آپ کے اندر ابتدا ہی سے روحانی و صوفیانہ ذوق کا جذبہ بڑی فراوانی کے ساتھ موجود تھا۔ فرید ملت کے متعلق مصدقہ روایت ہے کہ آپ نو یا دس گیارہ برس کے تھے کہ اپنے شہر سے تین چار میل دور دریائے چناب کے کنارے چلے جاتے تھے اور وہاں گھنٹوں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے سورۂ والیل اور دیگر وظائف کے ورد کرتے تھے۔ تسکین روح کے جس متلاشی کی میلان طبع کا بچپن میں یہ حال ہو آگے چل کر اس نے کتنے روحانی مقامات طے نہ کئے ہوں گے۔ ان کی اسی ذوق کی تسکین کا سامان اللہ تعالیٰ نے ان کو علم لدنی سے نواز کر بہم پہنچا دیا تھا۔ جہاں خداوند قدوس کی خصوصی رحمتوں سے آپ کو عدیم المثال خطیب، بلند پایہ محقق عظیم عالم دین اور جلیل القدر طبیب ہونے کا شرف و امتیاز بخشا گیا وہاں آپ تصوف و روحانیت سے خصوصی شغف کی بناء پر راہِ سلوک کی مسافتیں طے کر کے اعلیٰ مقامات پر فائز نظر آتے ہیں۔

روحانی تربیت

آپ نے برصغیر میں فقیہ اعظم مولانا محمد یوسف سیالکوٹی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد محدث لائل پوری اور حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ سے دینی و روحانی علوم کی تربیت پائی۔ علاوہ ازیں لکھنؤ، حیدر آباد دکن، دہلی کے جلیل القادر

علماء سے اکتساب فیض کیا۔ بیرون ملک مدینہ طیبہ، دمشق اور بغداد شریف کے مقتدر علماء کے زیرِ تربیت دینی و روحانی علم کا سرمایہ اکٹھا کیا۔ بالخصوص شیخ محمد المکی الکتانی رئیس رابطہ علمائے شام سے حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ کی فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کا درس سبقاً لیا۔ آپ کبھی مزارات اولیاء کی زیارت کے لئے سرہند شریف تشریف لے جاتے، کبھی اجمیر شریف اور کبھی دلی کے اکابر اولیاء و صوفیا عظام کے مزارات پر حاضری دے کر روحانی سکون حاصل کرتے۔ آپ کو اگر پتہ چلتا کہ فلاں جگہ کوئی مجذوب سکونت پذیر ہے تو آپ دور دراز کا سفر طے کر کے بھی ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے۔ اولیائے کرام کی بھی ان پر بڑی توجہات تھیں۔ پاکستان میں ان کو تین اولیائے کرام سے زندگی بھر بڑی نسبت رہی۔ ایک سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ، دوسرے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ اور تیسری حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ۔ بیرون ملک حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اور خصوصی طور پر مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کے مزار اقدس سے بے پناہ فیض حاصل کیا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر تو آپ باقاعدگی سے حاضری دیتے۔ اور کئی کئی ماہ تک وہاں قیام کرتے۔ خود آقائے نامدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو ان پر نوازشات کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

بیعت

روحانی فیض کی باقاعدہ تربیت آپ نے نقیب الاشراف حضرت سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدین الگیلانی البغدادی رحمہ اللہ (جو کہ حضور پیر صاحب سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادی مدظلہ العالی کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے) کے دست حق پرست پر بیعت کر کے پائی۔

شجرہ طریقت

قطب الاقطاب غوث الثقلین حضرت سیدنا عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ

قطب الاقطاب حضرت سیدنا علی القادری الجیلانی نقیب الاشراف رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا الشیخ سلطان النقیب رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا الشیخ مصطفیٰ الگیلانی البغدادی رضی اللہ عنہ

نقیب الاشراف حضرت سیدنا الشیخ ابراہیم سیف الدین الگیلانی البغدادی رضی اللہ عنہ

فرید ملت حضرت ڈاکٹر علامہ فرید الدین قادری رحمہ اللہ

حضرت سلطان العارفین رحمہ اللہ کی خصوصی نوازشات

ڈاکٹری اور طب کی تعلیم کی تکمیل کے بعد حصول ملازمت کے لئے رُورل ہیلتھ سنٹر ڈسٹرکٹ بورڈ جھنگ میں مشتہر ایک اسامی کے لئے آپ نے درخواست دی۔ صلاحیت و استعداد کے لحاظ سے تو دیگر اُمیدواران میں سے آپ سے زیادہ اہلیت کا حامل کوئی نہ تھا۔ البتہ ایک امیدوار اس اسامی کے سیلیکشن بورڈ(Selection Board) کے سیکرٹری کا حقیقی بیٹا تھا۔ لہٰذا اس کی تقرری کا فیصلہ میرٹ کے خلاف ہونا یقینی تھا۔ لہٰذا آپ پریشانی و اضطراب کی حالت میں حضرت سلطان العارفین رحمہ اللہ کی بارگاہ پر حاضری کے لئے چلے گئے۔ دربار عالیہ پر حاضری دی۔ اسی فکر میں کہ شاید تقرری ہوتی ہے کہ نہیں، آپ کو اونگھ آگئی۔ خواب میں آپ کو حضرت سلطان العارفین رحمہ اللہ ایک خوبصورت گلشن میں ٹہلتے ہوئے نظر آئے۔ جو ٹہلتے بھی جا رہے تھے اور انگشت شہادت کھول کر فرماتے بھی جا رہے تھے کہ ''آج ہے کل نہیں، آج ہے کل نہیں'' فرید ملت رحمہ اللہ نے حضور سلطان العارفین رحمہ اللہ کی قدم بوسی کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی آنکھ کھل گئی تو آپ نے اس جملے کے متعلق سوچنا شروع کردیا کہ اس کا مطلب کیا ہوسکتا ہے۔ بہرحال وہاں نماز فجر ادا کرنے کے بعد واپس جھنگ آگئے۔ جھنگ بس سٹینڈ پر ہی انہیں ایک جنازہ جاتا دکھائی دیا جس کو سلیکشن بورڈ کے سیکرٹری صاحب نے کندھا دے رکھا تھا۔ کسی سے معلوم کیا تو پتہ چلا

کہ یہ جنازہ سیکرٹری صاحب کے اسی بیٹے کا ہے جو ان کے ساتھ امیدوار تھا۔ سلطان العارفین رحمہ اللہ کے خواب میں کہیں ہوئے جملے پر غور کیا تو بات ان کی سمجھ میں آگئی کہ مرحوم کی عمر مستعار تو اتنی ہی تھی جو ختم ہوگئی۔ حضرت کو چونکہ اس بات سے آگاہی تھی اس لئے فرمایا کہ ''آج ہے کل نہیں'' (یعنی اس دن تو وہ زندہ تھا لیکن کل اسے اس دنیائے فانی سے کوچ کرنا جانا تھا)۔ لہٰذا ملازمت کے متعلق ان کی فکر مندی اور پریشانی کے پیش نظر آپ نے انہیں پہلے ہی خواب میں مطلع کر دیا۔ اس طرح ملازمت کے حصول میں وہ کامیاب ہوگئے۔

بیداری میں زیارت

حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کی درگاہ کے اس وقت کے سجادہ نشین حضرت حاجی حبیب سلطان رحمہ اللہ سے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی بڑی گہری دوستی تھی۔ اس دوستی کا ایک سبب یہ تھا کہ حاجی صاحب کے والد گرامی حضرت امیر سلطان رحمہ اللہ بھی حضرت الشیخ سیدنا سیف الدین الگیلانی رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ اس طرح حضرت فرید ملت رحمہ اللہ ان کے والد گرامی کے پیر بھائی تھے۔ اور دوسرے حضرت حبیب سلطان رحمہ اللہ کو حضرت الشیخ جمال الدین الگیلانی البغدادی رحمہ اللہ جو کہ حضور پیر صاحب رحمہ اللہ کے سب سے بڑے بھائی تھے سے بیعت وخلافت کا اعزاز ملا ہوا تھا۔ حضرت فرید ملت اوائل عمر ہی سے یہاں اکثر آکر چالیس چالیس دن چلہ کشی کرتے۔ اور انہی گہرے دوستانہ مراسم کے سبب سجادہ نشین کی طرف سے آپ کو قیام کے لئے ایک حویلی ملی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ وہاں قیام کے دوران رات ڈیڑھ بجے تک حضرت حاجی حبیب سلطان رحمہ اللہ آپ کے پاس بیٹھے رہے۔ چاندنی راتیں تھیں، حضرت فرید ملت رحمہ اللہ حاجی صاحب رحمہ اللہ کے چلے جانے کے بعد اُٹھ کر اندر چلے گئے ،تاکہ تھکن دور کرنے کے لئے کچھ دیر آرام کر لیں۔ اور بعد ازاں تہجد کے لئے اُٹھ جائیں۔ لیٹنے کے بعد نیند نے غلبہ کرلیا۔ قریب تھا کہ نماز تہجد کا وقت گذر جاتا۔ سلطان العارفین خواب میں تشریف لائے اور بڑی شفقت آمیز اور پر تمکنت آواز میں ہاتھ سے ہلا کر اُٹھایا اور فرمایا فرید الدین رحمہ اللہ اُٹھو۔ نماز تہجد کا وقت

قضا نہ ہو جائے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اُٹھے اور دیکھا کہ کوئی لمبی قمیص میں ملبوس لمبی لمبی زلفوں والی شخصیت چارپائی سے مڑکر باہر کی طرف جا رہی ہے۔ آپ نے اس شخصیت کی زیارت کی چاندنی رات تھی۔ صحن کافی بڑا تھا آپ بھی ان کے پیچھے چل دیئے۔ پیچھے سے آواز دینا سوئے ادب سمجھا مگر آپ نے سوچا کہ تھوڑے ہی فاصلے پر تو ہیں ابھی چل کر مصافحہ کر لیتا ہوں۔ وہ ان کے سامنے گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہوگئے۔ حضرت فریدِ رحمہ اللہ ملت بھی دروازہ کھولنے کے لئے ڈیوڑھی میں داخل ہوئے مگر دروازہ بدستور بند رہا۔ یہ حضرت سلطان العارفین رحمہ اللہ تھے جو اس طرح عالم بیداری میں آکر نماز تہجد کے لئے آپ کو اُٹھا کر فیوض و برکات عطا فرما گئے تھے۔

دمشق اور مدینہ منورہ میں ایک ابدال سے ملاقات اور عربی میں سوال و جواب

۱۹۶۲ء میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ زیارات کی غرض سے دمشق تشریف لے گئے ۔اور وہاں ہر نماز کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضری دیتے۔ ایک روز نماز ظہر پڑھ کر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ملک شام میں ہر وقت چالیس ابدال رہتے ہیں، کتنا اچھا ہو کہ کسی سے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے۔ چنانچہ نماز کے بعد دعا مانگی کہ اے باری تعالیٰ ''اپنا خاص لطف و کرم فرماتے ہوئے آج کسی ایک ابدال سے ملاقات ہی کرا دے'' دعا مانگنے کے بعد وہاں سے چلے گئے اور پھر دوبارہ نماز عصر پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ ادائیگی نماز کے بعد سیدنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضری دے کر سلام عرض کر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ یا دکتور ۔ (ڈاکٹر صاحب السلام علیکم) انہوں نے مڑکر پیچھے دیکھا تو ان کے سامنے ایک جوان آدمی کھڑا تھا۔ کالی سیاہ داڑھی نورانی چہرہ ۳۲ سال کی عمر۔ آپ کے پیچھے مڑکر دیکھتے ہی انہوں نے فرمایا ''اِسمک فرید الدین'' (آپ کا

نام فرید الدین ہے) ''أنت منَ الباکستان'' (آپ پاکستان سے ہیں) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ سوالات کا جواب دیتے گئے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ انہیں پہچانا کیسے ہے؟ اس پر سراپا متانت اس جوان رعنا نے فرمایا ''یا دکتور ماتعارفنی'' (ڈاکٹر صاحب۔ آپ نے مجھے نہیں پہچانا) جب حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے نہیں پہچانا تو اس خوبصورت دلکش اور جاہ وجلال والی شخصیت نے کہا۔ ''أنا قصدکَ دعاؤکَ'' (جو آپ نے ارادہ کیا تھا میں آپ کی دعا ہوں) یہ سن کر حضرت فرید ملت رحمہ اللہ سنبھل گئے۔ اور پھر ان کے ساتھ چند رازدارانہ باتیں ہوئیں۔ ایک خاص معاملے میں درس لیا دوبارہ ملاقات کے متعلق استفسار کیا تو جواب ملا کہ ملاقات ضرور ہوگی مگر مدینہ طیبہ رمضان شریف میں تراویح کے دوران۔ اور پھر واقعی جب حضرت فرید ملت رحمہ اللہ مدینہ طیبہ آقائے نامدار ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری کے لئے تشریف لے گئے، تو ایک شب تراویح کے بعد آخری دو نوافل پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد غیر ارادی طور پر پچھلی صف کی طرف دیکھا، تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں وہی دمشق کی جامعہ مسجد اموی والی نورانی شخصیت مشغول نماز کھڑی تھی۔

حضرت خضر علیہ السلام سے عالم بیداری میں ملاقات

اوائل عمر ہی سے جبکہ آپ کی عمر ۹، ۱۰ سال کی تھی آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا شوق پیدا ہوگیا۔ اس کے لئے آپ دریائے چناب کے کنارے جا کر اوراد و وظائف اور سورۂ مزمل کی تلاوت کیا کرتے۔ ظاہر ہے ملاقاتوں کا شرف بھی ضرور حاصل ہوتا ہوگا۔ ان ملاقاتوں میں سے ایک ملاقات کا نظارہ کرنے کا شرف حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے ایک دیرینہ دوست پرنسپل ڈاکٹر احسان قریشی صابری کو بھی حاصل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''ایک دفعہ میرا بھی ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے ہمراہ دریائے چناب کے کنارے جانا ہوا۔ وہاں پہنچ کر مجھے آپ نے ایک جگہ رکنے کے لئے کہا اور خود دریا کے کنارے کنارے ایک طرف کو چلتے گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک حسین وجمیل نوجوان دریا

سے باہر نکل کر آیا اور تھوڑی دیر آپ سے ہمکلام رہا۔ ان کے اس باہمی گفتگو کرنے کے منظر کو میں دور سے دیکھتا رہا اور کچھ دیر بعد حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ واپس میرے پاس آ گئے اور حضرت خضر علیہ السلام دریا میں واپس تشریف لے گئے۔''

حضور ﷺ کی زیارت اور لیلۃ القدر کی خوشخبری

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ رمضان شریف میں مدینہ طیبہ حاضری کی سعادت حاصل کرنے کے بعد روضۂ انور پر معتکف تھے۔ پچیسویں شب رمضان المبارک آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لے آئے اور فرمایا ''فرید الدین اُٹھو آج لیلۃ القدر ہے۔ اور بارہ بجکر پچاس منٹ پر قبولیت کی گھڑی ہے۔ آپ فوراً اُٹھ بیٹھے اور اپنے قریب ہی لیٹے ہوئے ایک شخص کے پاس گئے اور اسے جگاتے ہوئے کہا اُٹھو آج لیلۃ القدر ہے۔ حضور ﷺ نے خوش خبری دی ہے کہ وہ شخص ان کی طرف متوجہ ہو کر بولا ہاں آج لیلۃ القدر ہے۔ اور وقت بارہ بج کر پچاس منٹ ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے متحیر ہو کر پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کیسے ہوئی؟ وہ بولے کہ میں بھی حضور ﷺ کا مہمان ہوں جس طرح آپ کو آقائے نامدار ﷺ نے اس مبارک گھڑی کی بشارت دی ہے۔ جاتے ہوئے حضور ﷺ مجھ پر بھی کرم فرما گئے۔

قائد انقلاب کی ولادت کے لئے دعا

۱۹۴۸ء میں جب آپ کو پہلی دفعہ حرم کعبہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو وہاں رات کے پچھلے پہر طوافِ کعبہ کے بعد مقام ملتزم پر غلام کعبہ کو تھامتے ہوئے آنسوؤں کی برسات میں دل کی تمنا زبان سے دعا بن کر نکلنے لگی ''باری تعالیٰ ایسا بچہ عطا کر جو تیری اور تیرے دین کی معرفت کا حامل ہو جو دنیا اور آخرت میں تیری بے پناہ عطا و رضا کا حقدار ٹھہرے اور فیضان رسالتمآب ﷺ سے بہرور ہو کر دنیائے اسلام میں ایسے علمی و فکری اور اخلاقی و روحانی انقلاب کا داعی ہو جس سے ایک عالم متمتع ہو سکے۔''

مرتبہ مستجاب الدعوات

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے ۱۹۴۸ء میں طوافِ کعبہ کے بعد مقام ملتزم پر کھڑے ہو کر غلاف کعبہ کو تھامے ہوئے جو دعا کی تھی بارگاہِ الٰہی میں مستجاب ہوئی۔ اور آپ کے ہاں ۱۹ فروری ۱۹۵۱ء بروز پیر بیٹا پیدا ہوا جو آج نابغۂ عصر بانی تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی صورت میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر پسی ہوئی ملت اسلامیہ کے درد کی آواز بن کر باطل استحصالی اور اسلام دشمن قوتوں کی سرکوبی کے لئے اپنی شبانہ روز جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ کا حکم

جب حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی دعاؤں کے ثمر آپ رحمہ اللہ کے لختِ جگر ''محمد طاہر'' کی عمر ۱۲ سال کی ہوئی تو آپ رحمہ اللہ کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا جس میں محبوب رب کائنات ﷺ نے انہیں حکم دیا ''طاہر کو ہمارے پاس لاؤ۔''

قائد انقلاب کی روحانی تربیت کا اہتمام

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ جس خزینہ معرفت سے اللہ تعالیٰ کے خصوصی لطف و کرم کے ذریعے فیضیاب ہو کر روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ آپ رحمہ اللہ کی دلی خواہش تھی کہ یہ دولت عظمٰی ان کے فرزند دلبند کو بھی نصیب ہو۔ اس لئے انہوں نے قائد انقلاب کو بچپن ہی سے باقاعدہ اور مسلسل تربیتی مراحل سے اپنی نگرانی میں گزارا۔ اپنی صحبت و تربیت کے زیر اثر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق و محبت، دین اسلام کی چاہت و رغبت روحانی اعمال و احوال کے ساتھ قلبی لگاؤ یہ تمام چیزیں بچپن ہی سے ان کے اندر راسخ کر دی تھیں۔ سن شعور سے قبل ہی آپ کو اپنے ساتھ نماز ادا کرنے کی عادت ڈالی، اوائل عمری ہی میں قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم کی تکمیل کا اہتمام کیا اور بعد ازاں اپنی

تربیت وصحبت سے رات کو اُٹھنے کی عادت بھی قابل رشک طریقے سے پیدا فرمائی۔ انہوں نے اپنی زبان مبارک سے قائد انقلاب کو رات تہجد کے لئے کبھی نہ فرمایا کہ ''تہجد کے لئے اُٹھو'' بلکہ معمول یہ تھا کہ جب خود اُٹھتے تو سردیوں کی راتوں میں سوہن حلوہ یا بسکٹ یا ایسی ہی کوئی اور چیز تیار کر کے اس کے ساتھ دودھ گرم کر کے ان کے بستر کے قریب لا کر رکھ دیتے۔ اور وضو کے لئے پانی خود اپنے ہاتھ سے گرم کر کے ان کے پاس رکھ دیتے۔ آپ رحمہ اللہ کے قدموں کی آہٹ سے خود بخود شیخ الاسلام کی آنکھ کھل جاتی تو آپ رحمہ اللہ کمال محبت وشفقت سے فرماتے ''بیٹے میں نے تمہارے وضو کے لئے پانی گرم کر کے رکھ دیا ہے۔ اور کچھ دودھ اور سوہن حلوہ ہے وضو کر کے کھا لینا۔'' اس طرح ایک احسن ترغیب سے بالواسطہ ایک مستقل عادت شب بیداری آپ کے اندر پیدا کرنے کا اہتمام فرما دیا۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف اور حضرت علامہ اقبالؒ سے ملاقات

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی اپنے فرزند ارجمند محمد طاہرالقادری کو ڈاکٹر بنانے کی بڑی تمنا تھی ان کی خواہش تھی کہ ان کے ڈاکٹر بننے کے بعد ہم بمعہ اہل وعیال مدینہ طیبہ مستقل طور پر رہائش پذیر ہو جائیں گے۔ اس زمانے میں میرٹ بہت زیادہ سخت ہوتا تھا قائد انقلاب نے ایف ایس سی کے امتحان میں ٦١٦ مارکس حاصل کئے جبکہ ایم بی بی ایس میں داخل کے آخری لڑکے کے مارکس ٦١٧ تھے۔ صرف ایک نمبر کے Margin کی صورت حال کے پیش نظر حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی قبولیت کی التجا کی مگر قائد انقلاب اس زمانہ تک محسوس کر چکے تھے کہ انہیں یہ لائن اختیار کرنے کی بجائے کچھ اور کام کرنا ہے اسی اثناء میں فرید ملت رحمہ اللہ کو خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زیارت کے شرف سے نوازا، انہوں نے خواب میں سرور کائنات ﷺ کو ایک گاڑی میں سوار دیکھا اور حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ بھی آپ ﷺ

کی خدمت میں نظر آئے حضور ﷺ نے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو بھی اپنے ساتھ سوار ہونے کا حکم دیا۔ آپ بھی بیٹھ گئے جب گاڑی چل دی تو حضور ﷺ نے فرمایا ''کہ فرید الدین پیچھے دیکھو کون ہے پچھلی سیٹ پر علامہ اقبال رحمہ اللہ بیٹھے تھے۔ جنہیں آپ نے دیکھتے ہی پہچان لیا (کیونکہ علامہ رحمہ اللہ کی زندگی میں آپ کو دو تین مرتبہ ان کی خدمت میں بیٹھنے کا موقع مل چکا تھا) اور عرض کی حضور یہ تو ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم طاہر کو ایسا ہی بنانا چاہتے ہیں۔ صبح انہوں نے یہ بشارت شیخ الاسلام کو سنا دی اور مبارک باد دیتے ہوئے کہا تمہارا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے مغالطہ تھا میں تمہارا کیریئر متعین کرنا چاہتا تھا۔ اور امر یہ ہے کہ جس بارگاہ سے میں نے تمہیں مانگا تھا تمہارے کیرئر کا فیصلہ وہاں سے ہو چکا ہے۔''

فرید ملت رحمہ اللہ کا روحانی کشف

ا۔ پہلا واقعہ: حادثے کی پیشگی خبر

''میں ۱۹۷۲ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے کا طالب علم تھا میں نے گھر خیریت کا خط لکھا اور اسے لفافے میں بند کر کے رکھ لیا کہ اولڈ کیمپس کے ڈاک خانے سے پوسٹ کردوں گا مگر وہ لفافہ میری جیب میں ہی پڑا رہا۔ اور اسے حوالہ ڈاک کرنے کی نوبت نہ آسکی۔ ہوا یہ کہ اس رات خواب میں حضور پیر صاحب رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی۔ میں باہر بیٹھا ہوا ہوں کہ کیا دیکھتا ہوں اچانک دروازہ کھلتا ہے۔ حضرت بعجلت تمام بغیر قمیض پہنے دوڑے ہوئے آتے ہیں۔ وہ مجھے تھپکی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ''اللہ آپ کی حفاظت فرمائے'' آپ یہ کلمات تین بار دہراتے ہیں کہ اتنے میں میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

دوسرے دن ہڑتال، احتجاجی مظاہروں اور غیر متوقع دگرگوں واقعات کے نتیجے میں یونیورسٹی بند ہوگئی۔ اور میں جھنگ جانے کے لئے روانہ وا۔ دوسرے مسافروں کے

ہمراہ بس میں سوار تھا۔ رات کے کوئی دس بج چکے تھے کہ جھنگ سے دس بارہ میل ادھر موچی والا کے مقام سے آگے ایک اندھا موڑ Blind Turn آتا ہے جہاں ایک گہرا کھڈ تھا۔ غالباً ان دنوں سیلاب آئے ہوئے تھے۔ اچانک اس جگہ ہماری بس کسی چیز سے ٹکرائی اور بہت بڑا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ ہمیں کچھ خبر نہ ہوئی کہ مسافروں کے ساتھ کیا بیتی، بس گہرے کھڈ میں گر کر بالکل تباہ ہوچکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی شان کہ اتنے بڑے حادثے کے باوجود ڈرائیور سمیت سب کی جانیں بچ گئیں۔ جب روشنی کی گئی تو سب کے سب مسافر صحیح سلامت تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر سب لوگ بے ساختہ پکار اُٹھے کہ ''آج کسی کے صدقے ہمیں اللہ نے بچا لیا ہے۔''

جب کوئی ڈیڑھ بجے رات میں گھر پہنچا تو ابا جی قبلہ رحمہ اللہ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی یہ سوال کیا ''خیریت تو ہے؟'' انہوں نے یہ سوال بار بار دہرایا اور میں نے پوچھا ''ابا جی قبلہ آپ کو کیا تشویش لاحق ہے؟'' فرمانے لگے کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سخت پریشان ہوں جیسے کوئی بڑا حادثہ پیش آنے والا ہے۔ اچانک میرے ہاتھ میں ایک لوح (تختی) تھما دی گئی جس پر لکھے گئے الفاظ پڑھے نہیں جاتے تھے۔ مجھے کہا گیا کہ تختی کو دھو ڈالو جونہی تختی کو دھویا گیا ساری پریشانی رفع ہو گئی اور طبیعت کو اطمینان نصیب ہوگیا۔ ان کی یہ بات سننے کے بعد میں نے ابا جی حضور کو راستہ میں پیش آنے والے اپنے حادثے کے بارے میں تمام تفصیل بتا دی۔''

۲۔ دوسرا واقعہ: والدہ محترم کے انتقال کی خبر

''ابا جی قبلہ رحمہ اللہ نے اس بات کا کئی بار مجھ سے ذکر کیا۔ خود مجھ سے بالمشافہ اور والدہ مرحومہ سے بھی وہ یہ کہ بیٹا آپ ایف ایس سی کا امتحان دے چکے ہوں گے اور ابھی آپ کا نتیجہ نہیں آئے گا کہ گھر کا سورج غروب ہو جائے گا۔ کئی بار پوچھا کہ ابا جان اس کا کیا مطلب ہے لیکن وہ خاموش ہو جاتے۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ میرا ایف ایس سی کا امتحان ختم ہوگیا اور ابھی رزلٹ کا انتظار تھا کہ والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ ان کی وفات

کے بعد وہ حقیقت مجھ پر خود بخود منکشف ہوگئی۔ جو والد گرامی رحمہ اللہ کئی بار اشاروں، کنائیوں میں پہلے ہی مجھے بتا چکے تھے۔ یہ بات یاد رہے کہ والدہ مرحومہ کا نام خورشید بیگم تھا اور عربی زبان میں خورشید سورج کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔‘‘

۳۔ تیسرا واقعہ: خواب کی تعبیر

یہ ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے میں ان دنوں پنجاب یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا بنگلہ دیش کے سلسلے میں غالباً کوئی احتجاجی مظاہرہ ہوا تھا جس کے بعد یونیورسٹی بند کر دی گئی اور میں جھنگ آ گیا۔ نو اور دس جون کی درمیانی رات تھی میں ابا جی قبلہ کی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ابا جان لیٹے ہوئے تھے اور ان کا جسم تھکن سے بوجھل تھا۔ ان کا عام معمول یہ تھا کہ تقاضے کے باوجود مجھ سے جسم نہیں دبواتے تھے اور یہ خدمت میرے چھوٹے بھوئی جاوید سے لیتے تھے۔ لیکن اس رات انہوں نے مجھے دبانے کی اجازت دے دی۔ جب گھر کے سارے افراد سو گئے تو انہوں نے مجھ سے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر میں ایک سفید گھوڑا بندھا ہوا ہے جسے میں نے بڑے پیار سے بچپن سے پالا تھا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ کہیں سے دو آدمی ظاہر ہوئے اور گھوڑے کو لے کر مغرب کی جانب ہوا میں اُڑ گئے۔ میں نے خواب میں یہ ماجرا اپنے دادا جان سے بیان کیا تو فرمانے لگے۔ ’’فرید الدین دیکھو پیچھے کیا چھوڑ گئے ہیں‘‘ جب میں نے پیچھے دیکھا تو چارپائی پر ایک میت لیٹی ہوئی پائی۔ میری نگاہ اس میت کے دائیں ہاتھ پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا دائیاں ہاتھ کچھ پکڑنے کی حالت میں بند ہے میں یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوگیا اور اس کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی‘‘ یہ خواب بیان کر کے قبلہ والد صاحب مجھ سے فرمانے لگے ’’بیٹا اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ میں نے عرض کیا ’’خواب بڑا واضح ہے کہ گھوڑے سے مراد وہ مرد ہے جسے آپ نے بڑی محبت سے بچپن سے لے کر جوانی تک پالا ہے یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن دائیں ہاتھ کا اس طرح بند ہونا چہ معنی دارد؟‘‘ یہ میں نہیں سمجھ سکا۔‘‘

اگلے دن صبح دروازے پر دستک ہوئی باہر جا کر دیکھا تو ڈسکے سے کوئی پولیس کا انسپکٹر اطلاع دینے آیا تھا کہ آپ کے چچا جان کا انتقال ہوگیا ہے میں نے پوچھا کیسے تو وہ کہنے لگا ''دفتر میں ان کو دل کا دورہ پڑا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی'' جب ہم وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ جب میت کو ٹرک سے اُتارا گیا اور کپڑا ہٹایا گیا تو ان کے دائیں ہاتھ کی مٹھی اسی طرح بند تھی جس طرح خواب میں دیکھا گیا تھا۔

تفصیلات دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چچا جان ان دنوں ڈسکہ ریلیف کیمپ میں تعینات تھے، شکر گڑھ سے جو لوگ ریلیف کیمپ میں آئے تھے وہ انہیں پیسوں کی ادائیگی اپنے ہاتھ سے کرتے تھے اور رجسٹر پر اپنے ہاتھ سے نام لکھ کر انگوٹھا لگواتے تھے۔ وہ اس وقت کسی کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھا لگوا رہے تھے کہ اسی حالت میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ واضح رہے کہ والد صاحب قبلہ نے خواب ۸ جون کو دیکھا تھا اور ۹ جون کو مجھے بیان کر دیا تھا جبکہ چچا جان کی موت دس جون کو ہوئی۔ یہ رویت صادقہ اور قبل از وقت کشف کا معاملہ تھا اور یہ کوئی اتنی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اولیاء وصلحاء پر کشف کی صورت میں مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات منکشف ہوجایا کرتے ہیں۔

شب بیداری کا معمول

آپ رحمہ اللہ راتوں کو اُٹھ کر اپنے مولا کے حضور گریہ و زاری کرتے اور رو رو کر دعائیں مانگتے۔ خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہ صمدیت میں سلسلہ آہ و فغاں جاری رہتا۔ قائد انقلاب اپنی پانچ سال عمر یعنی سن شعور سے قبل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''جب میں چھوٹا تھا تو رات کو اچانک آنکھ کھلنے پر میں دیکھتا کہ والد گرامی رحمہ اللہ نصف شب کے بعد مصلیٰ پر عبادت میں مشغول ہیں اور زار و قطار روتے چلے جا رہے ہیں۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے کہ میں اپنی والدہ ماجدہ سے اس وقت پوچھتا تھا کہ ابا جان کیوں رو رہے ہیں وہ مجھے فرماتیں بیٹا! یہ عبادت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رو کر اپنی التجائیں کرتے ہیں۔''

اوراد و وظائف اور معمولات

آپ رحمہ اللہ شب زندہ دار تھے۔ رات کو بہت تھوڑی دیر کے لئے سوتے اور نصف شب کے بعد نماز فجر سے بہت پہلے بیدار ہو جاتے۔ پھر تہجد سے لے کر نماز اشراق اور نماز چاشت تک مسلسل مصلیٰ پر چھ سات گھنٹے اللہ کی عبادت میں گزرتے۔ ان کا معمول تھا کبھی کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر قصیدہ بردہ شریف کے ۱۶۲ شعار ہر رات دست بستہ ہو کر اور مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہو کر ایک خاص لے میں مخصوص ترنم کے ساتھ پڑھتے۔ حضور سیدنا غوث الاعظمؓ کی طرف متوجہ ہو کر قصیدہ غوثیہ شریف کا ورد کرتے۔

حیاتِ مستعار کا آخری دور

صاحبان عرفان ہر وقت خاموش اور پُرسکون لبوں سے فریضۂ دائمی میں مستغرق رہتے ہیں۔ واصلان حق ہر وقت بارگاہ صمدیت میں حاضر اور رب کائنات کے حج میں مصروف ومشغول رہتے ہیں۔ اس عالم کیف و سرور میں انہیں سوائے اپنے مولا کے کسی کا وہم و خیال تک نہیں رہتا۔ اور ہمہ وقت ان پر عجیب طرح کی معصومیت جلوہ گر رہتی ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری دور میں جو تادم وصال رہا ان پر یہی کیفیت طاری رہی۔ ان کی زندگی کا یہ دور سراسر روحانی دور تھا جس میں صوفیانہ ذوق عروج پر تھا۔ اس دور میں آپ پر عشق و مستی درد و سوز اور گریہ وزاری کی کثرت انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ ان کی یہ حالت سراسر عشق مصطفیٰ ﷺ میں مکمل محویت کی عکاس تھی۔ اس دور میں مطالعہ کا ذوق جو سالہا سال پر محیط تھا آپ نے سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ یہ قرآن و حدیث کے علاوہ صرف ایک کتاب ان کی رفیق رہ گئی اور وہ تھی مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ جسے رات گئے تک آپ رحمہ اللہ اپنے ایک مخصوص مترنم انداز میں پڑھتے رہتے۔ اور ساتھ ہی ہچکیاں لے کے روتے جاتے۔ رات کو مقرر وقت پر مثنوی شریف پڑھتے اوراد و وظائف کرنے کے بعد مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے اور مسلسل چھ سات گھنٹے اسی پر گذار دیتے۔

ہم عصر اہل اللہ کے دل میں آپ کا احترام

جھنگ میں صالح محمد نامی ایک اہل قلب ونظر بزرگ تھے۔ جو سو سال تک پرانی عیدگاہ جھنگ میں امامت کراتے رہے۔ خود اپنے ہاتھ سے عیدگاہ کی جاروب کشی کرنا ان کا معمول تھا۔ یہاں جھاڑو دینے کے دوران ہی ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم بیداری میں انہیں شرف زیارت بخشا۔ حضرت صالح محمد رحمہ اللہ کو ملائکہ کی بھی زیارت ہوتی تھی۔ اور روحانیت کے بڑے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ ان کے ایک شیخ نے جو مجذوب تھے انہیں بڑے کٹھن مجاہدوں میں سے گزارا تھا۔ ان کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ جب بھی حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو گلی سے گزرتا دیکھتے ہاتھ باندھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاتے۔ مبادا انہیں پشت نہ ہو جائے۔ آپ کے وہاں سے گذر جانے کے بعد وہاں سے چل پڑتے ایسا کرنے کی وجہ یہ بتاتے کہ (اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت اونچے درجات عطا کر رکھے ہیں۔ ہم ان کو بڑے بڑے اولیاء اللہ کی مجالس میں دیکھتے ہیں۔ بڑی بڑی کچہریوں میں یہ حاضر ہوتے ہیں مگر کچھ حکمتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ان کے درجات کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا ان کی شہرت کا اظہار فرما دے گا)۔

آخری ایام

آخری آیام میں آپ کا شب بیداری کا معمول بڑھ گیا تو نوافل کثرت سے پڑھنے لگے گریہ زاری میں اضافہ ہوگیا۔ کافی کافی دیر تک رقت طاری رہنے لگی۔ رمضان شریف کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ تراویح میں قرآن پاک کی تلاوت جاری تھی کہ دل کا دورہ پڑا اس علالت کے نتیجے میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ آخری لمحات میں سر اقدس قائد انقلاب کی گود میں تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آخری وصیتیں

وصال مبارک کے وقت آپ نے جو وصیتیں فرمائیں ان میں سے کچھ خصوصی طور پر قائد انقلاب سے متعلقہ تھیں جن کا پتہ نہیں چل سکا البتہ ان میں سے ایک جو معلوم ہوسکی اس میں آپ رحمہ اللہ نے قائد انقلاب کو فرمایا ’’بیٹے، زندگی میں ہر حال میں صدقہ ضرورت کرتے رہنا، پاس کچھ ہو یا نہ ہو صدقہ ضرور کرتے رہنا یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی پسندیدہ ترین سنتوں میں سے ہے۔‘‘

کیفیات بعد از وصال

محمد اقبال منہاس جو بہت عرصہ ریلوے میں مجسٹریٹ رہے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں ان کے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے، کشف قبور کے عامل ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کے وصال پر تعزیت کے لئے آئے اور وہاں پر موجود ہزاروں افراد کی موجودگی میں جن برزخی حالات کا وہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی قبر مبارک پر مشاہدہ کر چکے تھے۔ وہ مشاہدات انہوں نے رو رو کر بیان کرتے ہوئے کہا ’’میں نے ایک بہت ہی وسیع و عریض اور عالیشان میدان دیکھا ہے جس میں حد نگاہ تک درخت ہی درخت ہیں۔ اور ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اعلیٰ مدارج اور بلند مقامات عطا کر رکھے ہیں جو جلیل القدر اولیاء اللہ عظیم المرتبت فقراء اور بڑے بڑے عشاق کو نصیب ہوتے ہیں۔‘‘

بعد از وصال قائد انقلاب کو شرف زیارت اور ہدایت و رہنمائی

۱۔ فرید ملت رحمہ اللہ کے وصال کے دس روز بعد قائد انقلاب کو خواب میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے والد گرامی سے تین سوالات کئے ’’جنازے کے بعد جب ہم نے آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت کی تو آپ مسکرا رہے تھے مسکراہٹ کا

سبب کیا تھا؟

۲۔ وصال کے دس روز بعد آج آپ سے شرف ملاقات نصیب ہوا دس روز تک ملاقات نہ ہوسکنے کی کیا وجہ تھی؟

۳۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ حدیث پاک میں مذکور ہے کہ قبر میں نکیرین میت سے آکر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تو آپ فرمائیں کہ آپ نے کیا جواب دیا اور وہ معاملہ کیسے ہوا۔''

ان تینوں سوالات کے جواب میں آپ نے فرمایا

۱۔ ''مسکراہٹ کا سبب یہ تھا کہ جنازہ کے فوراً ہی بعد میری عالم بالا کی سیر شروع ہوگئی تھی۔ اس وقت تمام پردے اُٹھا دیئے گئے، عالم آخرت اور عالم عقبٰی کے مقامات، باغات جنت اور علیّین کی اعلیٰ سیرگاہیں اللہ پاک نے مجھے دکھانا شروع کر دی تھیں ان خصوصی انعامات کو دیکھ کر میں ہنس اور مسکرا رہا تھا۔

۲۔ ''دس روز تک نہ ملنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے دس روز تک ہی عالم کی سیر کرائی جاتی رہی ۔ آج ہی اس سے فارغ ہوا ہوں اور ملنے کے لئے آگیا ہوں۔''

۳۔ ''تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا بیٹے، جب نکیرین سوال کے لئے میری قبر پر آئے تو میں اس وقت نماز عصر پڑھ رہا تھا۔ مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو واپس چلے گئے اور مڑ کر نہیں آئے۔''

قائد انقلاب کی اہلیہ محترمہ اختناق الرحم کی مرض میں مبتلا ہوگئیں ۔گھر کا سارا سکون برباد ہوگیا۔ چھ سات ماہ تک مسلسل ہر قسم کا ایلوپیتھک، ہومیو پیتھک اور حکیموں کا بہترین سے بہترین علاج کروانے کے باوجود صحت یاب نہ ہوئیں۔ بڑی پریشانی لاحق

ہوگئی۔فکر و اندوہ کے اسی عالم میں ایک شب خواب میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے قائد انقلاب کو شرف زیارت بخشا اور خواب ہی میں انہیں اپنے قلمی مخطوطہ موسوم بہ ''تفرید الفرید'' جو گھر میں موجود تھا، لانے کے لئے کہا اور اس کے خاص صفحات پر تحریر شدہ نسخہ استعمال کرانے کی ہدایت فرمائی اور باقی تمام ادویات ترک کر دینے کا حکم دیا۔ اس نسخہ کے استعمال سے دو تین ماہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محترمہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگئیں۔آج طویل عرصہ بیت جانے کے باوجود دوبارہ تکلیف نہیں ہوئی۔ وہ نسخہ جب حکیم مہر محمد شفیق افضل جو کہ جھنگ کے معروف اور کامیاب معالج تھے کو دکھایا گیا تو یہ واقعہ سن کر اور نسخہ دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑ گئے۔ اور کہا کہ اس مرض میں یہ نسخہ اپنی تخلیق کا شاہکار ہے انہوں نے آئندہ اس مرض کے تمام مریضوں کو یہی نسخہ استعمال کرانا شروع کر دیا۔

اسی طرح قائد انقلاب کی ہمشیرہ محترمہ مسرت جبیں کا دماغی توازن مختل ہوگیا۔ گھر میں ڈاکٹر محمد احسن ایم ایس جھنگ کے زیر علاج رہیں۔ دیگر ڈاکٹروں اور معالجین سے بھرپور علاج کروایا، تمام ڈاکٹروں نے مرض کو لاعلاج قرار دیا۔ لاہور کے دماغی امراض کے ہسپتال سے بھی علاج کروایا، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا ،ساری رات اسے پکڑ کر گذارتے ،وہ چیختیں اور اُٹھ اُٹھ کر بھاگتیں ،موصوفہ مسلسل ایک سال ناقابل بیان کرب و اذیت میں مبتلا رہیں۔ ان کی اس مرض نے گھر کا سکون برباد کر دیا۔ جب پریشانی انتہاء کو پہنچ گئی تو حضرت شیخ الاسلام کوخواب میں والد گرامی حضرت فرید الدین رحمہ اللہ تشریف لائے اور انہیں ہومیو پیتھک میڈیسن کالی فاس، ایکس ٦ جو کسی جرمنی فرم کی تیارشدہ تھی استعمال کرانے کے لئے کہا۔صبح اُٹھ کر قائد انقلاب نے وہ نام نوٹ کر لیا اور جھنگ کے ایک معالج ڈاکٹر خالد اکبر حیات صاحب (جو کہ رانا جاوید مجید القادری کے ہم زلف ہیں) سے اس نسخہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے فیصل آباد کی ایک فارمیسی کا پتہ بتایا۔ جہاں سے وہ دوائی مل گئی ۔اور بفضلہٖ تعالیٰ دو تین کورس سے انہیں مکمل صحت یابی ہوگئی اور پھر دوبارہ کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کی شانِ توکل و اِستغناء

(شیخ الحدیث مولانا محمد معراج الاسلام)

توکل، مردِ راہ داں اور سالک راہ طریقت کے قلب و روح میں پیدا شدہ اس نورانی حالت کو کہتے ہیں جو الطافِ خداوندی اور قدرت کاملہ کی فوری نصرت اور بھرپور امداد پر کامل یقین و اعتماد کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ بندے کو یقین ہوتا ہے کہ دنیا تو زیر و زبر ہوسکتی ہے مگر اللہ کی رحمت نے جو وعدہ کیا ہے اس میں تخلف نہیں ہوسکتا، جونہی کوئی ضرورت پیش آئی اور حالت متقاضی ہوئی تو اس کی امداد اُمڈ کر آئے گی اور محبوب بندے کو اپنی آغوش عاطفت میں لے لے گی اور اسے رسوا و نادم نہیں ہونے دے گی۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ پر ایک بھرپور نظر ڈالیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ مرددرویش صرف طبیب جسمانی ہی نہ تھے بلکہ طبیب روحانی بھی تھے۔ اور راہِ سلوک میں باطنی طور پر باقاعدہ ان کی تربیت کی گئی تھی اور انہیں ایک متوکل طبیب روحانی بھی بنا دیا گیا تھا۔ چونکہ صاحب نسبت اور راہ رو منزل خاص تھے۔ اس لئے اِس راہ کے پیچ وخم سے آگاہ کرنے اور اس سے کامیابی کے ساتھ گزارنے کے لئے قدم قدم پر ان کی دستگیری کی جاتی تھی۔ اور روحانی فیوض و برکات سے مالا مال کر کے اگلے مراحل کے قابل بنایا جاتا تھا۔ یہ شہباز پوری قوت کے ساتھ قدسی فضاؤں میں پرواز کے قابل ہوجائے، اور تربیت کے مراحل میں کوئی ایسی خامی نہ رہ جائے جو بعد میں پریشانی کا باعث ہو۔

دستِ غیب

چنانچہ دیگر حقائق کے ساتھ توکل کے بارے میں خصوصی طور پر آپ کی تربیت اور رہنمائی کی گئی تھی۔ اور اس سلسلے میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا باطنی فیض بطور خاص دستگیر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ طبی پریکٹس کے ابتدائی دنوں میں فکر معاش سے آزاد کرنے کے لئے ایک مجذوب نے دست غیب کا ایک وظیفہ بتایا، جس سے روزانہ پانچ روپے ملتے تھے تو اس حالت کو شان توکل کے خلاف سمجھتے ہوئے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمادیا۔ اور اس وظیفہ پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ گویا اشارہ کر دیا کہ پانچ روپے پر فائز رہنا تمہاری عظمت اور ہمت کے منافی ہے بلکہ نظر اس مالک اور اس کے کرم پر ہونا ضروری ہے، جو شان کن فیکون رکھتا ہے۔

اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ درخشاں اور پر نور مستقبل کروڑہا روپے کے عظیم الشان اور فقید المثال منصوبوں کے ساتھ اپنے کشادہ بازو پھیلائے کھڑا ہے، اگر آج اِن پانچ روپوں پر تکیہ کئے بیٹھے رہے تو ان کا کیا بنے گا؟ اس لئے اس کریم کے کرم پر بھروسہ کرنا سیکھو جس کے خزانے لازوال اور نوازنے کے انداز بے مثال ہیں۔اور مرید باصفا کی نیازمندی یہ ہے کہ اس نے بے چون و چرا یہ حکم تسلیم کر لیا اور وہ وظیفہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کاروباری زندگی میں ہر جگہ کامیابیوں نے قدم چومنا شروع کر دیئے۔ جونہی کوئی ضرورت پیش آتی، غیب سے اس کی تکمیل کا سامان ہو جاتا، اس صورت حال نے طبیعت میں توکل کی شان پیدا کر دی۔ اور پھر ملکہ راسخہ بن گئی، جس کا اثر یہ ہوا کہ انتہائی نامساعد حالات میں بھی کسی بات پر نہ گھبراتے، دیکھنے والے پریشانی بے کلی، اضطراب اور افسردگی کا شکار ہوتے۔ مگر آپ تسلی دیتے کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں سب کچھ توقع کے مطابق ٹھیک ہو جائے گا۔ اور پھر سب احباب دنگ رہ جاتے۔ جب دیکھتے کہ تمام مشکلات دور ہوگئی ہیں اور آپ کے فرمان کے مطابق جانکاہ غموں کی جگہ سچی خوشیوں نے لے لی ہے۔طبع ہمایوں میں راسخ اس شان توکل نے آپ کو طبیب جسمانی کے ساتھ

طبیب روحانی بھی بنا دیا تھا۔ چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

متوکل طبیب روحانی و جسمانی

ابتدائی دنوں کی بات ہے کہ جبکہ سارا کاروبار ہی توکل پر چل رہا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں اہل و عیال سمیت سفر حج کا ارادہ فرمایا، ان کے چھوٹے بھائی بھی ساتھ ہی تھے، ان سے پانچ سو روپیہ بطور قرض لیا اور وعدہ فرمایا کہ انشاء اللہ جلد ہی ادا کردوں گا۔

فرمایا کرتے تھے، ہم غلام تو اپنے آقا کے مہمان ہیں، سخی میزبان کی نگاہ کرم سے اس کے مہمان نہیں ہوتے۔ وہ خود ہماری رکھوالی اور ضیافت و دستگیری فرمائیں گے۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران معاشی حالات کچھ دگرگوں ہوئے تو ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ نے کمال ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے زیوارات اُتار کر رکھ دیئے اور تجویز پیش کی کہ انہیں فروخت کر کے کچھ دانے پانی کا انتظام کرلیا جائے۔

آپ نے پیشکش کو سراہا مگر یہ کہہ کر تجویز مسترد کر دی کہ جن کے ہاں مہمان ہیں کیا وہ ہمیں زیوارات بیچنے دیں گے؟ یہ ان کی شان توکل کی معراج تھی، اس حالت میں ایسی بات اس شخص کے منہ سے نکل سکتی تھی جس کا یقین غیر متزلزل اور توکل ناقابل تسخیر ہو۔

چنانچہ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور اسی لمحہ حالات سازگار ہونے کے انتظامات ہوگئے۔ دروازے پر دستک ہوئی اور کسی نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا پتہ پوچھا، آپ باہر تشریف لے گئے نو وارد نے کہا، ایک مریض کی حالت نازک ہے آپ چل کر اسے دیکھ لیں، ہم آپ کے بے حد احسان مند ہوں گے کیونکہ کوئی دوا کارگر نہیں ہو رہی۔ آپ تشریف لے گئے اور پھر بڑی دیر بعد واپس آئے گھر والے یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ضرورت کی تمام چیزیں آپ کے ساتھ تھیں۔ مسکرا کر بتایا وہاں کچھ اور مریض بھی آگئے تھے اس طرح اللہ پاک نے غیب سے روزی کا سامان کر دیا ہے اب چند روز گزر جائیں گے۔

اسی جگہ قیام کے دوران چند دنوں بعد پھر ویسے ہی حالات پیدا ہوگئے حضرت شیخ الاسلام ان دنوں بالکل بچے تھے۔ والدہ ماجدہ نے انہیں بھیجا کہ ابا جان کے پاس جا کر کچھ رقم لے آؤ ضرورت ہے۔صبح آپ نے والد ماجد سے مطالبہ کیا تو وہ حسب معمول مسکرائے، جیسے کہہ رہے ہوں بیٹے فکر کیوں کرتے ہو ابھی سامان ہو جاتا ہے اور پھر وہی ہوا۔

اسی لمحے ایک شخص آیا اور پیغام دیا کہ آپ کو حضرت خواجہ غلام محی الدین بابو جی قدس سرہٗ سجادہ نشین آستانہ عالیہ گولڑہ شریف یاد فرما رہے ہیں۔آپ اسی وقت تشریف لے گئے۔حضرت بابو جی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے تکلیف تھی اس لئے نہ آسکا اُمید ہے آپ محسوس نہ فرمائیں گے، بات یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بے شمار عقیدت مند یہاں قیام پذیر ہیں۔نسبت کے حوالے سے ہمیں ان کی خبر گیری کرنا پڑتی ہے۔ ایک شخص بہت ہی بیمار ہے۔ آپ تشرے لے جا کر اسے دیکھ لیں اور دوا تجویز فرمادیں، بڑی مہربانی ہوگی۔

جب حضرت ڈاکٹر صاحب یہ فریضہ انجام دے چکے تو پھر حضرت بابو جی رحمہ اللہ کے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے کچھ رقم پیش کی تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور عرض کی ہر جگہ تو فیس نہیں لی جاتی۔مگر حضرت بابو جی رحمہ اللہ نے بہت اصرار فرمایا اور کچھ رقم دے دی۔ یہ تقریباً چار صد ریال تھے۔جس سے چند روز گزارنے کی پھر ایک متوکلانہ صورت پیدا ہوگئی۔ جب فریضہ حج ادا ہو چکا اور واپسی کا وقت آیا تو صرف دس روپے پاس تھے۔مگر چنداں فکر لاحق نہ ہوئی۔ کیونکہ حج کے دوران جہاز کی انتظامیہ کھانا دیتی تھی۔ اس لئے سوچا دس روپے محفوظ رہیں گے۔ جب سامان اتارنے کا وقت آیا تو بار بردار مزدوروں کو دینے کے کام آجائیں گے۔مگر ابھی عشق کے امتحان باقی تھے، جہاز کی انتظامیہ نے اعلان کر دیا کہ جہاز ایک دن تاخیر سے روانہ ہوگا۔

اب ایک دن کا زائد خرچہ آپڑا، پھر وہی حالات تھے کہ اچانک دور سے ایک کار دکھائی دی اسی طرف آرہی تھی باہر نکل کر ایک شخص نے آپ سے تعارف کرایا اور پھر کار

میں بٹھا کر لے گیا، جب آپ واپس آئے تو نہ صرف کھانے کی اشیاء بلکہ خاصی رقم بھی ساتھ تھی، آتے ہی اپنے بھائی صاحب کا اُدھار چکایا یعنی آتے وقت جو پانچ سو روپے لئے تھے، ادا کئے اور پھر وہی رقم خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ سب پاکستان آ گئے۔

باخبر آقا ﷺ کی کرم فرمائی

ایک اُمتی کی سعادت مندی کی معراج یہ ہے کہ اسے اپنے برحق نبی ﷺ کے جمالِ جہاں آراء کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اس لئے ہر اُمتی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ یہ معراج کرے اور دولت دیدار سے مشرف ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں یہ کواہش زندگی کا مقصد بن جاتی ہے۔ اور وہ ہمہ وقت اس تصور و خیال میں رہنے لگ جاتا ہے۔

ضلع سرگودھا کی ایک بستی ''لالیاں'' میں مہر غلام محمد لالی ایک ایسا ہی خوش نصیب انسان تھا جس کی زندگی کا یہی مقصد رہ گیا تھا۔ وہ اُٹھتے بیٹھتے، چلے پھرتے اسی تصور میں منہمک رہتا تھا کہ کسی طرح قسمت کا ستارہ چمکے اور وہ خواب میں اس آفتاب جمال ﷺ کو طلوع ہوتا دیکھ لے جس کے حسن کے آگے تمام حسینوں کے رنگ ڈھنک پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ سب کچھ بھول کر اسی کی نگاہ پرور تنویروں میں کھو جاتے ہیں۔ اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو رہی تھی۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ بھی ان دنوں لالیاں ہی میں قیام پذیر تھے اور ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

چونکہ اپنے بڑے بیٹے محمد طاہر کے ساتھ انہیں غیر معمولی لگاؤ تھا، اس لئے فیصل آباد میں ایک پلاٹ ان کے لئے خریدا ہوا تھا۔ جس کی قسط کی ادائیگی باقی تھی، جو ساڑھے تین ہزار روپے بنتی تھی۔ گھر والوں نے توجہ دلائی کہ قسط کی ادائیگی کی تاریخ سر پر آ گئی ہے۔ اس کا بندوبست کریں مگر آپ نے حسب معمول مسکرا کر بات ٹال دی۔ رات تہجد

کے وقت اُٹھے اور مصروف نیاز ہوگئے۔ یہی ان کی ادائے بندگی تھی۔صبح دم کسی نے بڑے احترام سے دروازے پر دستک دی۔ جب جواب نہ ملا تو پھر دستک دی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب اُٹھے، باہر جا کر دیکھا تو مہر غلام محمد لالی مجسمہ عقیدت و محبت بنا کھڑا زار و قطار رو رہا تھا، دیکھتے ہی لپٹ گیا اور پھٹ پڑا کہ میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں، آپ نے جو کرم مجھ پر فرمایا ہے اسے زندگی بھر نہیں بھولوں گا، اور پھر ساڑھے تین ہزار روپے کی رقم آپ کے آگے ڈھیر کردی۔ ڈاکٹر صاحب حیران تھے معاملہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

غلام محمد لالی نے حیرت دور کرنے کے لئے وضاحت کی۔ ڈاکٹر صاحب آپ جانتے ہیں میری بڑی خواہش تھی کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت ہو۔مگر یہ خواہش ہنوز تشنہ تکمیل تھی۔ میں جو کوشش کرسکتا تھا وہ کی مگر کامیابی نہ ہوئی دل کی کلی نہ کھلی۔

آج وہ دیرینہ مراد برآئی میں سویا ہوا تھا کہ وہ کالی کملی والے مہربان آقا ﷺ خواب میں جلوہ آرا ہوئے۔ اور مجھے حکم فرمایا کہ فرید الدین رحمہ اللہ کو ساڑھے تین ہزار روپے کی ضرورت ہے اسے فوراً جا کر ادا کرو۔ میں وہی رقم لے کے آیا ہوں اور آپ کا شکرگزار ہوں، اگر آپ وسیلہ نہ بنتے تو مجھے یہ دولت کیسے نصیب ہوتی خدا آپ کا بھلا کرے۔

تیری خیر، تیری طلعت زیبا و دلکش تنویروں کی خیر

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ

بحیثیت سربراہِ خاندان

(مسز رفعت جبیں قادری)

ایک ایسی عظیم ہستی جن کی روحانی پاکیزگی، علمی وجاہت، فنی عظمت اور دینی خدمات سرزمین جھنگ کے لئے باعث فخر ہیں جو عالم باعمل، صاحب صفا اور عظیم عاشق رسول تھے۔ جن کی حق گوئی دشمنان دین پر بجلی بن کر گرتی جو عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار اور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ سے والہانہ عشق کے عظیم پیکر تھے۔ ان اوصاف حمیدہ سے تشکیل پانے والی شخصیت کا نام حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ہے۔ میں ان کی بھتیجی ہوں اور میری یہ خوش نصیبی ہے کہ مجھے ان کی بڑی بہو ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ میرے والد صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ اس لئے ہم سب بہن بھائی آپ کو تایا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کو بچپن ہی سے میرے ساتھ بہت محبت تھی۔ اور میرے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آخری دور میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ جبکہ پہلا دور میں نے نہیں دیکھا۔ پہلا دور ان کی جوانی کا دور تھا۔ اس میں عربی اُردو اور فارسی ادب ان پر غالب رہا۔ آپ صاحب دیوان شاعر تھے۔ اور اس زمانے کے اکثر شعراء آپ سے اصلاح لیتے تھے۔ آپ کے دیوان کا نام دیوان فرید تھا (مگر وہ طبع ہوئے بغیر ضائع ہوگیا) آپ کا دوسرا دور خالصتاً علم وفضل دعوت و تبلیغ، درس اور تدریس کا دور تھا اس دور میں آپ نے کثرت سے مطالعہ کیا۔ بڑے بڑے اکابر علماء ان کے ہمنشین تھے۔ تیسرا دور جو ان کا تادم وصال رہا وہ صوفیانہ اور روحانی دور تھا یہ عشق و مستی ،درد وسوز اور گریہ زاری کا دور تھا۔ سب کتابیں چھوٹ گئیں صرف ایک کتاب ساتھ رہی جو مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ تھی۔

مثنوی شریف رات گئے تک پڑھتے اور بار بار ہچکیاں لے کر روتے۔ زندگی کی آخری گھڑیوں میں جب آپ پر تین بار ہارٹ اٹیک ہوا اس وقت بھی آپ مصلےٰ پر تھے۔ آپ جوانی میں بڑے ذی وجاہت اور خوبصورت تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے تصنع بناوٹ نمود ونمائش اور تکلفات سے پاک زندگی بسر کی۔ آپ فقر و استغناء اور توکل وقناعت کے پیکر تھے۔ آپ نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات اور حضور ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی بسر کی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ علیہ کو بحیثیت سربراہ خاندان، جو کچھ میں نے قریب سے دیکھا سنا اور محسوس کیا ان کی زندگی کے چند گوشے اختصار کے ساتھ بیان کرتی ہوں۔

۱۔ بحیثیت سربراہِ خاندان، اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ کے عظیم پیکر

آپ ایک بہت بڑے خاندان کے سربراہ تھے۔ آپ نے اپنی روحانی، علمی، ادبی اور دینی مصروفیات کے باوجود خاندان کے متعلق تمام ذمہ داریوں کو ہمیشہ بہترین طریقہ سے انجام دیا۔ اپنے گھر والوں کا پورا پورا خیال رکھتے اور سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق جس حسن وخوبی سے اپنے فرائض انجام دیتے وہ ہم سب کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ دونوں ازواج آمنے سامنے علیحدہ علیحدہ گھروں میں رہتی تھیں۔ آپ نے سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے دونوں بیویوں سے ہمیشہ عدل و انصاف اور حسن سلوک کا معاملہ رکھا۔ ان کی معمولی سے معمولی ضروریات کا خیال اس طرح رکھا کہ دونوں بیویوں کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے آپ کو اہل خاندان کے لئے ہمیشہ حلیم الطبع اور شفقت کا پیکر پایا۔ آپ دور ونزدیک کے تمام رشتہ داروں پر شفقت فرماتے اور اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ان کی خوشی غمی میں شریک ہوتے۔

۲۔ خاندانی معاملات پر عمیق نظر

آپ کی شخصیت کا یہ وصف عظیم تھا کہ شب و روز کی مصروفیات کے باوجود اہل

خاندان کے چھوٹے بڑے تمام معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اتنی مدبرانہ سوجھ بوجھ شاذو نادر ہی کسی میں پائی جاتی ہے کہ موقع محل کے مطابق معاملات کو نبھایا جائے۔ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے جب پروفیسر صاحب کے ساتھ میری نسبت طے ہوئی۔ چونکہ میرے والدمحترم کا انتقال ہو چکا تھا۔قبلہ تایا جی رحمہ اللہ نے دعائے خیر کے لئے جھنگ صدر سے جھنگ سٹی مہمانوں کو ہمارے گھر لانا تھا۔ چنانچہ آپ نے گاڑیوں کا انتظام کیا اور مہمانوں کو لے کر ہمارے گھر روانہ ہوئے۔ جب گاڑیاں جھنگ سٹی کے بس سٹاپ پر پہنچیں تو آپ گاڑی سے اتر کر مہمانوں سے پہلے ہی ہمارے گھر تشریف لے آئے ۔ اور گھر کے دروازے پر مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جب سب مہمان پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قبلہ تایا جی رحمہ اللہ پہلے ہی وہاں ان کے استقبال کے لئے موجود ہیں۔ انہوں نے پوچھا ڈاکٹر صاحب ہم سب آپ کو بس سٹاپ پر دیکھتے رہے اور آپ ادھر پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ کچھ افسردہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ بھائی غلام محمد تو حیات نہیں ہے اور بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ اس لئے ادھر مہمانوں کا استقبال کون کرتا، اُدھر بھی آپ لوگ میرے مہمان تھے۔ اور اِدھر بھی آپ میرے ہی مہمان ہیں۔ تمام وقت میزبان کی حیثیت سے مہمانوں کی خاطر مدارت خود فرماتے رہے۔ یہ آپ کی شخصیت کی عظمت اور کمال ہے کہ ایک طرف وہ علم و تفقہ، فہم و فراست، عبادت و ریاضت، تبلیغ و خطابت، تدریس و تربیت، صوفیانہ اور روحانی مشاغل اور عالمانہ ومحققانہ زندگی کی ان اعلیٰ بلندیوں کے حامل تھے تو دوسری طرف ازدواجی عائلی اور خاندانی زندگی کے معمولی سے معمولی معاملات پر بھی اتنی گہری نظر اور بھرپور توجہ رکھتے اور ان حقوق کی ادائیگی کا شاندار عملی نمونہ پیش فرماتے۔ ان کی زندگی علمی و عملی اور سماجی و عائلی اُمور کی بیک وقت اور بطریق احسن ادائیگی کا مرقع بن گئی تھی۔ ایسی جامعیت اور بھرپور زندگی بڑے لوگوں میں کم ہی نظر آتی ہے۔

۳۔ شفقت پدری کے مختلف مظاہر

آپ کو اپنی اولاد سے بہت زیادہ محبت تھی۔ میں نے آپ کو اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ مشفق و مہربان دیکھا۔ یہ ۱۹۶۸ء کا واقعہ ہے قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ ایک خوش خصال، نیک سیرت، خدمت گذار، مونس وغمگسار رفیقہ حیات کا دنیا سے رخصت ہو جانا آپ کے لئے ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ لیکن آپ نے صبر وتحمل کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ بچوں کو سینے سے لگایا اور بیک وقت ماں کی محبت اور باپ کی شفقت دی۔ جن دنوں آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا آپ کی عمر کم وبیش ۴۸ سال تھی۔ آپ تندرست وتوانا تھے۔ بڑے بڑے خاندانی لوگوں نے آپ کو شادی کی پیشکش کی اور اصرار کیا کہ بچے بہت چھوٹے ہیں گھر کے جملہ معاملات کے لئے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے میرے معصوم بچے ماں کی مامتا سے محروم ہو گئے ہیں۔ میں ان کو مزید کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا۔ آپ جب تک حیات رہے بچوں کو والدہ کی کمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ قادری صاحب سے چھوٹی ان کی ہمشیرہ والدہ کے انتقال کے وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھیں۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ نے چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال اور گھر کے دیگر معاملات نبھانے کے لئے اس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کروا دیا۔ وہ ابھی بچی تھی۔ امور خانہ داری سے ناواقف تھی۔ آپ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر گھریلو معاملات میں اس کی خود تربیت فرماتے۔ بچوں کی تمام ضروریات پر نظر رکھتے۔ اور جب کبھی کسی بچے کا چہرہ اداس نظر آتا خود بھی اداس ہو جاتے اور فرماتے میں نے تو آپ کو والدہ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی۔ پھر آپ کا چہرہ مرجھایا ہوا کیوں ہے۔ اور پھر جب ۲ نومبر ۱۹۷۴ء بروز ہفتہ بمطابق ۱۴ شوال آپ کا وصال ہوا، اس دن بچوں کو ماں کی مامتا اور شفقت پدری دونوں سے محرومی کا احساس ہوا۔ آپ کی شخصیت پدرانہ شفقت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ قبلہ تایا جی کے وصال کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنی ڈائری میں چند اشعار تحریر فرمائے تھے جو میں یہاں نقل کر رہی ہوں:

سُلا گئی تھیں جنھیں تیری ملتفت نظریں
وہ درد جاگ اُٹھے پھر سے لے کے انگڑائی

عجیب عالم افسردگی ہے رُوبہ فروغ
نہ اب نظر کو تقاضا نہ دل تمنائی

ان آرزوؤں پہ چھائی ہے گردِ مایوسی
جنہوں نے تیرے تبسم میں پرورش پائی

وہ تارے جن میں محبت کا نور تاباں تھا
وہ تارے ڈوب گئے لے کے رنگ و رعنائی

فریبِ شوق کے رنگیں طلسم ٹوٹ گئے
حقیقتوں نے حوادث سے پھر جلا پائی

شفقت پدری کے ضمن میں آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی نصرت جبیں بیان کرتی ہیں۔ میں تقریباً تین سال کی تھی جب میری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ابھی میت گھر میں ہی تھی اور میں اپنی عمر کے لحاظ سے جس طرح دوسری خواتین کو روتا دیکھتی ویسے رونے لگ جاتی۔ میرے والد صاحب رحمہ اللہ مجھے بار بار باہر لے جاتے اور کچھ کھلا پلا کر واپس لے آتے۔ میں نے ماں کی شفقت و محبت بھی والدمحترم رحمۃ اللہ میں دیکھی۔ آپ مجھے پیار کرتے تھے۔ جب میں سکول جانے لگی تو مجھے سکول کے لئے کھانا اور پھل دے کر بھیجتے۔ میری سہیلیاں مجھے کہتیں تم اپنے ابا جی رحمہ اللہ کی بہت لاڈلی لگتی ہو۔ میں تیسری جماعت میں پڑھتی تھی کہ سخت علیل ہوگئی۔ مجھے تشنج ہوگیا قبلہ ابا جی رحمہ اللہ گھر پر نہیں تھے۔ اسی وقت میرے چچا جان محترم گھر تشریف لے آئے اور فوراً ڈاکٹر کو بلا لائے۔ میں بے ہوشی کی حالت میں بار بار ابا جی کو پکار رہی تھی۔ ان کو اطلاع

کی گئی فوراً تشریف لے آئے اور خصوصی توجہ اور شفقت و محبت سے میرا علاج معالجہ کیا۔ ہمارے ابا جان بحیثیت انسان بڑے نیک، عظیم اور رحم دل تھے۔ قبلہ ابا جی رحمہ اللہ نے ہم بہنوں کو کبھی نہیں ڈانٹا تھا، میں جب کبھی اپنی بہنوں سے لڑتی، قصور بھی میرا ہوتا پھر بھی رونا شروع کر دیتی، ابا جی سے بہنوں کی شکایت کرتی۔ وہ میری بڑی بہنوں کو ظاہراً ڈانٹتے اور مجھے پیار کرتے اور فرماتے یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے اسے کچھ نہ کہا کرو۔

قبلہ ابا جی رحمہ اللہ گھر کے علاوہ محلے والوں سے بھی خصوصی شفقت فرماتے، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے، یہی وجہ ہے کہ اہل محلّہ آج بھی ابا جان رحمہ اللہ کو یاد کر کے روتے ہیں۔ ستائیس رمضان المبارک کو جب اباجان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور پھر طبیعت کافی خراب ہوگئی عید والے دن میں بہت رو رہی تھی کہ میں نئے کپڑے نہیں پہنوں گی، میرے ابا جان ٹھیک ہوں گے یا نہیں۔ جب قبلہ ابا جان نے دیکھا تو انہیں بہت دُکھ ہوا فرمانے لگے، میں نے پوری زندگی اسی کوشش میں گزار دی ہے کہ آپ لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھوں، بٹیا میں بالکل ٹھیک ہوں آپ لوگ عید منائیں مجھے بہت خوشی ہوگی۔ اس طرح ابا جی قبلہ رحمہ اللہ کی تکلیف بڑھتی گئی اور پھر انہیں ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔ جب ہسپتال روانہ ہو رہے تھے تو میں بار بار پوچھتی ابا جان آپ کب واپس آئیں گے۔ وہ خاموش ہو جاتے، میں ہسپتال جاتی تو مجھے سینے پر لٹا کر پیار کرتے۔ اور پھر ایک صبح ہمیں اپنی شفقتوں سے محروم کر کے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ قبلہ ابا جی رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

۴۔ اہل و عیال سے حسن وسلوک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک میں بہتر ہو۔ اور میں اپنے واہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک میں سب سے بہتر ہوں۔ جب میں حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی شخصیت کا اس ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیتی ہوں تو وہ سنت نبوی ﷺ کی اتباع کے پیکرِ عظیم نظر آتے

ہیں۔ میں نے آپ کی اپنی اہلیہ محترمہ (پروفیسر صاحب کی والدہ ماجدہ) کے ساتھ بطور شوہر حسن سلوک کا مشاہدہ سال ہا سال کیا ہے۔ قبلہ قادری صاحب کی چھوٹی ہمشیرہ مسرت جبیں کی پیدائش کے بعد چچی جان سخت علیل ہوگئیں۔ بعد ازاں اس تکلیف سے افاقہ ہوا تو دوسری تکلیف میں مبتلا ہوگئیں۔ اس سے صحت یاب ہوئیں تو مزید علالت میں پے در پے مبتلا رہیں۔ ان کی طویل علالت کا ان کی وفات سے دو سال پہلے تک سلسلہ جاری رہا۔ مجموعی طور پر چودہ سال کا عرصہ مختلف طرح کی علالتوں میں گذرا۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ نے کمال درجہ صبر وتحمل ذمہ داری و یکسوئی اور ثابت قدمی کے ساتھ علاج معالجہ جاری رکھا۔ بلکہ پورے عرصے میں ایک لمحے کے لئے بھی ان کی زوجہ محترمہ کی طویل علالت ان کے لئے گراں ثابت نہ ہوئی۔ بڑی بڑی نازک صورت حال اور پریشانیوں میں ان کی پیشانی پر بل تک نظر نہ آیا اور ان کا حسن سلوک ایک اعلیٰ معیار پر اوّل سے آخر تک ہمہ وقت قائم رہا۔ ان کے متعلقین ہمیشہ ان کی دائمی اور یکساں حسن سلوک پر متحیر رہتے۔ اولاد کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۵۲ء میں جبکہ پروفیسر صاحب کی عمر تقریباً ایک سال تھی اور ان دنوں قبلہ تایا جان حسو بلیل میں جو کہ جھنگ سے بتیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے، تعینات تھے۔ یہ غالباً دسمبر جنوری کا مہینہ تھا رات کے وقت اچانک قبلہ قادری صاحب کی طبیعت بہت سخت خراب ہوگئی آپ کو نمونیہ ہوگیا۔ شدید انفیکشن کی وجہ سے حالت بڑی تشویش ناک ہوگئی۔ جو ادویات اس وقت ان کے پاس ہسپتال میں موجود تھیں ان کے استعمال کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ کچھ خصوصی انجیکشن دینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو وہاں میسر نہ تھے۔ یہ آج سے تقریباً سینتیس برس پہلے کی بات ہے تب دسمبر جنوری کی راتوں میں سردی کی شدت کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس وقت کوئی کنوینس یا گاڑی بھی میسر نہ تھی رات کے وقت اس روٹ پر کوئی ٹرانسپورٹ بھی نہیں چلتی تھی۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ رات یخ بستہ سردی میں تیس میل کا سفر سائیکل پر طے کر کے جھنگ صدر پہنچے، رات ہی کو کوئی بڑا میڈیکل سٹور کھلوا کر متعلقہ دوائیاں اور انجیکشن خریدے اور اسی حالت میں پھر بتیس میل کا سفر طے کر کے واپس حسو بلیل پہنچے۔ سردیوں

کی طویل یخ بستہ رات میں مسلسل چونسٹھ میل کا سفر کر کے جب حسو بلیل پہنچے تو فجر کی اذان ہو رہی تھی آتے ہی انہوں نے اپنے لخت جگر کو انجیکشن لگائے اور ادویات دیں۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت سنبھل گئی۔ اس واقعہ سے نہ صرف ان کی اولاد پر بے پناہ شفقت اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی ان کی شخصیت میں داعیہ محنت و ریاضت، تحمل و جانفشانی سخت کوشی اور نہایت درجہ عزیمت و استقلال کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۵۔ اولاد کی پرورش اور تربیت کا قابلِ رشک انداز

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی شخصیت اولاد کی پرورش اور تربیت کے معاملے میں ایک قابل رشک انداز کی حامل تھی۔

۱۔ آپ زبانی نصیحتیں بڑے دلنشین انداز میں فرماتے اور ایسے خوبصورت پیرائے میں کہ بات دل میں اُتر جاتی۔

۲۔ اس سلسلے میں ہر روز تھوڑا سا وقت اپنی اولاد اور اہل خانہ کے لئے مختص فرماتے ان کو پاس بٹھا کر تعلیم و تلقین فرماتے۔ بزرگان دین کی حکایات، حکیمانہ تمثیلات ،احادیث نبوی ﷺ اور سنت نبوی ﷺ کے حوالہ جات اور قرآنی واقعات کے حوالے سے تربیت فرماتے تھے۔

۳۔ زندگی کے مختلف اُمور میں اپنے تجربات اور مشاہدات کا نچوڑ بڑے مؤثر اور پُر حکمت انداز میں اولاد کے سامنے رکھتے۔ اور انہیں عقلی استدلال اور بصیرت افروز انداز سے زندگی کے درست راستوں پر گامزن رہنے کی تلقین کرتے۔

۴۔ اپنے عملی سیرت و کردار کے ذریعے اپنی اولاد کے لئے حقیقی تربیت کا سامان مہیا فرماتے کیونکہ ان کی اپنی شخصیت میں نہ قول و فعل کا کوئی تضاد تھا اور نہ ہی ظاہر و باطن میں کوئی فرق، اس امر کا مشاہدہ جب ان کی اولاد اہل خانہ اور اہل خاندان اپنی آنکھوں سے کرتے اور ان کے طرز زندگی کی برکات اور ان پر اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانات

اور انعامات کا نظارا بھی اپنی آنکھوں سے کرتے تو اس طرح ان میں بھی اس طرز زندگی کو اپنانے کا شوق پیدا ہوتا۔

۵۔ ان کے انداز تربیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ کسی ایک فرد کو اس کی غلطی پر دوسروں کے سامنے بالمشافہ نشاندہی کرنے کی بجائے اس کی موجودگی میں تمام حاضرین کو اجتماعی خطاب کرتے اور سب کے لئے مشترک نصیحت کے طور پر گفتگو فرماتے ۔مگر اس خاص پہلو پر اس انداز سے زور دیتے کہ متعلقہ شخص خود بخود سمجھ کر اپنی اصلاح کر لیتا۔

۶۔ اولاد کی تربیت میں بالعموم شفقت و محبت عفو و درگزر اور پیار کی فراوانی غالب رہی مگر کبھی کبھی حسب ضرورت تنبیہ بھی فرماتے اور بعض مواقع پر سخت ضرورت کے پیش نظر تھوڑی زیادہ بچوں کی پٹائی سبق سکھانے کے لئے کرنا پڑتی تو بھی گریز نہ کرتے۔

۷۔ ان کے انداز تربیت میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ مختلف گھریلو معاملات اور اُمور حیات میں فیصلہ کرتے وقت اپنی چھوٹی بڑی سب اولاد کو شریک مشورہ کرتے اور کھل کر اپنی رائے دینے اور اس پر بحث وتمحیص کا موقع دیتے ،خود اطمینا ن سے ان کی تجاویز سنتے ۔بعد ازاں اپنی رائے دیتے، اس طریقے سے وہ اپنی اولاد میں معاملہ فہمی، اظہار رائے اور قوت فیصلہ جیسے جواہر پیدا فرماتے تھے۔ اس معاملہ میں قبلہ قادری صاحب کی رائے کو ہمیشہ ترجیح دیتے کئی بار ان کے مشورے پر اپنی ذاتی رائے تبدیل فرما لیتے۔ اور کئی اہم فیصلے بھی انہوں نے ان کے مشورے کے مطابق کیئے۔

۸۔ اولاد کی تربیت کے ضمن میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے وہ سفر وحضر دونوں حالتوں میں اپنی اولاد کو بالعموم اور قبلہ قادری صاحب کو بالخصوص ساتھ رکھتے۔ اور کثرت کے ساتھ ان کو اپنی مجلس اور صحبت کا موقع فراہم کرتے اس طرح انہوں نے آپ کی مجلسوں اور صحبتوں سے وہ کچھ حاصل کیا جو ہزاروں کاوشوں سے انسان حاصل نہیں کرسکتا۔

۹۔ آپ کے انداز تربیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جاتی اور ظاہری اسباب و وسائل کے حوالے سے حالات پریشان کن ہوتے اور اُمیداور حوصلہ مندی کا کوئی امکان دکھائی نہ دیتا تو ایسے حالات میں اپنی اولاد کو اور بالخصوص قادری صاحب کو خصوصاً متوجہ فرماتے اور سمجھاتے کہ اب اس کام کی انجام دہی میں ظاہری اسباب بالکل معدوم ہو چکے ہیں مگر دیکھنا اللہ تعالیٰ اچانک غیب سے کیا اسباب پیدا فرماتا ہے اور یہ کام انشاء اللہ ظاہری اسباب کے خلاف بھی ہو کر رہے گا۔ ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بہت جلد حقیقت کا روپ دھار لیتے ۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی کچھ ہو جاتا جو انہوں نے فرمایا ہوتا۔ ایسی صورت احوال کا مشاہدہ کر کے ایمان اور یقین کو غیر معمولی پختگی اور استقامت نصیب ہوتی۔ یہ انہی کا فیضان تربیت ہے کہ قبلہ قادری صاحب کی زندگی میں بھی عائلی سماجی، معاشی، اقتصادی، سیاسی یا قومی نوعیت کے تمام معاملات میں اس طرح کا پختہ یقین اورعزم راسخ بدر اُتم موجود ہے اور میں نے انہیں پچیس سالہ ازدواجی رفاقت کے دوران عجیب سے عجیب تر حالات کے اندر بھی مایوس ہونا تو درکنار ایک لمحے کے لئے پریشان ہوتے بھی نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی کبھی ان کے ذہن پر بوجھ دیکھا ہے۔ یہ غیر معمولی کرشماتی یقین اور اعتماد بلاشبہ ان کے والد گرامی رحمہ اللہ کا براہِ راست فیضان ہے۔ ان کے اور ان کے اہل وعیال کے درمیان تکلف دوری اور جھجک کی کوئی دیوار حائل نہ تھی۔ اوران کی اس مشفقانہ روش سے جملہ اہل خاندان کے اندر ان سے قریب تر ہونے کا شوق فراواں رہتا ۔ان کے انداز شفقت میں یہ بات بھی شامل تھی کئی بار اپنے سے چھوٹے افراد حتیٰ کہ کم سن بچوں کا نام بھی شفقت محبت اورعزت افزائی سے لیتے۔ہمیں یاد ہے کہ قبلہ قادری صاحب کو بچپن میں بھی ہمیشہ طاہر صاحب کہہ کر بلاتے۔ خط کتابت میں بھی ہمیشہ طاہر صاحب لکھتے ۔ ہر بچے سے اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق برتاؤ کرتے۔

۶۔ اولاد کی ضروریات و جائز خواہشات کی تکمیل پر خصوصی توجہ

اپنی اولاد کی جملہ ضروریات کی تکمیل کا بروقت خیال رکھتے۔ ان کی جائز خواہشات کو پورا کرنے میں کبھی بھی متامل نہ ہوتے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی مسرت جبیں بیان کرتی ہیں۔ ”میں ابھی آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی کہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ بہنوں میں چونکہ میں بڑی تھی اس لئے بہن بھائیوں کی تمام ذمہ داریاں مجھے سنبھالنی تھیں۔ میں ابھی چھوٹی تھی، اُمور خانہ داری سے ناواقف تھی اس لئے والد صاحب گھریلو معاملات میں میری تربیت فرماتے۔ میں اپنے بہن بھائیوں کی ضروریات کے بارے میں قبلہ ابا جی کو بتاتی اور وہ ضرورت کی ہر چیز ہمیں مہیا کرتے اور چیزوں کے خریدنے میں ہماری پسند و ناپسند کا خیال رکھتے۔ بھائی جان اکثر کہتے ابا جان آپ ان کو چیزیں پسند کروانے میں اتنی غیر معمولی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں۔ اپنی پسند کی خرید دیا کریں تو والد صاحب فرماتے بیٹیاں گھر بیٹھی ہوتی ہیں اس لئے انہیں گھر میں ہی ان کی پسند کے مطابق چیز لے کر دینی چاہیے۔ میرا بہت خیال رکھتے فرماتے میری بیٹی بہت چھوٹی تھی کہ اس پر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ آگیا ہے۔ میں ابھی کم سن تھی کہ ایک دن ابا جان نے مجھے فرمایا بیٹا اب آپ باقاعدگی سے نماز پڑھا کرو آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ نے بہت جلد صوم وصلوٰۃ کا پابند بنا دیا۔ اور چھوٹی عمر سے ہی کبھی نماز قضا نہ کی حتیٰ کہ میری والدہ صاحبہ کی میت گھر پر موجود تھی تمام خواتین رو رہی تھیں۔ نماز فجر کا وقت ہوگیا میں نے اُٹھ کر نماز ادا کی اور پھر والدہ صاحبہ کی میت کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ ہم جلد ہی اپنے مشفق و مہربان والدہ سے محروم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔“

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی منجھلی بیٹی ثروت جبیں بیان کرتی ہیں۔ ہمارے ابا جان بہت عظیم انسان تھے ہمیں بہت پیار کرتے تھے۔ میں ۱۰ سال کی تھی جب میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوا انہوں نے ہمیں کبھی بھی والدہ محترمہ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

ہماری ہر خواہش کا خیال کرتے ہم نے جب جوتے اور کپڑے خریدنے ہوتے قبلہ اباجی رحمہ اللہ جوتے اور کپڑے گھر پر منگوا لیتے اور ہمیں پسند کرواتے۔ ہر اچھی سے اچھی چیز ہمیں منگوا کر دیتے۔ ہماری چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا ذاتی طور پر خیال رکھتے اور ہماری ہر طرح سے دلجوئی فرماتے۔

۷۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش میں مشفقانہ کردار

قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ ہماری دادی جان انتہائی نیک سیرت متقی، پرہیز گار اور بڑی سادہ مزاج خاتون تھیں۔ سب بیٹیاں بیٹے ابھی بہت چھوٹے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اسی طرح ہمارے دادا جان بھی پرانی وضع کے درویش منش، بڑے نیک، صالح اور سادہ مزاج انسان تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ چونکہ تمام بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت، شادی بیاہ اور ملازمت وغیرہ تمام دیگر معاملات کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ میرے والدمحترم رحمہ اللہ ہمیشہ فرماتے تھے کہ آج میں آپ کے سامنے جو کچھ ہوں اور جس مقام پر ہوں یہ سب میرے بڑے بھائی یعنی قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی ایک ہی بہن تھیں یعنی ہماری پھوپھی جان کچھ گھریلو اختلافات کی وجہ سے شادی کے بعد وہ سسرال میں چند سال ایڈجسٹ نہ ہوسکیں۔ ایک طویل عرصہ میکے میں رہیں ان کے دو بچے بھی تھے آپ ان کی کفالت فرماتے اور ان کی جملہ ضروریات کا ہمیشہ اپنی سگی اولاد کی طرح خیال رکھتے بچوں کو کبھی اپنے والد سے دوری کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

ہمارے چچا جان حاجی محمد اسماعیل بیان کرتے ہیں میرے برادر بزرگ حضرت ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ نہایت شفیق، ہمدرد اور محسن انسان تھے۔ انہوں نے چھوٹے بہن بھائیوں کی کفالت کا مثالی نمونہ پیش کیا۔ میرے والدمحترم میاں خدا بخش صاحب رحمہ اللہ طبیعت کی سادگی اور محدود آمدنی کے باعث ہم چاروں بھائیوں کی تعلیم کو

پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ جس کے باعث ہمیں مختلف فنی اور طبی کاموں کی سکھلائی کے لئے بٹھا دیا گیا۔ چونکہ حضرت فرید الدین صاحب رحمہ اللہ کو تعلیم کا ازحد شوق تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں وہ والدین کی اجازت سے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر اپنا ہمہ جہتی تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور ساتھ ہی ساتھ طب و حکمت کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ جب لکھنؤ سے واپس تشریف لائے تو تمام خاندان کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد انہیں شدت سے احساس ہوا کہ والد صاحب اپنی کم آمدنی کے باعث بھائیوں کی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے اور اس وجہ سے انہیں مختلف کاموں پر لگا دیا ہے۔ انہوں نے اپنے تینوں بھائیوں محمد فرید، غلام محمد اور محمد اسماعیل کو مختلف کلاسوں میں سکول میں داخل کروا دیا اور تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری خود اُٹھا لی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ گھر پر ٹیوشن کا بھی اہتمام کیا۔ تاکہ گذشتہ کمی جلد پوری ہو سکے۔ اس دوران ان کی تعیناتی رورل ہیلتھ سینٹر شاہ جیونہ میں ہوگئی۔ ان کے احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ ہر روز ہسپتال کے اوقات کے بعد گھر جھنگ تشریف لے آتے گھر کی ضروریات زندگی کا فکر کرتے اور بروقت مہیا کر کے چین لیتے۔ عرصہ دراز تک ان کا یہی معمول رہا۔ سردی گرمی، موسم کی شدت کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوئے گھر روزانہ آنا اور گھریلو معاملات کی دیکھ بھال ان کا معمول تھا۔ سب سے پہلے بھائی محمد فرید نے میٹرک تک تعلیم مکمل کی تو انہیں محکمہ ریونیو میں ملازم کروا دیا۔ شومیٔ قسمت کہ وہ اچانک بیمار ہوگئے ۔جوں جوں علاج کیا مرض بڑھتا گیا آپ کے علاوہ ڈاکٹر دیوراج اور دونی چند جھنگ کے بڑے معروف ڈاکٹر تھے۔ ان سے بھی علاج کروایا۔ اس کے بعد ان کو میو ہسپتال لایا گیا۔ میو ہسپتال والوں نے شملہ (کشمیر) جا کر ریسٹ کے لئے مشورہ دیا محدود وسائل کے باوجود تمام بندوبست کر کے بھائی کو شملہ لے گئے وہاں جا کر علاج جاری رکھا۔ تقریباً دو ماہ وہاں گذارنے کے بعد ان کو واپس لے آئے مگر وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بھائی محمد فرید کی وفات کے منظر کو قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ایک نظم ''ایک روح'' میں بیان کیا۔ کیونکہ وہ ایک زبردست شاعر اور ادیب بھی تھے اس کے بعد ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم مکمل کروا کر میرے بڑے بھائی غلام محمد کو نائب تحصیلدار کروایا اور

مجھے ریلوے میں ملازمت دلوائی اسی دوران ان کا تبادلہ لالیاں ہوگیا۔ میں ان دنوں لائل پور (فیصل آباد) میں تھا۔ ان کی اپنی تعلیمی جدوجہد کا یہ عالم تھا کہ علوم وفنون میں تکمیل کے باوجود تحصیل علم کا شوق فروتر تھا۔ روزانہ لالیاں سے فیصل آباد تشریف لاتے۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر دوبارہ حدیث اور بعض فنون کی کتابوں کا درس لیا یہ ان کا ہر روز کا معمول تھا۔ شام کو میرے پاس تشریف لے آتے قیام فرماتے اور تفصیلاً گھر کے حالات دریافت فرماتے تب جا کر انہیں سکون قلب نصیب ہوتا۔ آپ نے والد کی حیثیت سے ہماری شادیاں کیں۔ جب میرے بھائی غلام محمد نائب تحصیلداری کی ٹریننگ سے فارغ ہوئے تو ان کا امتحان پپلاں ضلع میانوالی میں منعقد ہوا۔ وہ ان دنوں سخت بیمار ہوگئے۔ آپ ان کے ساتھ پپلاں گئے کمرہ امتحان میں بھی حسب ضرورت ان کا علاج جاری رکھا۔ ڈاکٹر صاحب خود سادہ زندگی بسر کرتے لیکن ہمیں موسم کے لحاظ سے اچھے سے اچھا کپڑا مہیا کرتے۔ وہ ہمیشہ باوضو رہتے اور درود شریف کا ورد جاری رکھتے وہ اپنی ذمہ داریوں کی وجہ سے کئی کئی دن تک اگر گھر تشریف نہ لاسکتے تو ہسپتال کے کسی ملازم کے ہاتھ خیریت معلوم کروا لیتے اور گھریلو اخراجات کے لئے پیسے بھجوا دیتے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں ہمیں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنے دیا۔ ہر قسم کی تکلیف خود برداشت کر کے ہمارے لئے آسودگی کا اہتمام فرماتے۔ قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ کو گھر پر آرام فرمانے کے لئے اکثر کہا کرتے۔ ان کی خدمت کو حرز جاں بنائے رکھتے اور ہر ضرورت کا کما حقہ خیال فرماتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

۸۔ مرحوم بھائی کی بیوہ اور بچوں پر غیر معمولی شفقت

میرے والد محترم مہر غلام محمد مرحوم حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے نیک سیرت، باکردار اور صالح انسان تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمۃ اللہ کو اباجی قبلہ سے بہت محبت تھی۔ اباجی قبلہ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ مجھے اچھی

طرح یاد ہے بچپن میں جب ہم سب بہن بھائی اپنے والدین کے ہمراہ عیدین کے موقع پر یا ویسے حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ اور ان کی فیملی سے ملنے جھنگ صدر جاتے وہ ہم سب کو مل کر بہت خوش ہوتے ۔اور تواضع کے لئے انواع و اقسام کے لوازمات دیکھتے ہی دیکھتے مہیا کر دیتے۔ ہمارے ابا جی قبلہ کے ساتھ دوستوں کی طرح گھریلو خاندانی اور دیگر معاملات پر کھل کر بے تکلفی سے بات چیت کرتے، سب کے ساتھ ان کی طبیعتوں کی فرحت کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے لطیف پیرائے میں مزاح بھی فرماتے۔ جس سے محفل باغ و بہار بن جاتی اس وقت بھی ہمارے معصوم ذہن محسوس کرتے تھے کہ والدین کے علاوہ بھی ایک مشفق و مہرباں ہستی ہمارے سروں پر موجود ہے۔ جب کبھی ابا جی قبلہ حج پر جاتے آپ پوری فیملی کی خصوصی دعوت کا اہتمام فرماتے اور جس دن انہوں نے روانہ ہونا ہوتا بڑی شفقت و محبت سے روانہ کرتے۔

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی بھاوج میری والدہ ماجدہ فرماتی ہیں یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے جب حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ مجھے بیٹیوں کی طرح بیاہ کر اپنے گھر لائے۔ میں نے آتے ہی یہ محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ رحمہ اللہ والد ماجد کی سرپرستی کے باوجود اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا اپنی اولاد کی طرح خیال رکھتے۔ ہم سب ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے تھے لیکن ملازمت کے سلسلے میں ہمیں دوسرے شہروں میں جانا پڑتا تھا۔ جب کبھی ہم واپس آتے تو ڈاکٹر صاحب قبلہ رحمہ اللہ کی شفقتیں ہماری منتظر ہوتیں۔ ہمارا ہر طرح سے خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ میرے شوہر کے ساتھ اچھے دوستوں کی طرح سلوک رکھتے۔ میری شادی کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے سب سے پہلے مجھ سے قرآن پاک سنا پھر مجھے اس کے معنی بتائے بہت سی مفید نصیحتیں کیں اس طرح اس جہاندیدہ ہستی نے اپنی زندگی کے بیش بہا تجربات کا لب لباب پیش کیا بچپن جوانی اور بڑھاپے میں کام آنے والی مفید نصیحتیں کیں ان کی نصیحتیں آج بھی بچوں کے لئے شفیق استاد، جوانوں کے لئے ناصح و مشفق اور بوڑھوں کے لئے یارومددگار ہیں۔ انہوں نے

مجھے زندگی گذارنے کے لئے اسلامی طور طریقوں سے بھی آگاہ کیا۔ ہمارے گھرانے میں شروع سے ہی پردے کی بہت پابندی تھی۔ انہوں نے اس سلسلے میں بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ ان کی نصیحتیں زندگی کے ہرموڑ پر ہمارا سرمایہ سفر ہیں۔ جو آج بھی ہمارے ذہنوں میں اسی طرح نقش ہیں۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہر سال حج یا عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے واپسی پر میرے اور بچوں کے لئے تحائف وغیرہ لاتے تھے۔ یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے جب مجھے اور میرے شوہر مرحوم کو حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے ہمیں بہت سی زیارتیں کروائیں۔ جو آج تک ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ اس طرح زندگی کی گاڑی چلتی رہی وقت گذرتا رہا۔ یہ ۱۰ جون ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ جب میری ہنستی بستی زندگی میں ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا۔ میرے عظیم شوہر کا شکر گڑھ کے سیلاب زدگان کو اپنی نگرانی میں ڈسکہ میں فنڈز تقسیم کرواتے ہوئے ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر اس وقت بیالیس سال تھی۔ ان دنوں ہم ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں رہائش پذیر تھے۔ میرے بچے بہت چھوٹے تھے۔ میت کو ہم ڈسکہ سے جھنگ شہر لائے وہاں میری والدہ ماجدہ رہتی تھیں۔ میرے شوہر کے انتقال کا حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بہت صدمہ ہوا۔ اکثر فرماتے تھے مہر صاحب مرحوم میرا بہت پیارا بھائی تھا ان کی کمی میں بہت شدت سے محسوس کرتا ہوں۔ میرے شوہر کی وفات کے ڈیڑھ ماہ بعد میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس کا نام عظمت اللہ رکھا۔ اور اس کے ساتھ خصوصی محبت و شفقت کرتے۔ اس کی خیریت معلوم کرنے ہر دوسرے تیسرے دن جھنگ صدر سے تشریف لے آتے۔ بچے کو گود میں اُٹھاتے، پیار کرتے اور پھر بڑے شوق اور محبت کے ساتھ اپنے بڑے بیٹے طاہرالقادری کی نسبت میری بڑی بیٹی سے طے کی۔ اس موقع پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور جھنگ صدر سے جھنگ سٹی ہمارے گھر بہت سے مہمانوں کو لائے اور دعائے خیر فرمائی۔ آپ جلد از جلد اپنی بھتیجی کو بہو کے روپ میں اپنے گھر دیکھنا چاہتے تھے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی آپ نے بڑی چاہت اور محبت سے شادی کی

تیاریاں شروع کردیں۔اور پھر ستائیس رمضان المبارک کو آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تقریباً تین ہفتے سخت علیل رہے۔ اور اپنے بیٹے کی شادی سے چند دن پہلے وصال فرما گئے اس طرح ہم ایک مشفق و مہربان ہستی سے محروم ہوگئے ۔ میں اور میرے بچے اتنی بڑی عظیم ہستی کی محبتوں اور شفقتوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔مَیں آج بھی صمیم قلب سے آپ کے لئے بلندی درجات کی دعا مانگتی ہوں۔

مَیں یہاں سیلاب والا ایک واقعہ عرض کرونگی۔ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے ۔ضلع جھنگ میں بہت بڑا سیلاب آیا۔ جس نے پورے ضلع کو تباہ کر کے رکھ دیا۔صرف چند علاقے محفوظ رہ سکے۔ جھنگ شہر کو سیلاب کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا۔ جب قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ سیلاب سے جھنگ شہر میں بہت نقصان ہوا ہے تو آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ میری بھاوج اور بچے کس حال میں ہونگے۔ ہماری خیریت معلوم کرنے کے لئے صبح پانچ بجے گھر سے چلے، پانی آپ کے کندھوں تک تھا آپ تمام راستہ پانی کے اندر بہت سی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے سہ پہر تین بجے جھنگ شہر ہمارے گھر تشریف لائے۔ سیلاب کی وجہ سے بچے بہت پریشان تھے، آپ کو دیکھتے ہی بچوں کے چہروں پر رونق آگئی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت سارا دن پانی میں سفر کرتے ہوئے بہت خراب ہوگئی تھی۔ آپ کو ٹمپریچر ہوگیا، لیکن اس کے باوجود آپ نے ہمیں تکلیف اور تھکن کا احساس نہ ہونے دیا۔ اور پھر اگلے دن ہماری خیریت معلوم کرنے کے بعد اسی طرح پیدل پانی کو عبور کرتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

محترم ماموں مقصود احمد قادری بیان کرتے ہیں:

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی محترم مہر صاحب مرحوم نے بچپن ہی سے میری پرورش، تعلیم و تربیت ایک بیٹے اور بھائی کی طرح کی۔ اس لئے مجھے حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا بحیثیت سربراہ خاندان بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع میسر آیا۔ میں نے زندگی میں بہت سے سربراہ خاندان دیکھے ہیں جو صرف اپنے

اہل و عیال کی تعلیم و تربیت اپنے زیر سایہ کی۔ انہیں اچھی سے اچھی ملازمتیں دلوائیں پھر ان کی شادیاں کر کے اپنے اپنے گھروں میں آباد کیا۔ اور پھر جب تک حیات رہے ان کی طرف سے غافل نہیں رہے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب آپ کے دونوں بھائی ملازمتوں کے سلسلے میں دوسروں شہروں میں مقیم تھے تو آپ ہر ماہ بھائیوں کی خیریت معلوم کرنے تشریف لے جاتے۔ ان کو خوشحال دیکھتے تو بہت مسرور ہوتے۔ جب کبھی ان کو کوئی مسئلہ درپیش آتا، دن رات سفر طے کر کے ان کے مسائل حل فرماتے۔ جس طرح اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے ساتھ محبت شفقت فرماتے میرے ساتھ بھی بیٹوں کی طرح محبت شفقت فرماتے۔ شاید ایسی شفقت و محبت مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے بھی میسر نہ تھی۔ ان کی شخصیت اور اخلاق کی بلندیوں کا عظیم پہلو یہ بھی تھا کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی صاحب کہہ کر بلاتے۔ مجھے بھی اکثر مقصود صاحب کہہ کر بلاتے۔ یہ ان کی شخصیت کا کمال ہے۔ اپنے بھائی کے انتقال کے بعد اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے ساتھ خصوصی شفقت روا رکھی۔ اپنی بھاوج اور بچوں کی ہمیشہ دلجوئی کرتے اور فرماتے کہ میری طرف سے کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہ ہو جس کا میری بھاوج اور بچوں کو دکھ پہنچے۔ مجھے فرماتے، بیٹا مقصود جس طرح بھائی غلام محمد نے ہمیشہ آپ کے ساتھ بیٹے اور بھائی جیسا سلوک روا رکھا ہے اب ویسے ہی تم میرے لئے بھی ہو۔ مجھے بھی ہمیشہ ویسی شفقت و محبت دی، جیسے اپنے بھائی کی اولاد کو دی۔ ایک دفعہ آپ حج بیت اللہ ادا کرنے تشریف لے گئے مجھے فرمانے لگے تمہارے لئے کیا لاؤں میں نے ایک گھڑی کی فرمائش کی واپسی پر میرے لئے ایک خوبصورت نایاب گھڑی لائے۔ جھنگ میں اس سے پہلے ایسی گھڑی میں نے کسی کے پاس نہیں دیکھی تھی۔ گھڑی پر ریڈیم سے پیلے اور سبز رنگ میں سعودیہ کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اور پھر جس طرح ایک والد کو اپنی اولاد کے ذریعہ معاش اور شادی وغیرہ کی فکر ہوتی ہے اسی طرح میری اماں حضور سے فرماتے ''بے بے جی'' مقصود کی ملازمت کا بندوبست میں کروں گا، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اور پھر ملازمت کے لئے کئی محکموں میں کوشش بھی کی۔ رشتہ داری اور قرابت داری کا ہمیشہ خیال فرماتے تھے۔ یہ

۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے میرے حقیقی ماموں کی شادی تھی وہ لوگ کسی وجہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بروقت اطلاع نہ کر سکے۔ آپ اپنے بھائی باوج اور بچوں کی خیریت معلوم کرنے کے لئے مندرہ ضلع راولپنڈی پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ رحمہ اللہ کو اپنی بھاوج سے معلوم ہوا کہ مہر صاحب گوجرانوالہ شادی پر گئے ہوئے ہیں۔ اپنی بھاوج سے فرمانے لگے آپ کے ماموں کی شادی ہے اس طرح میرے عزیز بھی ہوئے اور دوست بھی اور میں نہ پہنچوں، یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے انہوں نے دعوت نامہ بھیجا ہو لیکن مجھے ملا نہ ہو اسی وقت وہاں سے گوجرانوالہ میرے ماموں کی شادی پر روانہ ہوگئے کوئی اور ظاہری نام و نمود اور جھوٹی عزت و وقار کا پجاری شخص ہوتا تو ایسا کبھی نہ کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دائمی عزت و شہرت سے نوازا ہے۔

چونکہ گھر کا ماحول بڑا مذہبی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کے عین مطابق تھا۔ گھر میں مکمل پردہ داری تھی۔ قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ ہوتا تھا۔ بغیر اطلاع کئے کوئی عزیز بھی اندر گھر میں نہیں آ سکتا تھا۔ یہ عید الفطر کا دن تھا آپ کے وصال سے چند دن قبل میں آپ کی مزاج پرسی کے لئے آپ کے گھر حاضر ہوا، آپ کی بڑی بیٹی کچھ چائے پانی میرے لئے لائی لیکن پردہ اور حجاب میں، فرمانے لگے بیٹا یہ آپ کی چچی جان کا بھائی ہے۔ اور دلہن رانی کا ماموں ہے اس سے پردہ نہ کیا کرو اور باجی جان نام لے کر فرمایا کہ جب یہ دلہن بن کر تمارے گھر آجائے گی تو یہ ملنے آئیں گے، آپ پردہ کریں گی تو کہیں میری بھاوج اور دلہن بیٹی کو دکھ نہ پہنچے۔ قبلہ تایا جان کو مجھے بہو کے روپ میں اپنے گھر دیکھنے کی اتنی تمنا تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی دنیاوی معاملے میں آپ کو اتنی خواہش کا اظہار کرتے نہیں دیکھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ شادی سے چند دن قبل وصال فرما گئے۔ میں حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے آخری دیدار کی کرامت کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جو آپ کی پوری زندگی کا نچوڑ ہے۔ جسے فلک نے دیکھا، فرشتوں نے ہزاروں، سوگوار آنکھوں کو دکھلایا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ان

برگزیدہ بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جن کی زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد اور قرابت داروں اور رشتہ داروں کے حقوق کی بجا آوری میں صرف ہوتی ہے۔ جب اس ولی اللہ کا جنازہ ان کی وصیت کے مطابق قبلہ قادری صاحب کی امامت میں پڑھنے کے بعد جنازہ گاہ کے صحن میں دیدار عام کے لئے رکھا گیا اور کفن کے بند کھولے گئے۔ رب ذوالجلال کی عزت کی قسم حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا چہرہ حقیقتاً پوری آب و تاب کے ساتھ مانند ماہتاب چمک رہا تھا اور آپ حقیقتاً مسکرا رہے تھے، بے ساختہ لوگوں کے منہ سے سبحان اللہ نکلا۔ قبلہ قادری صاحب کے قریبی ساتھیوں نے بے اختیار آپ کو بہ آواز بلند مبارک دی کہ دیکھو اللہ کا ولی لوگوں کو یہ سبق دے رہا ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی میں گذار دی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و عطا کا نظارہ کس طرح کرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

محترم صبغت اللہ قادری بیان کرتے ہیں:

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کے بارے میں کم سنی میں جو مشاہدہ کیا ہے اس کے مطابق ان کی شخصیت بہت بڑی روحانی شخصیت تھی اور وہ کامل متوکل انسان تھے۔ ہمارے والد محترم کی وفات کے بعد انہوں نے ہمارے سروں پر اسی طرح دست شفقت رکھا کہ ہمیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا ان کے اپنے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، اس کے باوجود وہ ہماری سرپرستی سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ملازمت کے سلسلے میں گھر سے باہر تشریف لے جاتے اور روزانہ شام اپنے گھر واپس آتے۔ ہفتہ میں ایک رات ہمارے گھر بسر کرتے۔ میں چونکہ گھر میں بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اولیاء کرام کے ارشادات اور معجزات کی روشنی میں نصیحتیں فرماتے۔ طرز تکلم میں اس قدر شائستگی کہ آپ اپنے سے چھوٹے بھائیوں کا نام بھی بڑے پیار و محبت سے لیتے۔ نام کے ساتھ صاحب ضروری لگاتے، اکثر ہمارے والد صاحب کو مہر صاحب اور چچا جان کو اسماعیل صاحب کہہ

کر پکارتے، جب ہمارے گھر تشریف لاتے اندر داخل ہونے سے پہلے آواز دیتے۔ صبغت اللہ اور پھر اندر تشریف لاتے ۔آپ ہر چھوٹے بڑے پر کمال شفقت فرماتے جہاں بھی تشریف لے جاتے بے پناہ ادب و احترم کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

محترم شفقت اللہ قادری بیان کرتے ہیں:

حضرت قبلہ تایا جی کی ہمہ گیر، ہمہ جہت اور سدا بہار شخصیت کا احاطہ کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے ۔تاہم انکی شفقت و محبت کے بحر بیکراں میں غوطہ زنی کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ عقیدت کے چند گوہر دامن قرطاس پر بکھیر سکوں جو نہ صرف میرے بلکہ ہر پڑھنے والے کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔میں ذاتی مشاہدات میں سے صرف وہ واقعات تحریر کر رہا ہوں جس سے آپ کی بھرپور سرپرستی اور ذمہ داری آشکار ہوتی ہے ۔ یہ واقعہ ۱۰ جون ۱۹۷۲ء کا ہے۔ جب قبلہ والد صاحب حرکت قلب بند ہونے کے باعث انتقال فرما گئے ۔اچانک خبر ملتے ہی گھر میں کہرام برپا ہوگیا۔ میں کم سن اور ناتجربہ کار تھا بڑے بھائی میٹرک کا امتحان دینے کے بعد اپنے آبائی وطن جھنگ آئے ہوئے تھے۔ باقی سب بہن بھائی مجھ سے چھوٹے تھے۔ پہلے تو خبر سنتے ہی مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تاہم خداوند قدوس نے حوصلہ دیا اور ایک سرکاری اہلکار کی معرفت ایکسچینج پہنچا اور جھنگ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کو الد صاحب کی وفات کی خبر دی۔ ٹیلی فون پر رابطہ سب سے پہلے آپ نے فرمایا ''بیٹا والدہ اور دوسرے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا میں فوری طور پر ڈسکہ پہنچ رہا ہوں۔گھبرانا نہیں آپ سب کو جھنگ میں خود لے آؤں گا۔'' یہ الفاظ سنتے ہی پردیس میں میری ڈھارس بندھی۔ آنسو خشک ہوگئے ،حوصلہ بلند ہوا فوری عرض کیا تایا جان آپ فکر نہ کریں۔ میں خود میت جھنگ لا رہا ہوں، انتظامیہ خصوصی تعاون کر رہی ہے۔ قبلہ تایا جی رحمہ اللہ خود آنے پر اصرار فرماتے رہے کہ بیٹا یہ میری ذمہ داری ہی نہیں قرض ہے۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی قسم کی فکر کی کیا ضرورت ہے۔ میری بات مان لی۔ جب تک ہم ڈسکہ سے جھنگ کے لئے روانہ ہوئے قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کے بیسیوں فون آئے۔

بڑے متفکر اور منتظر رہے۔ کہیں کوئی رکاوٹ یا پریشانی نہ ہو بچہ ہے گھبرا نہ جائے۔ لیکن ہم چھ بجے شام ڈسکہ سے روانہ ہوئے اور بوقت فجر جھنگ میں داخل ہوئے آپ نے راستے میں ہی ٹرک روکا اور ہم سب بہن بھائیوں کے سروں پر دست شفقت رکھا۔ آنسو پونچھے، سینے سے لگایا گھر لے گئے تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی والدہ محترمہ سے مخاطب ہوئے، فرمایا جس طرح آج سے ۱۹ سال پہلے بھاوج ہی نہیں بلکہ بہو اور بیٹی بنا کر لایا تھا بچوں کا سر ننگا نہ سمجھنا، آج سے میری باقی زندگی دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک حصہ اپنی اولاد اور دوسرا حصہ بھائی کی اولاد کے لئے وقف ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ننہال میں رہنے لگے تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ ملازمت کے سلسلے میں شہر سے باہر رہتے۔ ہفتہ میں دو چھٹیاں کرتے ایک دن رات اپنی اولاد کی سرپرستی اور تربیت میں صرف فرماتے اور دوسرا دن اور رات ہماری سرپرستی اور تربیت میں صرف فرماتے۔ قبلہ والد محترم کا سایہ تو ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔ لیکن شفقت پدری اور سرپرستی کی کمی ہرگز محسوس نہ ہوئی۔ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تقریباً دو سال تک رہا ۱۹۷۴ء آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور اس دن ہمیں احساس ہوا کہ ہم یتیم ہوگئے ہیں اور پھر ہماری پہاڑ کی طرح بلند حوصلہ والدہ محترمہ نے ہمیں والد اور والدہ کی دوہری محبت میں پروان چڑھایا۔

۹۔ جملہ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک اور خاندانی ذمہ داریوں کی قابل تقلید بجا آوری

ان کی عظیم شخصیت اہل خاندان کے معمولی سے معمولی معاملات میں بھی دلچسپی لینے میں کبھی مانع نہ ہوئی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب خاندان کے جملہ رشتہ داروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھتے۔ خاندان کا کوئی فرد عمر بھر یہ گمان نہ کرسکا کہ انہوں نے کسی کے حقوق کی ادائیگی میں معمولی سی کوتاہی کی ہو۔ وہ اہل خاندان کے معمولی سے معمولی معاملات پر بھی گہری نظر رکھتے۔ محترم شفقت اللہ قادری بیان کرتے ہیں: حضرت

قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی سربراہی ذمہ داری اور احساس کا ایک واقعہ یہ بھی ہے۔ جب ایک دفعہ معمول کے مطابق ہماری خیریت معلوم کرنے ہمارے گھر تشریف لائے اس وقت میں اپنی والدہ محترمہ سے بھینس کا چارہ لانے پر نہ صرف انکاری تھا۔ بلکہ جھگڑ رہا تھا کہ میں کیوں لاؤں بڑے بھائی خود لائیں اور والدہ صاحبہ خاصی پریشان اور ناراض تھیں جیسے ہی قبلہ تایا جی رحمہ اللہ گھر کے اندر داخل ہوئے آپ کو دیکھتے ہی والدہ صاحبہ نے میری فوری شکایت کر دی کہ یہ بہت تنگ کرتا ہے ضدی ہے کہنا نہیں مانتا شفقت پدری جوش میں آگئی مجھے پکڑ کر اوپر لے گئے علیحدگی میں خاموشی سے پٹائی کی اور سختی سے فرمایا اگر آئندہ والدہ کے لئے پریشانی کا باعث بنے اور گستاخی کی تو سخت سزا دوں گا۔ بظاہر تو یہ تنبیہ اور پٹائی گراں گذاری لیکن بعد ازاں مجھے سربراہی اور سرپرستی کا عظیم درس دے گئی۔ یہ ماں سے گستاخی پر سزا بھی تھی۔ ایسے حالات میں والدہ سے تعاون کا درس بھی دیا اور دوسرے بہن بھائیوں سے مجھے چھپا کر سزا دی ،تا کہ عزت نفس مجروح نہ ہو۔ آج تک ان کی عظیم شخصیت پر بلندی درجات کے لئے دعا گو ہوں میں نے آپ کو ہمیشہ دیکھا کہ خاندان کے غریب رشتہ داروں کا بہت خیال رکھتے۔ قبلہ تایا جی کے ننھیال کسی گاؤں میں رہتے ہیں۔ ایک ماموں تھے ان سے اور ان کی اولاد کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ ان کی خوشی غمی کے موقع پر بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی فیملی کو ساتھ لے کر جاتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ان کے معمولی سے معمولی کام کو بڑی دلچسپی سے کرتے ان میں جب کبھی کوئی بیمار ہوتا ان کو گاؤں سے جھنگ صدر اپنے گھر ٹھہراتے اور خصوصی توجہ سے ان کا علاج معالجہ کرتے ۔ ان کے علاوہ بھی خاندان کے دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں کسی کو مدد کی ضرورت ہوتی تو مدد فرماتے ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔

راقمہ کے ذاتی تاثرات

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ مجھ سے خصوصی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ میں پندرہ شعبان (شب برات) کو پیدا ہوئی۔ آپ نے سنا تو بہت خوش ہوئے۔ مٹھائی بانٹی

اور فرمایا یہ بیٹی بہت قسمت والی ہے۔ اس کو حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ مجھے اکثر فرماتے تھے کہ تم میری بہت پیاری بیٹی ہو، جب بھی آپ ہمارے گھر تشریف لاتے آپ کی بزرگی رعب اور دبدبہ کی وجہ سے میں جھجک محسوس کرتی اور آپ کے پاس نہ بیٹھتی۔ آپ مجھے اپنے پاس بلاتے مجھ سے چائے بنوا کر نوش فرماتے اور بہت اچھی اچھی نصیحتیں فرماتے۔ پھر جب قادری صاحب کے ساتھ میری نسبت طے کی تو آپ بہت خوش تھے اکثر قریبی رشتہ داروں کو فرماتے میری پیاری بھتیجی بہو بن کر ہمارے گھر آئے گی تو مجھے دلی مسرت ہوگی، میرے لئے خصوصی زیورات اور ملبوسات تیار کروائے اور شادی کی تمام تیاریاں مکمل کیں۔ ستائیس رمضان المبارک کو آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا عید کے دن تک تکلیف بہت بڑھ چکی تھی۔ ڈاکٹر نے بیڈ سے اُٹھنا منع کر دیا تھا۔ آپ ہمیشہ عید والے دن نماز عید سے فارغ ہوتے ہی ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، لیکن اس عید کے موقع پر آپ علالت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ میری والدہ صاحبہ کو پیغام بھیجا کہ بیٹی کو ملوانے کے لئے لے آئیں۔ میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گئی۔ جب میں کمرے میں داخل ہوئی مجھے دیکھتے ہی بیڈ سے اُٹھنے لگے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور مجھے فرمانے لگے بٹیا میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں تمہیں خود بیاہ کر اپنے گھر لے آؤں لیکن شاید اب یہ خواہش پوری نہ ہو سکے (شاید یہ آپ کا کشف تھا۔ کیوں کہ ایسے ہی ہوا) اور پھر کافی دیر مجھے اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ آپ کی تکلیف دن بدن بڑھتی گئی اور پھر ڈاکٹروں کے مشورہ سے ہسپتال ایڈمٹ ہوگئے۔ شادی کو چند دن باقی تھے مجھے ہسپتال بلا بھیجا۔ مجھے دیکھتے ہی آنکھیں بھر آئیں اور پھر کافی دیر تک میرے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔ شادی کی تاریخ موخر کردی گئی۔ ۱۶ شوال کو وصال فرما گئے ۔اور آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد ہماری شادی ہوئی ۔ نئے گھر میں بے پناہ محبت کرنے والی ایک شفیق و مہربان ہستی کو نہ پا کر میں بہت اداس رہنے لگی اور شادی کے کچھ دن بعد میں سخت علیل ہوگئی۔ قبلہ قادری صاحب نے میرا بہت علاج معالجہ کروایا لیکن تکلیف بڑھتی گئی سب گھر والے بہت پریشان تھے ایک دن تکلیف کے دوران ہی میری آنکھ لگی تو خواب میں حضرت قبلہ تایاجی رحمہ اللہ

تشریف لے آئے اور مجھے فرمانے لگے بٹیا تمہاری تکلیف کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں آپ لوگوں نے بہت علاج کروایا ہے لیکن آرام نہیں آرہا۔فلاں جگہ پرمیری طب کے موضوع پر قلمی کتابیں پڑی ہیں، فلاں صفحہ نوٹ کرلو اس پرنسخہ درج ہے اور قبلہ قادری صاحب کا نام لیا ان سے کہیں آج ہی یہ نسخہ تیار کروالیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خواب کا ذکر قبلہ قادری صاحب سے کیا اور نسخہ کا نمبر نوٹ کروایا۔ آپ نے فوراً متعلقہ کتاب اُٹھائی اور صفحہ دیکھا تو وہ میری تکلیف کے عین مطابق تھا۔نسخہ بہت زیادہ قیمتی تھا۔ آپ نے نسخہ فوراً تیار کروایا پہلی خوراک دی تو تکلیف میں کچھ کمی ہوئی اور پھر ایک ماہ میں مکمل آرام آگیا۔ یہ ان کی عظیم کرامت تھی۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کو وصال سے پہلے بھی مجھ سے بہت محبت تھی اور پھر وصال کے بعد ہمیشہ خواب کی صورت میں خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔ جب گھر میں کوئی تکلیف پریشانی ہو تو تشریف لاتے ہیں۔ دعا فرماتے ہیں مجھے تسلی دیتے ہیں اور خصوصی ہدایات فرماتے ہیں اور مجھے دلی تسکین ہوتی ہے۔ میں نے ہمیشہ ایک نہایت مشفق و مہربان، مدبر، غمگسار، صاحب حکمت و بصیرت ہر ایک کے دکھ درد بانٹنے والے اور ہر ایک کی ضرورتوں کی کفالت کرنے والے سربراہ خاندان کو دیکھا۔ ان کے اہل وعیال تو کیا ان کے دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں بھی کوئی شخص عمر بھر یہ گمان نہ کر سکا کہ انہوں نے کسی کے حقوق کی ادائیگی میں معمولی سی کوتاہی کی ہو۔ ان کی شخصیت کا کمال تو یہی تھا ایک طرف وہ علم و تفقہ فہم و فراست، عبادت و ریاضت، تبلیغ و خطابت، تدریس و تربیت، صوفیانہ اور روحانی مشاغل اور عالمانہ و محققانہ زندگی کی ان اعلیٰ منزلوں پر فائز تھے جہاں ہر زمانے میں کم ہی لوگ ان منزلوں کو طے کرتے ہیں۔ دوسری طرف ازدواجی عائلی اور خاندانی زندگی کے معمولی سے معمولی معاملات پر بھی اتنی گہری نظر اور بھرپور توجہ فرماتے اور حقوق کی ادائیگی کا وہ شاندار عملی نمونہ پیش فرماتے کہ ان کی زندگی اعلیٰ اور ادنیٰ اُمور کی بیک وقت حسین ادائیگی کا عظیم مرقع بن گئی تھی۔ ایسی جامعیت اور بھرپور زندگی بہت کم نظر آتی ہے جو جوں وہ زندگی کے کسی ایک گوشے اور علم وعمل اور فن کے کسی ایک پہلو میں آگے بڑھتے ہیں توں توں ان کی زندگی

کے دوسرے گوشے اور ان کی ذمہ داریوں کے کئی دیگر پہلو نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے فرائض کی انجام دہی میں مذہبی، علمی، روحانی دنیاوی ازدواجی اور خاندانی جملہ اُمور کو بیک وقت اعتدال اور کمال توازن کے ساتھ انجام دینا تاریخ میں کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ہمارے آقا حضور خاتم النبین ﷺ کی سیرت طیبہ کا طرۂ امتیاز بھی یہی ہے کہ ان جیسا حسن اعتدال اور حسن توازن عالم انسانیت میں کسی کو نصیب نہیں ہوا اور بڑے عظیم ہیں وہ لوگ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کے اس پہلو کا فیض نصیب ہوا ہے۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ایسے چند افراد میں سے ایک ہیں جن کو سیرت نبوی ﷺ کے اس پہلو کا خصوصی فیضان نصیب ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کے فیوضات و برکات سے ہم سب کو فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

حضرت فریدِ ملتؒ
اکابرین اور معاصرین کی نظر میں

ا۔ حضرت فرید ملتؒ کے دیرینہ دوست مولانا عبد الستار خان نیازیؒ کے تاثرات

ڈاکٹر فرید الدین قادری مرحوم و مغفور سے میرے دیرینہ دوستانہ روابط تھے۔ اِن کی شخصیت میں عجب شان محبوبیت تھی۔ جب کبھی میرا جھنگ کا دورہ ہوتا وہ خصوصی اہتمام کے ساتھ ملاقات کے لئے تشریف لاتے۔ اور بعض اوقات کسی وجہ سے وہ ملنے کے لئے تشریف نہ لا سکتے تو میں خود آپ کی رہائش پر ملاقات کے لئے پہنچ جاتا۔ کئی بار جامع مسجد پرانی عیدگاہ میں مختلف کانفرنسوں میں شریک ہوا جن میں وہ بھی تشریف لاتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور ایک عالم باعمل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ہر تیسرے سال سعادت حج مبرور سے فیض یاب ہوتے تھے۔ انہوں نے ایران، عراق، شام اور دمشق کے سفر بھی کئے۔ وہ ہر ملک میں بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتے اور فیض پاتے تھے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی شیاً للہ کے وہ مرید خاص اور عاشق زار تھے۔ انہوں نے کئی ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن میں ان کا اولیاء کاملین کے ساتھ روحانی رابطے کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کے مزار پر اپنی حاضر کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جب میں مزار اقدس پر گیا تو دروازے بند تھے۔ میری خواہش تھی کہ اندر جا کر شیخ عطار رحمہ اللہ سے روحانی فیض حاصل کروں۔ لیکن دروازہ بند ہونے پر پریشانی ہو رہی تھی اور سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ اچانک مزار کا خادم میرے

پاس آیا۔ اس کی بیوی درد زہ میں مبتلا تھی اس نے مجھ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حسن اتفاق سے میرے سوٹ کیس میں ایک ٹیکہ موجود تھا۔ میں نے خادم اور مجاور خاص کو تسلی دی۔ اور اسے بتایا کہ میں ڈاکٹر ہوں۔ چنانچہ میں نے اس کی بیوی کو انجکشن لگایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی آسانی کے ساتھ بچے کی پیدائش ہوگئی۔ اس پر مجاور بہت خوش ہوا۔ اس نے میرے لئے مزار کے دروازے کھول دیئے اور مجھے اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا۔

اسی طرح انہوں نے جامع مسجد امویہ دمشق میں ابدال سے ملاقات کا ذکر کیا کہ ایک رات مقام خضر علیہ السلام پر آخر شب دعا کی کہ اے اللہ ابدالوں کی جماعت کے کسی فرد کی زیارت کا شرف عطا فرما۔ اور اس طرح کہ مجھ سے وہ ہم کلام بھی ہو۔ اور میں اسے پہچان بھی سکوں۔ دعا کے بعد نماز فجر ادا کی۔ اور پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار اقدس پر سلام و فاتحہ کے لئے حاضر ہوا کہ اچانک ایک خوبرو سیاہ ریش عربی نوجوان مجھ سے مخاطب ہوا کہ ڈاکٹر فرید الدین صاحب کیا آپ نے مجھے پہچانا۔ میں نے جواب دیا کہ میں آپ کو نہیں پہچانتا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں آپ کی دعا ہوں۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا اور ان کا نام پوچھا فرمانے لگے۔ میرا نام عبدالعزیز ہے۔ میں یمن کا رہنے والا ہوں اور عرصہ تین سال سے شام میں متعین ہوں۔ میں اب آپ سے مسجد نبوی میں دوبارہ ملوں گا۔ اب آپ میرا تعاقب نہ کریں اور السلام علیکم کہہ کر تشریف لے گئے۔ کافی عرصہ بعد جب میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے سرزمین عرب پہنچا تو مسجد نبوی میں میری ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے مجھے بتایا کہ انہیں لیلۃ القدر کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے حکمت اور ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ درس نظامیہ کی تحصیل بھی کی ہوئی تھی۔ اور اکابر اساتذہ سے اکتساب علم کیا تھا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت ہے۔ جب بھی حج پر جاتے وہاں سے اپنے بیٹے ''طاہرالقادری'' کے لئے کتابیں ہمراہ لاتے تھے۔ کئی بار انہوں نے جلسوں میں اپنے بیٹے کی تقریر پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اور مجھے بتایا کہ

مجھے اس بچے میں سعادت کے آثار نظر آتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ علمی اور دینی حلقوں میں امتیازی مقام حاصل کرے گا۔ڈاکٹر طاہرالقادری نے کچھ دنوں کالجز میں بطور لیکچرار کام کیا۔ اور وکالت کی پریکٹس بھی کی۔ لیکن ان کے والد ماجد کی خواہش یہ تھی کہ وہ مرکز علم و ادب اور دین و دانش مدینۃ الاولیاء لاہور منتقل ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب لاہور آ گئے۔ یہاں پر ان کو ایسے مواقع ملے جن سے وہ اپنے علمی فضل و کمال کے اوج پر پہنچے اور اہل اسلام کو بھی فیض یاب کیا۔

ڈاکٹر فرید الدین صاحب کی وفات کے بعد میں ان کی تعزیت کے لئے حاضر ہوا۔ اور پھر ان کی رسم قل میں بھی شرکت کی۔ ڈاکٹر صاحب کے روحانی تصرفات کا ذکر ان کے صاحبزادے نے کئی بار ہمارے سامنے کیا۔ ایک واقعہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ اپنی بیگم کی علالت کے سلسلہ میں بے حد پریشان تھے۔ اور ڈاکٹر حکیموں نے مایوس کر دیا تھا۔ ان حالات میں والد ماجد نے خواب میں انہیں بتایا کہ میری بیاض میں فلاں صفحہ پر جو نسخہ لکھا ہوا ہے وہ استعمال کرو۔ شیخ الاسلام نے مجھے بتایا کہ وہی نسخہ میں نے استعمال کروایا اور اللہ تعالیٰ نے میری بیگم کو شفائے عاجلہ و کاملہ نصیب فرمائی۔ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کا اخلاص محبت اور خاکسار کے ساتھ والہانہ تعلق ایسی حسین یادداشت ہے جو میرے لئے قلبی سکون کا باعث ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے طاہرالقادری صاحب سے بھی مسلسل محبت اور خلوص کا تعلق قائم ہے۔ ان کے بچے ان کی بیگم اور ان کے اہل خاندان سب کو میں اپنے خاندان کے افراد سمجھتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنے رسالے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کے احوال زندگانی مرتب کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ ان کے فرزند دلبند اپنے عظیم والد مہربان کے ملفوظات، مکاشفات او رکرامات کو جمع کر کے اس نعمت غیر مترقبہ میں سب لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں۔ میں اپنے احباب کی فہرست میں ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے خلا کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں۔ بہرحال اپنا روحانی تعلق قائم ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مومن کامل کو حیات طیبہ عطا

کی جاتی ہے۔

نور قدیمی را بر افروز دست کلیمی در آستینی
از مرگ ترسے زندہ جاوید مرگ است صیدے تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نہ گیرند آدم بہ میرد از بے یقینی

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے حیات ابدی عطا کی ہے۔ اور وہ اس وقت بھی فضا قدس میں پرواز کرتے ہوئے ہمارے احوال سے باخبر ہیں۔ اور ان کا ہمارے ساتھ تعلق ہر وقت قائم و دائم ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فرزند دلبند کو بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر قائم و دائم رکھے انہیں بھی روحانیت کا وہی مقام عطا کرے جو ان کے والد ماجد کو حاصل تھا۔

۲۔ حضرت فرید ملتؒ کے دیرینہ دوست ڈاکٹر احسان صابری صابری قریشی کے ایمان افروز انکشافات

قومی ڈائجسٹ، شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء میں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے حوالے سے حضرت فرید ملت قادری علیہ الرحمہ کے علمی و روحانی مقام اور دینی خدمات کے بارے میں شائع شدہ بعض حقائق کے بیان پر مولانا صلاح الدین یوسف، ایڈیٹر 'الاعتصام' نے اپنے شمارہ جولائی ۱۹۸۹ء میں بعض گمراہ کن سوالات اُٹھائے تھے۔ جن

کا جواب حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے ایک دیرینہ دوست محترم ڈاکٹر احسان صابری قریشی (ایم۔ اے (پنجاب)، پی سی ٹی (لندن)، ایم۔ ڈی۔ ایچ (کلکتہ)) نے دیا ہے۔

مولانا صلاح الدین یوسف ایڈیٹر ''الاعتصام'' نے قومی ڈائجسٹ بابت ماہ جولائی ۱۹۸۹ء میں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے والد محترم مولانا ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے متعلق قومی ڈائجسٹ شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء کے حوالے سے کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہل حدیث تصوف و سلوک کے سلسلوں کو نہیں مانتے۔ وہ تو شریعتِ اسلامیہ کی چار مشہور فقہوں کے بھی قائل نہیں (حنفی۔شافعی۔مالکی۔حنبلی) حالانکہ علمائے بریلی اور علمائے دیوبند ان کے قائل ہیں۔ نیز وہ طریقت کے چار سلسلہ ہائے کے بھی قائل نہیں (چشتی۔ قادری۔ نقشبندی۔ سہروردی)۔ حالانکہ علمائے بریلی اور علمائے دیوبند ان چہار سلسلہ ہائے تصوف وسلوک کے قائل ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد حسن تو اپنے نام کے آگے چشتی صابری کے الفاظ لکھا کرتے تھے۔

میری پہلی ملاقات

میں اور ڈاکٹر فرید الدین تقریباً ہم عمر ہیں۔ میرا اِن سے رابطہ تب ہوا تھا جب وہ سیالکوٹ میں مولانا محمد یوسف کشمیری رحمہ اللہ سے دینی تعلیم حاصل کرنے آئے تھے۔ اور میرے تایا ڈاکٹر محبوب عالم قریشی کے ہاں قیام کیا تھا۔ میں ان ایام میں امرتسر میں قیام پذیر تھا۔ میں اپنے تایا ڈاکٹر محبوب عالم قریشی (ہومیو پیتھ) سے ملنے اکثر سیالکوٹ آیا کرتا تھا۔ اپنے تایا کے مکان پر میری اور ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی پہلی ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں پہلی ملاقات میں ہی ایک درویش صفت طالب علم پایا۔

۱۹۳۹ء میں میری تقرری (ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کی کوششوں سے ہی)

گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج جھنگ میں بطور لیکچرار کامرس (پوسٹ میٹرک کمرشل کلاس) ہوگئی۔ وہ جب بھی سیالکوٹ سے جھنگ آتے تو میرے پاس قیام کرتے۔ اپنے وطن میں اپنے والد صاحب کے ہاں اس لئے نہیں ٹھہرتے تھے کہ وہ انہیں سیالکوٹ یا لکھنؤ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس طرح میری اور ان کی دوستی میرے تایا جان کے توسط سے چل نکلی۔ جب بھی مجھے گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ سے فراغت ملتی (یعنی تعطیلات موسم گرما، تعطیلات موسم سرما، تعطیلات موسم بہار وغیرہ) میں سیدھا امرتسر جاتا، جہاں میرے والد اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز تھے۔ پھر میں سیالکوٹ چلا جاتا جہاں میرے تایا ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ایک سکول بھی چلا رکھا تھا۔ وہاں ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی۔

۱۹۴۰ء میں منعقدہ تاریخی اجلاس میں شرکت

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا مشہور تاریخی اجلاس (آل انڈیا مسلم لیگ) لاہور میں شروع ہونے والا تھا۔ یہ اجلاس تین روز جاری رہنا تھا۔ یعنی جمعہ ۲۳ مارچ ہفتہ ۲۴ مارچ اور اتوار ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء۔ ان ایام میں دفعتہً ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ جھنگ تشریف لائے اور اپنے والد صاحب کے گھر ٹھہرنے کی بجائے میرے ہاں ٹھہرے۔ مجھے انہوں نے مشورہ دیا کہ آؤ لاہور چلیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں متواتر تین روز شرکت کریں۔ میں نے عرض کی کہ میں اس وقت سرکاری ملازم ہوں اور میری ملازمت کا یہ پہلا سال ہے۔ کوئی دشمن رپورٹ کر دے گا کہ اس نے کیوں ایک سیاسی جلسے میں شرکت کی۔ فرید صاحب نے کہا کہ اس اجلاس میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ خطے کا ریزولیشن پاس ہوگا اور قائد اعظم محمد علی جناح بنفس نفیس اس کی صدارت کریں گے اس لحاظ سے یہ ایک تاریخی اجلاس ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انشاء اللہ مسلمان ایک علیحدہ خطہ انگریز سے لے کر رہیں گے۔ چنانچہ میں نے فرید صاحب رحمہ اللہ کا مشورہ مان لیا اور دو دن کی رُخصت کی درخواست کالج میں دے دی۔ یعنی ۲۳ اور ۲۴ مارچ کی اتفاقیہ رخصت (۲۵

مارچ کو اتوار کی وجہ سے ویسے ہی تعطیل تھی) لے لی۔ درخواست میں لکھا کہ ایک اشد ضروری کام سے وطن جا رہا ہوں۔ ۲۲ مارچ کو میں اور ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ دونوں لاہور پہنچے۔ میں چونکہ طالب علمی کے زمانے میں مسلم لیگ کا والنٹیئر بھی رہا تھا اس لئے ۲۳ مارچ کے اجلاس میں ہم دونوں نے پہلی قطار میں جگہ حاصل کر لی۔ قائداعظم کی تقریر کے دوران میں نعرے لگاتا تھا اور میرے پیچھے فرید صاحب جوابی نعرہ (بمعہ حاضرین اجلاس) مل کر لگاتے تھے۔ ہم دونوں کی آواز بہت بلند تھی، اتنی بلند کہ نعروں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت سے بھی ہم بے نیاز تھے۔ لاؤڈ اسپیکر مقررین کے لئے مختص تھا۔ مسلم لیگ زندہ باد، قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے ہم دونوں پوری قوت کے ساتھ لگا رہے تھے۔ قائداعظم رحمہ اللہ ہم دونوں سے بہت خوش نظر آتے تھے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم دونوں کو داد دے رہے تھے۔ مولوی ابو القاسم فضل الحق نائب خلیق الزماں اور نوابزادہ لیاقت علی خاں بھی ہم کو شاباش دے رہے تھے۔

اجلاس تین روز جاری رہا، اور ہم دونوں نے تینوں روز فلک شگاف نعرے لگائے۔ اجلاس کے اختتام کے بعد فرید صاحب رحمہ اللہ تو سیالکوٹ چلے گئے اور میں اپنی ملازمت پر واپس جھنگ آ گیا۔ لالہ رگھو ناتھ رائے وائس پرنسپل گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ نے میرے خلاف رپورٹ کر دی کہ احسان قریشی صابری نے سرکاری ملازم (لیکچرار) ہونے کے باوجود آل انڈیا مسلم کے اجلاس منعقدہ لاہور میں متواتر تین روز شرکت کی ہے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار: ۲۳، ۲۴، ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء) اس مقصد کے لئے اس نے دو روز کی رخصت اتفاقیہ لی۔ تیسرے روز ویسے ہی تعطیل بوجہ اتوار تھی۔ یہ رپورٹ مسٹر ولیم ہربرٹ فلیچر آرمسٹرانگ ڈی۔ پی۔ آئی پنجاب کو ارسال کی گئی۔ کالج کے پرنسپل چار روز کی چھٹی پر تھے۔ لالہ رگھو ناتھ رائے وائس پرنسپل قائم مقام پرنسپل کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مسٹر آرم سٹرانگ ڈی۔ پی۔ آئی نے رائے بہادر مسٹر من موہن ڈپٹی ڈائریکٹر پنجاب کو میرے معاملہ میں انکوائری آفیسر مقرر کیا۔ مسٹر من موہن نے میرے خلاف تین صفحے بھر کر

لکھے کہ اسے سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔ گورنمنٹ سرونٹ ہوتے ہوئے اس کا کوئی حق نہ تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کرتا۔ میرے والد صاحب جو کہ امرتسر میں اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز تھے انگریزی ڈی۔ پی۔ آئی سے ملے اور عرض کی کہ میرے لڑکے کی ملازمت کا یہ پہلا سال تھا۔ اسے گورنمنٹ سرونٹس کنڈکٹ رولز کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کے خلاف اتنا بڑا ایکشن نہ لیا جائے۔ یہ کیس ڈیڑھ سال تک چلتا رہا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ (راقم الحروف) احسان قریشی صابری کا پے سکیل تو وہی (لیکچرار) کا رہنے دیا جائے مگر اسے جھنگ کالج سے ملتان کے گورنمنٹ ہائی سکول میں بطور کمرشل ٹیچر ٹرانسفر کر دیا جائے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں مجھے ملتان کے گورنمنٹ ہائی سکول میں ٹرانسفر کر دیا گیا تھا۔

قادیانیت سے توبہ کرا دی

۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل پرائز والے) گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ کی دسویں جماعت کے طالب علم تھے۔ کالج میں نویں، دسویں ، فسٹ ایئر، سیکنڈ ایئر اور پوسٹ میٹرک کمرشل کلاس کی پانچ جماعتیں تھیں۔ سال ڈاکٹر عبدالسلام میٹرک کے امتحان میں پنجاب بھر میں فسٹ آئے۔ گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ کا نام صوبہ بھر میں بہت بلند ہوا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے والد مولوی محمد حسین دفتر ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز جھنگ میں ہیڈ کلرک تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے تایا مولوی غلام حسین لائل پور کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز تھے اور اسی سال ریٹائر ہو کر جھنگ میں ہی اپنے آبائی مکان میں آبسے تھے۔ یہ دونوں بھائی (مولوی حسین اور مولوی غلام حسین) میرے ہمسائے تھے۔ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ سے بھی ان کی علیک سلیک تھی۔ ایک بار جھنگ شہر ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کا مناظرہ ان دونوں بھائیوں سے ''احمدیت'' کے موضوع پر ہوا۔ میں اس مناظرہ میں موجود تھا اور پروفیسر صوفی ضیاء الحق بھی موجود تھے۔ تین دن مناظرہ جاری رہا۔ آخر کار یہ دونوں بھائی اس مسئلہ کو مان گئے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی ہندوستان میں تو کجا اس دنیا میں

بھی نہیں آسکتا۔ اس بات پر مرزائیوں میں یعنی احمدیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اسے ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی کھلی کرامت سمجھا گیا۔ قادیان میں اس سلسلہ میں فیصلہ کیا گیا کہ مولوی محمد حسین کو جھنگ سے کہیں اور ٹرانسفر کروایا جائے، جہاں اس کی ملاقات ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ سے نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ جھنگ میں اکثر آتا جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین کو جھنگ سے ملتان ٹرانسفر کروادیا گیا۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اتفاق کی بات دیکھئے کہ راقم الحروف اور مولوی محمد حسین ۱۹۴۱ء میں اکٹھے ہی دونوں جھنگ سے ملتان تبدیلی کر دیئے گئے۔ مولوی محمد حسین کو رائے بہادر کاہن چند کھنہ (K.L. Khanna) ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز ملتان کا ہیڈ کلرک مقرر کیا گیا، اور مجھے گورنمنٹ ہائی سکول ملتان کی کمرشل کلاس کا انچارج مقرر کیا گیا۔ مولوی غلام حسین ریٹائرڈ DIS بھی اپنے بھائی کے ساتھ ملتان آگئے۔ یہاں مرزا بشیرالدین محمود احمد نے مولوی غلام رسول راجیکے کو ملتان چھ ماہ کے لئے بھیج دیا کہ مولوی محمد حسین اور مولوی غلام حسین دونوں کو پھر سے احمدی بنایا جائے۔ مولوی غلام رسول راجیکے اس میں کامیاب ہوگئے۔ دریں اثنا میں نے بڑی کوشش کی کہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ لکھنؤ سے ملتان صرف ایک ہفتہ کے لئے آجائیں تاکہ ان دونوں بھائیوں کو پھر سے تائب کرادیں مگر فرید صاحب کسی وجہ سے ملتان نہ آسکے۔

مولانا صلاح الدین یوسف مدیر ''الاعتصام'' نے قومی ڈائجسٹ کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھا ہے کہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے عالم بیداری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کیوں اور کیسے کر لی؟ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی بنفس نفیس ان کے پاس کیسے آگئے؟ ساٹھ ستر سال قبل یو۔پی میں ایک بزرگ تھے شاہ حسن رسول نما۔ وہ اپنے چیدہ چیدہ مریدوں کو عالم بیداری میں ہی تین منٹ کے لئے سرورِ کائنات نبی اکرم ﷺ کی زیارت کروا دیا کرتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب میں شاہ حسن رسول ﷺ نما کی بڑی تعریف کی ہے اور تصدیق کی ہے کہ وہ عالم بیداری میں ہی سرور کائناتؐ کی زیارت

کرا دیا کرتے تھے۔

۱۹۳۰ء میں پھر پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کو عالم بیداری میں غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی زیارت گولڑہ شریف میں ہی کروادی تھی۔ اس بات کا اقرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی بیشتر تقاریر میں کیا تھا۔ راقم الحروف نے خود یہ واقعہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی زبانی سنا تھا۔

مدیر ''الاعتصام'' نے اپنے مضمون کے آخر میں ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک عالم دین نہ تھے۔ وہ کیسے سعودی عرب میں عرب کے چوٹی کے علماء کے ساتھ مناظرہ کر سکتے تھے! ڈاکٹر طاہر القادری اس سلسلے میں کوئی ثبوت پیش کریں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ بھی دیگر کہانیوں کی طرح اسی ٹکسال کی گھڑی ہوئی کہانی ہے جس ٹکسال سے آج کل بہت سی کہانیاں گھڑ گھڑ کر باہر آ رہی ہیں۔ جناب مدیر الاعتصام صاحب! ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے جو کچھ لکھا ہے سو فی صد سچ لکھا ہے۔ اس مناظرہ کے گواہ ہم دو باپ بیٹا ہیں:

(۱) پیر محمد عبدالغنی قریشی، سابق اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز۔ امرتسر

(۲) راقم الحروف ڈاکٹر احسان قریشی صابری، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج آف کامرس سیالکوٹ

سعودی علماء کے ساتھ مناظرے کا میں چشم دید گواہ ہوں

والد محترم تو فوت ہوگئے ہیں مگر راقم الحروف خدا کے فضل سے زندہ ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹا جب عمرہ کے لئے سعودی عرب گئے ہوئے تھے تو یہ مناظرہ ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو جب علم ہوا کہ ہم دونوں وہاں ہیں تو وہ ہمیں اپنے ہاں لے گئے۔

یہ واضح کر دوں کہ عرصہ ۵ سال سے میری ملاقات ڈاکٹر علامہ طاہر القادری

سے نہیں ہوئی۔ گذشتہ ماہ انہوں نے چار روز ضلع سیالکوٹ میں گذارے۔ جس رات انہوں نے تالاب مولا بخش میں تقریر کی مَیں وہاں موجود تھا۔ مَیں نے ان کی تمام تقریر سنی اور تقریر سن کر عش عش کر اُٹھا کہ بیٹے میں باپ کی نوری جبلت کس درجہ اتم قدرت نے بھر رکھی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری میرے دوست ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں۔ قدرتی محبت کی وجہ سے میں نے ان سے ملنے کی بہت کوشش کی۔ مگر نوجوان نے مجھ بوڑھے کو ان سے ملنے سے روک دیا اور باوجود صد کوشش کے ۷۰ سال کا یہ بوڑھا اپنے دوست کے بیٹے سے نہ مل سکا۔ دوسرے روز میں نے چٹی شیخاں کے گاؤں جانے کی بڑی کوشش کی تاکہ اپنے محبوب دوست ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے بیٹے سے وہاں کے جلسہ میں پانچ دست منٹ مل تو لوں۔ مگر قدرت کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ اس روز میری بیٹی مجھ سے ملنے کے لئے لاہور سے سیالکوٹ آگئی اور میں چٹی شیخاں کے گاؤں بھی نہ جا سکا۔ میرے نواسے نے اپنے نانا کو اس گاؤں جانے نہیں دیا۔

میرا مقصد ان سطور کے لکھنے سے یہ ہے کہ کہیں یہ سمجھ نہ لیا جائے کہ مجھے یہ مضمون ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے خدانخواستہ لکھوایا ہے۔ میری تو ان سے گذشتہ ۵ سال سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ میں نے یہ مضمون اس واسطے لکھا ہے کہ میرے دوست ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ ایک عالم بے بدل اور فاضلِ اجل تھے۔ قائد اعظم رحمہ اللہ کے والہ و شیدا تھے اور میرے ساتھ اجلاس میں نعرے لگایا کرتے تھے۔ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ صائم الدھر اور قائم اللّیل تھے۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی تمام زبانوں پر ان کو پورا پورا عبور تھا۔

حق تعالیٰ ان کے مرقد پر نور کی بارش کرے۔ (آمین)

نظر نہیں تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغ اصیل

۳۔ مہر غلام عباس لالی کے تاثرات

مہر غلام عباس لالی جن کا تعلق کانویں والا کے ایک بڑے زمیندار خاندان سے ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ ،صوفی منش انسان ہیں۔ وہ انتہائی ملنسار، بامروت اور اولیاء کرام سے محبت کرنے والے ہیں۔ جب ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کانویں والا میں اقامت پذیر تھے تو موصوف کا زیادہ وقت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں گزرتا تھا۔ جب مہر صاحب سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے تاثرات قلمبند کراتے ہوئے فرمایا۔ بعد ازاں علاقہ کے ایک زمیندار اور انتہائی معزز شخصیت مہر نور محمد لالی نے بھی ان واقعات کی تصدیق کی۔

(ا) بطور طبیب و معالج ڈاکٹر صاحب کا مقام

ان کی طبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے چند ایک واقعات بیان کئے جو کہ درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر فرید الدین صاحب کا طبی مقام بہت بلند تھا۔ ایک دفعہ میرے چچا مہر مراد بخش سخت بیمار پڑ گئے۔ کافی حکماء ڈاکٹر صاحبان سے علاج معالجہ کرایا، لیکن افاقہ نہ ہوا تو انہیں علاج کے لئے دہلی میں حکیم اجمل خان کے پاس لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں نے دو ماہ تک علاج کیا تو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اگر مریض یہاں رہا تو میں اس کا علاج جاری رکھوں گا وگرنہ موسم بدلنے کے ساتھ یہ مرض عود کر آئے گا۔ اس پر میرے والد مہر محمد محسن لالی نے کہا کہ ہم مریض کو لے جا رہے ہیں۔ آپ نسخہ تجویز کر دیں۔ ہم وہاں علاج کا بندوبست کر لیں گے۔ حکیم اجمل خان نے کہا ایسا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اس قسم کے مرض میں مریض کی حالت اور موسم کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کے پیش نظر ادویات میں بعض اجزاء میں کمی بیشی کرنا پڑتی ہے۔ وہ لوگ مریض کو لے کر واپس آ گئے تو حکیم اجمل خان کے کہنے کے مطابق موسم کی تبدیلی کی وجہ سے مرض اور زیادہ بڑھ گیا۔

مریض کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا علاج میں کروں گا۔ چنانچہ آپ نے علاج کیا تو ان کا مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا اس پر والد صاحب نے خوش ہوکر ڈاکٹر صاحب کو ایک ددھیل بھینس بمع بچہ تحفتہً پیش کی۔

ایک دفعہ میرے والد مہر محمد محسن لالی سخت بیمار ہو گئے تو حکماء نے بتایا کہ ان کا جگر خراب ہے۔ مگر ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی تشخیص یہ تھی کہ مریض کینسر کی ایک قسم میں مبتلا ہے۔ اس بات کو کافی برس گزر گئے تو مہر صاحب کو دوبارہ تکلیف شروع ہوئی اور انہیں لاہور کے نامور اور ممتاز ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے پاس علاج کے لئے لے جایا گیا۔ انہوں نے علاج شروع کیا لیکن بیماری میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر ڈاکٹر الٰہی بخش نے بتایا کہ مریض کینسر کی آخری لاعلاج سٹیج میں ہے۔ اس طرح ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے جو بات کئی برس پہلے بتا دی تھی وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کا زہد وتقویٰ

مہر غلام عباس لالی اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ڈاکٹر فرید الدین کے مقام زہد وتقویٰ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور ڈاکٹر صاحب اکٹھے کار پر سرگودھا گئے۔ گرمی کا موسم اپنے شباب پر تھا۔ پیاس سے ہمارا بُرا حال تھا سوچا کہ کہیں چل کر ٹھنڈے مشروب سے پیاس بجھاتے ہیں۔ سو ہم ایک مشہور دوکان ''پرویز سوڈا واٹر'' پر چلے آئے۔ جب میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے مشروب پی لیا تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا مشروب تھا میں نے ازراہ تفنن طبع کہا کہ یہ جو کی شراب ''بیئر'' تھی۔ ڈاکٹر صاحب کا اتنا سننا تھا کہ انہوں نے حلق میں انگلی ڈال کر اسی وقت قے کر دی۔ وہ مجھ سے اتنا ناراض ہوئے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر واپس بس کے ذریعے کانویں والا آ گئے۔

اس واقعہ کے بعد وہ کافی عرصہ مجھ سے ناراض رہے۔ ان کی ناراضی مجھے کافی

شاق گزری۔ میں نے کچھ دوستوں کو صلح و صفائی کے لئے کہا۔ میں نے انہیں بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ بیئر (شراب) نہیں بلکہ جو کا سادہ مشروب تھا۔ تب انہوں نے مجھے معاف کردیا۔ اس واقع سے ان کے تقویٰ وطہارت کے عالم کا پتہ چلتا ہے۔

(۳) ڈاکٹر صاحب پیکر شرم و حیاء

مہر غلام عباس صاحب بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب میں شرم و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کبھی کسی سے بدخلقی اور سوء ادب سے پیش نہ آئے۔ وہ رفع حاجات کے لئے گاؤں سے کافی دور جایا کرتے تھے۔ اونچی آواز سے قہقہہ لگانے سے پرہیز فرماتے تھے۔ وہ کہا کرتے کہ بلند آواز سے قہقہہ لگانا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور دلوں کو مردہ کر دیتا ہے۔

(۴) ڈاکٹر صاحب غایت درجہ مونس و غم خوار

مہر غلام عباس صاحب ڈاکٹر صاحب کی حد درجہ رحم دلی اور غمگساری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ جب میرا جوان بیٹا جاوید جو اس وقت فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا۔ قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا تو ڈاکٹر صاحب تعزیت کے لئے کانویں والا میں تشریف لائے، جوان مرگ بیٹے کی جدائی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک واقعہ سنایا۔ کہنے لگے کہ آپ ہی کی طرح والدین کا ایک اکلوتا بیٹا فوت ہوگیا۔ والدہ نے رو رو کر خود کو بے حال کر لیا۔ ایک رات بیٹا والدہ کو خواب میں ملا۔ کیا دیکھتی ہے کہ نوجوان لڑکوں کی ایک قطار لگی ہوئی ہے، ہر لڑکے کے ہاتھ میں ایک موم بتی روشن ہے۔ آخر میں اس کا بیٹا کھڑا ہے جس نے ہاتھ میں موم بتی تھامی ہوئی ہے اور اس کی روشنی بہت مدھم ہے۔ ماں پوچھتی ہے کہ بیٹا تمہاری موم بتی کی روشنی کو کیا ہوگیا، وہ اس قدر کم کیوں ہے تو بیٹا جواب دیتا ہے کہ ماں آپ کے آنسوؤں نے میری موم بتی کی روشنی کو مدھم کر دیا ہے۔

(۵) ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات

مہر غلام عباس لالی کا بیان ہے کہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ سے پہلے ہم لوگ صرف نام کے مسلمان تھے۔ کبھی نماز پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی۔ گاؤں کی مسجد میں جمعہ کی نماز کا اہتمام تھا مگر لوگوں کو زیادہ رغبت نہ تھی۔ مشکل سے ایک دو صفیں بھرتی تھیں۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو مسجد میں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا خطبہ سننے کے لئے دور دراز دیہات سے زمیندار اور دوسرے لوگ آتے۔ آپ خطبہ فی سبیل اللہ دیا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ جہاد کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے تو ہر شخص پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے تیار ہوگیا۔

آپ کی شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمہ اللہ (فیصل آباد) سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اس کا عملی مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب آپ نے انہیں جامع مسجد کانویں والا میں خطاب فرمانے کی دعوت دی۔

(۶) مرزائیوں سے مقابلہ

آپ جن دنوں کانویں والا میں مقیم تھے۔ ایک قریبی گاؤں صدیق آباد مرزائیوں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا، جو کانویں والا سے فاصلے پر واقع تھا۔ مرزائیوں نے منصوبہ بنایا کہ کانویں والا کے زمینداروں کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ملا لیں۔ اور ان کی سیاسی قوت کو اپنے تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں ٹھیکے لینے شروع کر دیئے۔ اور ان کی آڑ میں تبلیغ کا کام کرنے لگے۔ جب ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو مرزائیوں کے ان عزائم کا پتہ چلا تو انہوں نے مرزائیوں سے مناظرے کئے اور اپنے دلائل سے انہیں شکست فاش دے دی۔ اس طرح پورے علاقے کو مرزائیت کے فتنے سے بچا لیا۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب یہاں تشریف نہ لاتے تو پورا علاقہ ربوہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مرزائیت کی زد میں آجاتا۔

(۷) محبت اہل بیت ومحبت صحابہ ﷺاور اہل اللہ سے لگاؤ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ محبت رسول اور محبت اہلبیت سے سرشار تھے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام کا کثرت سے ذکر کرتے بڑی مدلل تقریر کرتے جس میں اکثر دلائل قرآن وحدیث سے دیتے۔ تاریخ کا انتہائی گہرا ادراک رکھتے تھے۔

حضور ﷺ کی ذات گرامی سے آپ کو خصوصی قلبی تعلق تھا۔ آپ کو یہ شعر بہت پسند تھے:

جسے دیکھا وہ نظر آیا مستانہ محمدؐ کا
مرے مولا رہے آباد مے خانہ محمدؐ کا
اگر مانگا خدا بھی تو وہ مل گیا فوراً
بڑا دربار ہے دربار شاہانہ محمدؐ کا

آپ کو مولانا جامی رحمہ اللہ، مولانا رومی رحمہ اللہ اور اقبال رحمہ اللہ سے خصوصی نسبت تھی۔ اکثر تقریروں میں ان حضرات کے کلام کا حوالہ دیتے تھے۔ کمالات معراج النبیؐ بیان کرتے ہوئے یہ شعر بڑے والہانہ انداز سے پڑھتے۔ ؎

اگر برتر از یک بموئے پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

آپ کو حضرت جامیؒ کی یہ نعت سب سے زیادہ پسند تھی جس کا مطلع ہے:

نسیما جانب بطحا گزر کُن
زا حوالم محمدؐ را خبر کن

آپ یہ نعت پڑھ کر بے حد جھومتے اور روتے جاتے تھے۔ جب وارفتگی حد سے بڑھ جاتی تو میں انہیں تھام لیتا اور کہتا ''یار فرید اب بس'' اس پر آپ فرماتے ''عباس تمہیں

کسی سے عشق ہو جائے تو پھر پتہ چلے۔''

محرم کے دنوں میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا کا ذکر خاص اہتمام سے کرتے اور رقت و گریہ کی عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت علیؓ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ ''جناب علی کرم اللہ وجہہ کی شان کو کسی نے پہچانا ہی نہیں۔''

خطابات جمعہ کے موقعوں پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا کثرت سے ذکر کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرماتے۔ صحابہ کرام کی محبت کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔

اولیاء کرام سے محبت آپ کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہوئی تھی۔ یوں تو آپ کو تمام اولیاء کرام سے بے پناہ عقیدت تھی۔ لیکن حضرت خواجہ اویس قرنی رحمہ اللہ سے خصوصی نسبت اور لگاؤ تھا۔ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کا ذکر کرتے اور روتے جاتے۔ پھر سلطان الاولیاء غوث صمدانی محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادری جیلانی رحمہ اللہ کے عشق میں تو آپ فنا تھے۔ آپ ''یا شیخ عبدالقادری المدد شیئاً للہ'' کا ورد کثرت سے کرتے تھے۔ اسی محبت اور وظیفے کا اثر اور روحانی فیوض و برکات کا تسلسل تھا کہ جب کبھی دورانِ خطبہ کوئی چیز بھول جاتے تو چند سیکنڈ آنکھیں بند کر کے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو یاد فرماتے جس سے بھولی ہوئی چیز یاد آجاتی۔

آپ عرس کے مواقع پر غیر شرعی حرکات کا خاص نوٹس لیتے۔ اور فرماتے کہ اس سے ثواب کی بجائے اُلٹا گناہ ملتا ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ماہانہ ختم شریف ضرور دلواتے تھے۔ کم تنخواہ کے باوجود صدقات و خیرات کرتے رہتے تھے۔ غریبوں میں بیٹھ کر زیادہ خوش ہوتے تھے۔

۴۔ حضرت صاحبزادہ فضل رسول حیدر

(جگر گوشہ محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمدؒ)

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری راسخ العقیدہ سنی اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ اور اس امر پر شاہد آپ رحمہ اللہ کا حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمتہ کے ساتھ خصوصی تعلق کافی ہے۔ کیونکہ کسی کمزور عقیدہ کے مالک شخص سے حضرت محدث اعظم علیہ الرحمتہ کا تعلق تو درکنار آپ کا اس سے ملاقات فرمانا بھی ناممکن تھا۔ حضرت محدث اعظم علیہ الرحمتہ جناب ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمتہ پر خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور نماز عصر کے بعد آپ علیہ الرحمتہ کی ڈاکٹر صاحب سے الگ نشست ہوتی۔ اور اس وقت ڈاکٹر صاحب آپ علیہ الرحمتہ سے بعض کتب پڑھا کرتے۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب کے علاوہ آپ علیہ الرحمتہ کا کسی اور کو الگ پڑھانے کا معمول قطعاً نہ تھا۔ بلکہ آپ علیہ الرحمتہ نماز عصر سے مغرب تک پڑھنے سے منع فرمایا کرتے۔ کیونکہ اس وقت پڑھنے سے نظر کمزور ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو اس وقت پڑھانے کی وجہ شاید یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کو فراغت ہی اسی وقت میسر آتی تھی، کیونکہ آپ لالیاں سے تشریف لاتے تھے اور پھر واپس بھی جانا ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے غالباً آپ علیہ الرحمتہ سے خیالی اور توضیح ،تلویح یہ کتب پڑھی تھیں۔ مجھے اس وقت صغر سنی کی وجہ سے آپ کے متعلق مزید معلومات نہیں ہیں۔

۵۔ حضرت علامہ صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ (فیصل آباد)

۱۷، اپریل ۱۹۹۰ء بروز پیر افطاری کے بعد الحاج محمد رشید قادری صاحب حاضر ہوئے اور انہوں نے ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت شاہ صاحب سے تاثرات قلمبند کئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

”میں عرصہ دراز سے صاحب فراش ہوں۔ یادداشتیں بھی کمزور پڑ چکی ہیں۔ مگر

پھر بھی ڈاکٹر علامہ فرید الدین القادری رحمہ اللہ کے ساتھ زندگی کی اہم یادیں وابستہ ہیں۔ وہ علم و حکمت کے پیکر، نہایت ہی متقی اور پرہیزگار اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ مختلف مکاتب فکر میں تقابلی بحث میں یدطولیٰ رکھتے تھے، بہترین مناظر تھے۔ علماء و مشائخ کرام کی عزت و تکریم بہت زیادہ کرتے تھے۔ میں جب بھی جھنگ جاتا تو انہیں کے دولت خانہ کا مہمان بنتا۔ آپ بہترین مہمان نواز تھے۔ آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ہم رات کو تہجد کے لئے اکٹھے اُٹھتے تھے۔ میرے ساتھ اکثر مولانا محمد سلیم جھال خانوانہ ہوتے۔ اس وقت طاہر القادری صاحب کی عمر ۶ سال ہوگی۔ ہر دفعہ ان کی ایک ہی فرمائش ہوتی کہ میرے بچے طاہر بیٹے کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت کچھ بنا دے۔ اور یہ حق ہے کہ علامہ طاہر القادری صاحب آج انہیں کی دعاؤں کی بدولت بہت کچھ ہیں۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

ایک واقعہ دھوپ سڑی جھنگ کا یاد آیا ہے۔ ہوا یوں کہ ”ایک اجتماع میں عورتوں کے حصہ میں کسی شرپسند نے سانپ چھوڑ دیا۔ فوراً ایک عورت نے سانپ کو سری سے پکڑ کر باہر دور پھینک دیا۔ مجمع منتشر نہ ہوا۔ وہاں بہت سے علماء کی موجودگی میں علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے نہایت پُر جوش آواز میں فرمایا کہ جس قوم کی بیٹیوں میں اتنی جوان ہمت موجود ہے تو اس قوم کے جوانوں کا کیا حال ہوگا۔“

۶۔ معرف شاعر صاحبزادہ رفعت سلطان قادری (جھنگ)

حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے ہمراہ کئی مشاعرے پڑھنے کا موقع ملا۔ وہ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک طویل منقبت حضرت سلطان العارفین رحمہ اللہ کی انہی کے سرہانے بیٹھ کر لکھی۔ اس کا ایک مصرع ہے:

جھولی لاکھوں کی تونے بھر دی ہے

یہ منقبت انہوں نے خود مجھے سنائی۔وہ میرے بڑے مربی اور دوست تھے۔ اکثر ان سے میرے گھر اور ان کے گھر پر صحبتیں رہیں۔ میں نے ان سے کئی مرتبہ علاج بھی کروایا۔ وہ مجید امجد، غلام محمد رنگین، شیر افضل جعفری کے ہمعصر تھے۔ وہ روایت پسند شاعر تھے۔لکھنؤ کے فارغ التحصیل طبیب تھے۔ میں ان دنوں فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا۔اس وقت میں نے اپنی شاعری کی ابتدا ہی کی تھی ۔اس ابتدائی دور میں مَیں نے ایک شعر کہا:

رخ نازک کا رنگ جانفزا دونا نکھر جائے
اگر وہ گھول کر مہندی لگائیں خون بسمل میں

حکیم صاحب چونکہ لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے،تو انہوں نے حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کی نسبت کی وجہ سے مختصراً کہا کہ اردو میں گھول کر مہندی لگانا روا نہیں بلکہ ’’اگر وہ پیس کر مہندی لگائیں‘‘ کہیں تو یہ اہل زبان کی بات ہوگی۔ یہ بات مجھے آج تک یاد ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک پرہیز گار اور زاہد و عابد انسان تھے۔ جب جھنگ ہسپتال میں ان پر فالج کا حملہ ہوا تو میں اکثر وہاں ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ علامہ محمد طاہر القادری صاحب ان دنوں اپنے والدمحترم کی خوب خدمت کرتے تھے۔ اور مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے بیٹے کو خود وصیت کی کہ ان کا جنازہ وہ خود پڑھائیں۔ وہ خوش دل، خوش مزاج لیکن درویش صفت انسان تھے۔ اس لئے اپنی شخصیت کی تشہیر کے لئے انہوں نے کبھی توجہ نہ دی۔ ان دنوں غلام محمد رنگین کاہفت روزہ ’’عروج‘‘ جھنگ سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں ان کی نگارشات اکثر شائع ہوا کرتی تھیں۔ وہ اُردو، فارسی، عربی پر قدرت کامل رکھتے تھے۔

علامہ طاہر القادری صاحب کم عمر تھے اور اکثر ان کی بیاض پلٹتے پڑھتے تھے۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ اور شاعری میں رکھ رکھاؤ ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ وسیع حلقہ احباب رکھنے والے انسان تھے۔ وہ جسمانی طو پر دبلے پتلے بدن کے مالک تھے۔ شیر افضل جعفری مرحوم کے ساتھ ان کی اکثر نوک جھونک رہتی۔ وہ وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور بڑے عالم فاضل انسان تھے۔ اپنے نامور بیٹے کی تربیت ہی ان کے بلند پایہ علمی ذوق کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

۷۔ مولانا محمد انور چیمہ

(سابق صدر جمعیت علمائے پاکستان جھنگ)

۵۹ ۔۱۹۵۸ء کا ذکر ہے میں ان دنوں گورنمنٹ کالج جھنگ میں ایف۔ ایس۔ سی کا طالب علم تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ پرانی عید گاہ میں ایک جلسہ ہو رہا ہے۔ میں وہاں اپنے والد گرامی کے ہمراہ پہنچا تو ڈاکٹر علامہ فرید الدین قادری رحمہ اللہ خطاب فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک سادہ سے انسان ہیں، مگر جب انہوں نے اپنی تقریر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''مدارج النبوت سے (جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی) حوالے دیئے اور تصوف کے دقیق نکات بیان فرمائے تو سامعین عش عش کر اُٹھے۔ یہ میرا ان سے پہلا تعارف تھا۔ میں نے اپنے والد محترم سے ان کے بارے میں حیرت سے دریافت کیا۔ والد محترم قبلہ نے میرا ان سے تعارف کرایا اور بتایا کہ محترم ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو تصوف کے مسائل پر بڑا عبور حاصل ہے۔ وہاں سے میرا ان سے رابطہ کا آغاز ہوا۔ یہ رابطہ الحمد للہ ان کے انتقال تک قائم رہا۔

ایک مرتبہ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ''زبدۃ الآثار'' نایاب ہوگئی۔ میں ان دنوں زرعی یونیورسٹی کا طالبعلم تھا۔ انہیں کسی نے بتایا کہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ میری ان سے صائم چشتی صاحب کے کتب خانہ واقع شاہی مسجد شیخ الحدیث

روڈ فیصل آباد پر ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کتاب کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ میرے پاس قلمی نسخہ موجود ہے، جو میں نے ایک قدیم کتاب سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے اصل قدیم کتاب طلب کی۔ میں نے ان سے دعا کے لئے کہا اور وعدہ کیا کہ میں اس کتاب کے انشاء اللہ ۱۰۰۰ نسخے شائع کروا کر مفت تقسیم کروں گا۔ یہ کتاب بعد ازاں پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے ترجمہ کے ساتھ نبویہ کتب خانہ داتا گنج بخش روڈ لاہور سے شائع ہوئی اور مفت تقسیم کی گئی۔ میں نے انہیں بے لوث اور ہمہ وقت خدمتِ دین کے لئے کمر بستہ پایا۔ علمائے کرام سے ان کی محبت قابل رشک تھی۔ وہ تصوف کا علم رکھنے والوں کے قدر دان تھے۔ مولانا عبدالرشید رضوی صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور انہیں استادوں کی صف میں اتھارٹی سمجھتے تھے۔ میں نے عمر بھر ان پر تصوف کا غلبہ پایا۔اور ہمیشہ ہماری گفتگو اسی موضوع پر ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیا میں عمر بھر کی محنت اور کارگزاری کا انعام علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں عطا فرمایا۔ میری نظر میں اس سے بڑا انعام کوئی اور نہیں ہوسکتا کہ کسی کا بیٹا ایک بلند پایہ عالم دین بھی ہو اور اسلامی ریاست پر گہری نظر بھی رکھتا ہو۔

۸۔ حکیم حافظ سلطان محمود صاحب نول (جھنگ)

محترم ڈاکٹر فرید الدین قادری صاحب رحمہ اللہ نے بچپن میں میرے ہمراہ قرآن پاک کی تعلیم حافظ اللہ دتہ صاحب سے پائی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو سورۂ مزمل یاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ بعد ازاں وہ بیرون ملک تشریف لے گئے۔ دوبارہ ان سے ملاقات ایوب حکومت میں ایک طبی سلیکشن بورڈ میں ہوئی، جس کے وہ رُکن تھے اور جس میں انہوں نے یونانی اطباء کی سلیکشن کی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو تصوف کے مسائل پر بڑا عبور تھا۔ عرصہ دراز سے شیخ اکرام الحق اے۔ ڈی۔ ایم و چیئرمین بلدیہ جھنگ کی اہلیہ کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا تھی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف مجھے ہمراہ لے کر مریض کے معائنے کیلئے گئے۔ مریضہ کا دماغی توازن درست نہ تھا۔ میں مریضہ کو دیکھ کر پریشان ہوا اور نا اُمید سا ہوگیا،

مگر ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انشاء اللہ پرسوں آپ کا مریض بالکل شفا یاب ہو جائے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ عین دو دن بعد ان کے ہمراہ پھر مریضہ کے معائنے کے لئے گیا تو ان کے علاج سے وہ بالکل صحت یاب ہوگئی تھی۔

وہ ایک بلند پایہ طبیب تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہم ان کی طبی گفتگو کو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے وہ اکثر حضرت بابا فرید شکر گنج، رحمہ اللہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ کے تذکرے، کلام اور حکایات کا ذکر جھوم جھوم کر فرماتے تھے۔ وہ بہت منجھے ہوئے مقرر تھے۔ میں فقیروں کا قائل نہیں تھا مگر ان کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ میرا نقطہ نظر تبدیل ہوگیا۔ اور میں اولیائے کرام کا قائل ہوگیا۔ وہ فاضلانہ گفتگو میں مہارت رکھتے تھے۔ تخریبی انداز فکر سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور طبی معاملات میں کبھی نسخہ بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔

۹۔ علامہ ابو البدر محمد شمس الزماں قادریؒ

۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ بندہ جامعہ رضویہ فیصل آباد میں زیر تعلیم تھا۔ فن کی آخری کتابیں۔ اور دورۂ حدیث شریف مکمل کیا ۔ اس وقت بندہ کے ہم سبق ساتھی بہت سے اور بھی تھے۔ خصوصاً مولانا محمد معراج الاسلام صاحب موجودہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن بندہ کے ہم سبق تھے۔ عصر کے بعد حضرت قبلہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ مغرب تک عام ملاقات فرماتے تھے۔ بندہ پر یہ حضرت کا کرم تھا کہ رات کو سوتے وقت آپ خدمت کا موقع عطا فرماتے۔

ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ اکثر تشریف لاتے۔ حضرت قبلہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ ڈاکٹر صاحب سے بہت محبت سے ملتے تھے۔ اور اپنے احباب وطلباء سے ڈاکٹر صاحب کا خوب تعارف کراتے ہوئے فرماتے یہ اہل سنت کے شیر ہیں۔ ان کے سامنے بدمذہب بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے ہیں۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کو حضرت قبلہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ ڈاکٹر

غلام فرید کہہ کر پکارتے تھے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ دو سال خوب ملاقات رہی۔ ۵۸/۱۹۵۷ء، میں جب بندہ جھنگ شہر مسجد میاں اللہ داد مرحوم میں خطیب تھا۔ اکثر آپ رحمہ اللہ تشریف لاتے اور جمعہ کے موقع پر خطاب فرماتے۔ ان سالوں میں بہت سے جلسے ہوئے۔ مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام تشریف لاتے تو ڈاکٹر صاحب کا خصوصی خطاب شامل پروگرام ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک عظیم خطیب، عظیم مبلغ اور بے مثال مناظر تھے۔ جھنگ صدر اور جھنگ شہر کے تمام مخالف علماء آپ کے علم کے قائل ہی نہ تھے بلکہ آپ سے بہت ڈرتے تھے۔ اور آپ سے گفتگو کرنے سے کتراتے تھے۔ آپ کی تقریر میں علمی تبحر اور دلائل کی بھرمار ہوتی۔ جب مخالفین آپ کا بیان سنتے تو جواب کی طاقت نہ ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا علمی تدبر مسلم تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات تمام حلقوں میں جانی پہنچانی تھی۔ اور آپ نے ایک عرصہ تک جھنگ اور سرگودھا کے علاقہ کو اپنی علمی خدمات سے فیض دیا۔ اور ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری کو بھی ''الولدسرلابیہٖ'' کے مطابق اپنے والد گرامی سے فیض ملا ہے۔ وہی تقریر میں تسلی اور علمی تبحر۔ اور دلائل کی بھرمار، آپ کو والد گرامی سے ورثہ میں ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی قبر انور پر لاکھوں رحمتیں برسائے اور ان کے فرزند ارجمند کو ان کے نقش قدم پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۱۰۔ حضرت علامہ صاحبزادہ عزیز احمدؒ

(خلیفہ مجاز سیال شریف آستانہ عالیہ مکان شریف کفری وادی سون)

جناب ڈاکٹر فرید الدین قادری مرحوم سے میرا تعارف اس وقت ہوا جب میں سند حدیث حاصل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے حکم پر جامعہ رضویہ فیصل آباد میں کتب درسیات کا سماع کرتا تھا۔ غالباً ۱۹۵۶ء کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت لالیاں کے قریب موضع بصرہ اور کانواں والا میں بحیثیت ڈاکٹر تعینات تھے۔

ہفتہ کی شام اور سوموار کی صبح کو جھنگ آتے اور جاتے۔ جامع رضویہ میں تقریباً دو گھنٹہ ٹھہرتے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے حکم پر مشکوٰۃ شریف کے کسی ایک باب کا ہم مل کر مطالعہ کرتے۔ مذاکرہ ہوتا رہتا۔ جب ہم سمجھنے سمجھانے پر مطمئن ہو جاتے۔ تب ڈاکٹر صاحب اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتے۔ڈاکٹر صاحب کو متقدمین اور متاخرین کی دستیاب اور نایاب دونوں قسم کی کتابوں کا شوق تھا۔ ملک اور بیرون ملک جس قدر کتابیں تلاش کر سکے وہ ضرور حاصل کیں۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق تفاسیر اور احادیث کی سینکڑوں کتابوں سے اپنی لائبریری کو سجایا ہوا تھا۔صرف یہی نہیں کہ کتابوں کو جمع کیا۔ بلکہ پوری محنت سے کتابوں کا بھرپور مطالعہ بھی کیا۔ لغت پر اتنے حاوی تھے کہ قاموس اور منتہی العرب کا خاصا حصہ انہیں از بر تھا۔ دوران گفتگو کسی مسئلے پر حوالہ دیتے وقت لحظہ توقف کئے بغیر کتاب کا صفحہ سطر بتا دیتے۔

متصوفین کی اکثر تصانیف کا مطالعہ کرتے۔ ایک بار میں فیصل آباد سے سرگودھا آرہا تھا تو شام پڑے مجھے لالیاں پہنچتے ہوئے خیال آیا کہ آج رات ڈاکٹر صاحب کے پاس کانواں والا بصرہ ٹھہروں۔ ان کی رہائش گاہ پر جب پہنچا تو بتی روشن کئے حضور امام المتصوفین حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمہ اللہ کا رسالہ عشرہ کاملہ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتنی ادق کتاب جو زواہد ثلاثہ پر مکمل عبور کے بغیر سمجھ نہ آسکے۔ اس کے مطالعہ میں منہمک دیکھ کر میں نے پوچھا کہ اس کتاب کے مطالعہ میں آپ نے کیا کچھ پایا۔ فرمانے لگے کہ صاحب قال، صاحب حال کی کتاب کو کیا سمجھے گا۔ مگر اس یقین پر کتاب کھول کر آنکھوں کے سامنے رکھی کہ صاحب کتاب اپنے کرم کی خیرات ضرور مرحمت فرمائیں گے۔قادری نسبت میں انتہائی پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلک اہل سنت میں نہایت راسخ تھے۔ یہی وجہ ہے کانویں اور بصرے کے لوگ نہ صرف خوش ذوق بلکہ عقائد حقہ پر جان دینے والے تھے۔غربا اور خوشحال دونوں طبقے مذہب کے معاملے میں ان کی آواز سے متاثر تھے۔

حضور سرور عالم علیہ السلام سے قلبی نیاز اور وابستگی صحابہ کرامؓ کا احترام اور

اولیائے عظام اور سلفائے اُمت سے عقیدت ان کا جزو ایمان تھا۔ ایسے وظائف کی اکثر تلاش میں رہتے جو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مقبولیت کا سامان مہیا کر سکے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کے متعلق روتے روتے انہوں نے دو چیزوں کا ذکر کیا۔ ایک یہ کہ حق کا احقاق اور باطل کا ابطال اور برے مذہب سے نفرت جس شدت سے آپ کرتے ہیں اس کی مثال کسی اور جگہ پر نہیں مل سکتی۔ دوسری یہ کہ حضرت علی ہجویری کی کشف المحجوب پوری تفصیل سے آپ کی شخصیت میں نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے اخلاق میں حسین کردار میں اور دکھی انسانیت کی مدد میں یقیناً یگانہ روزگار تھے۔ خداوند عالم مرحوم کو اپنی پناہ رحمت میں کروٹ کروٹ راحت بخشے۔ آمین

۱۱۔ حضرت مولانا تصور حسین شاہ

(مدرس مدرسہ غوثیہ حسوبلیل)

حسوبلیل کا قصبہ جو جھنگ مظفر گڑھ روڈ پر پینتالیس (۴۵) کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں ڈاکٹر غلام فرید الدین قادری رحمہ اللہ قیام پاکستان کے بعد ایک عرصہ تک ڈسٹرکٹ کونسل کی ڈسپنسری میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔ اس قصبہ کی مرکزی جامع مسجد غوثیہ حنفیہ میں ڈاکٹر صاحب خطابت بھی کیا کرتے تھے۔ اب اسی جامعہ مسجد غوثیہ میں مسجد مکتب مدرسہ موجود ہے۔ جس میں جناب محمد افضل صاحب نقشبندی امام اور مدرس ہیں۔ جن کی بیعت شیخ المشائخ ولی کامل حضرت پیر غلام حسن سواگ نور اللہ مرقدہ سے ہے۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زائد ہے۔ انہوں نے اپنی زبانی واقعہ ہمیں سنایا۔

پہلا واقعہ

محمد افضل صاحب بیان کرتے ہیں: ''غالباً تیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ میں اپنے پیر و مرشد خواجہ غلام حسین سواگ رحمہ اللہ کے عرس مقدس کی محفل میں شرکت کے لئے تیار ہوا۔ غریبی کا دور تھا۔ مجھے کرایہ میسر نہ ہو سکا۔ میرے دوسرے پیر بھائی تیار ہو گئے۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں مجبور ہوں۔ آپ جائیں اگر میرے خواجہ کو میری حاضری منظور ہوئی تو میں بھی آجاؤں گا۔ دل میں شوق حاضری مؤجزن تھا۔ ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ ڈیوٹی دے کر جھنگ چلے گئے تھے۔ رات کو جھنگ میں قیام کیا۔ صبح ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بغیر ناشتہ کئے حسوبلیل پہنچے۔ اڈہ حسوبلیل پر عرس مبارک میں شرکت کے لئے پھر بھائی جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے حاجی نور دین صاحب جو ان لوگوں میں شامل تھے پوچھا '' مولوی محمد افضل صاحب کہاں ہیں'' انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس کرایہ نہیں تھا اس لئے وہ نہیں آئے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی ڈسپنسری میں آئے۔ اپنے ملازم محمد یوسف کو بھیجا کہ جلدی جاؤ اور مولوی محمد افضل کو بلا کر لاؤ۔

مولوی محمد افضل صاحب راوی ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا مولوی صاحب تمہیں عرس مبارک پر جانے کے لئے کتنا کرایہ درکار ہے۔ میں نے کہا کہ جناب دس روپے درکار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فوری طور پر جیب سے دس روپے نکالے اور مجھے دے دیئے۔ ان سے وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے۔ ''میں رات جھنگ اپنے مکان میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں خواجہ پیر غلام حسن سواگ رحمہ اللہ نے مجھے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا ''فرید الدین جلدی جاؤ حسوبلیل میں میرا خاص مرید محمد افضل میرے عرس کی محفل میں شامل ہونے سے محروم ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس کرایہ نہیں ہے اسے جا کر کرایہ دے دو تا کہ وہ بھی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر میرے پاس حاضری دے سکے۔''

ڈاکٹر صاحبؒ نے کہا ''میں پہلی بس پر سوار ہو کر یہاں پہنچا ہوں تا کہ تم اپنے

ہمراہیوں کے ساتھ مل کر جا سکو۔“

مولوی محمد افضل صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دس روپے جیب میں ڈالے اور بس سٹاپ کی طرف روانہ ہوا۔ بس سٹاپ پر پہنچا تو حیران رہ گیا کہ میرے وہ پیر بھائی جو کئی گھنٹے پہلے گھر سے روانہ ہوئے تھے ابھی تک وہیں بیٹھے ہیں۔ اور جونہی میں وہاں پہنچا ادھر سے بس بھی آ گئی۔ جس طرح میرے خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ کو فرمایا تھا کہ وہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر یہاں آئے اسی طرح ہوا کہ ہم سب ساتھی مل کر آستانہ عالیہ پر جو کہ تحصیل کروڑ ضلع لیہ میں ہے پہنچے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ پر بزرگان دین کی خاص کرم نوازی تھی۔

دوسرا واقعہ

جناب ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ کو ہمیشہ بزرگانِ دین مشائخ عظام کی محفل میں حاضر ہونے کا بے حد ذوق تھا۔ اکثر اولیائے کرام کی مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو دربار حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمہ اللہ کے مزار اقدس پر حاضری دیتے۔ ایک دفعہ آپ حسب معمول حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ رات کو جب کہ ذکر میں مشغول تھے نیند کا غلبہ محسوس ہوا۔ پھر خواب میں دیکھتے ہیں کہ نماز باجماعت ادا ہو رہی ہے میں بھی (ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ) جماعت میں شامل ہوگیا ہوں۔ نماز میں سب ہی نورانی چہروں والے لوگ شامل ہیں۔ نماز ختم ہوئی تو فوراً بعد ایک نورانی چہرے والے سفید ریش بزرگ آگے بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے ان سے پوچھا جناب آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ”فرید تم مجھے نہیں جانتے حالانکہ میں حسوبلیل میں رہتا ہوں اور میرا نام ”سیدن شہید“ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اتنی آواز سنتے ہی بیدار ہوگئے اور نہایت حیران ہوئے کہ وہ کون شخصیت ہیں کہ میرا حسوبلیل رہتے ہوئے بھی ان سے تعارف نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم جمعہ کی صبح واپس ہوئے کیونکہ وہ جمعہ حسوبلیل کی جامعہ مسجد غوثیہ میں پڑھایا

کرتے تھے۔ حسوبلیل اڈہ پر چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جس کا مالک حاجی محمود تھہیم تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس سے پوچھا کہ سیدن شہید کہاں رہتے ہیں۔ حاجی محمود تھہیم دکاندار نے بتایا کہ حسوبلیل کے شمال مشرق کی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک مزار ہے جو سیدن شہید کے نام سے مشہور ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم یہ سنتے ہی سیدھے اس مزار پر پہنچے اور حاضری دی۔ بعد ازاں آپ نے یہ معمول بنا لیا اور اس مزار پر اکثر حاضری دیا کرتے تھے اور بہت فیض حاصل کیا۔

تیسرا واقعہ

جناب حاجی مکھن علی صاحب جو کہ حسوبلیل میں ہی رہتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ جب ڈاکٹر صاحب مرحوم نے پہلی مرتبہ حج مبارک کی سعادت حاصل کی تو اس وقت واپسی پر انہوں نے اپنی زبانی ہمیں درج ذیل واقعہ سنایا۔

''میں مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں آقائے دو جہاں ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہوا۔ اس وقت تک میرے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ رات کو میں نے بعد از فرائض و نوافل بارگاہ رب ذو الجلال میں اس کے محبوب پاک کے تصدق سے دعا مانگی کہ میرے اللہ! مجھے نیک اور صالح فرزند عطا فرما۔ حرم نبویؐ میں خواب میں مجھے محبوب پاک ﷺ نے اپنی زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا کہ فرید تمہاری دعا قبول ہوگئی ہے خدائے ذوالجلال تمہیں لڑکا عطا کرے گا۔ جس کا نام طاہر رکھنا۔ اور اسے میرے دین کے لیے وقف کر دینا (آقائے دو جہاں ﷺ کے الفاظ مبارک مفہوماً نقل کیے گئے ہیں)۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کو جب اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا تو اس کا نام آقا ﷺ کے فرمان کے مطابق محمد طاہر رکھا گیا۔ پھر ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ نے وہی لو ان کے دل میں لگا دی جس طرح آقا کا فرمان تھا۔ اور آج دنیا انہیں مفکر اسلام اور قائد انقلاب کے نام سے پکارتی ہے۔ یہی وہ قصبہ حسوبلیل ہے جہاں ڈاکٹر فرید الدین مرحوم

نے زندگی کی کئی بہاریں گذاریں۔ اور بشارت سرور کونین ﷺ (جناب محمد طاہر القادری) نے بھی بچپن میں چند بہاریں اسی چھوٹے سے شہر میں دیکھیں۔ اسی حسو بلیل کی جامعہ مسجد غوثیہ ہے جہاں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے زندگی کی پہلی اذان منبر پر کھڑے ہو کر دی۔ اور اسی مسجد کا سٹیج ہے جہاں ڈاکٹر فرید الدین مرحوم نے اپنے ننھے منھے طاہر کو کھڑا کر کے تقریر کرنا سکھایا کرتے تھے۔ ادارہ منہاج القرآن کی بشارت حضرت شیخ الاسلام کو اسی جامعہ مسجد غوثیہ حنفیہ حسو بلیل میں ہوئی جو آج عالم اسلام میں مقبول ہے۔

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لأَبِیْہِ

حضرت فرید ملتؒ کے علم وفضل کی روشنی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے منہجِ علمی اور اسلوبِ دعوت کا جائزہ

(محمد عمر حیات الحسینی)

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے سوانح حیات ،سیرت و کردار،اطوارو عادات اور فضائل و کمالات کے بارے میں آپ کے ہم عصر اکابرین وعمائدین اور برگزیدہ شخصیات کی واضح شہادتیں زیرِ مطالعہ کتاب کے صفحات پر محفوظ ہیں ۔ بندہ ناچیز کو حضرتِ والا رحمہ اللہ سے ملاقات وزیارت کا شرف تو حاصل نہیں لیکن آپ کے تربیت یافتہ جگر گوشہ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے آئینے میں ان کی فکر و شخصیت کے خدوخال ضرور دیکھے ہیں۔''شاگرد اور بیٹے''میں باپ کا علم ہی نہیں سیرت و کردار بھی جھلکتی ہے۔ پھر حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے زیر مطالعہ رہنے والی سینکڑوں کتابوں کو دیکھنے کی سعادت بھی میسر آئی ہے۔مکتبہ فریدیہ قادریہ کی کتب پر حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے اہم نوٹس وحواشی کا بہ دقت نظر مطالعہ کیا ہے۔فکرو تحقیق مجرد دماغ سوزی نہیں، بلکہ صاحبِ علم و تحقیق کے شخصی کردار اور سماجی رویوں کا مظہر بھی ہوتی ہے ۔اس اعتبار سے کتابوں پر نوٹس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا نظریہ علم وتدریس اورطرزِ عمل کیا تھا۔فرزندار جمند حضرت شیخ الاسلام کے الفاظ و معانی خود حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی شخصی عظمت علمی رفعت اور شخصیت وکردار کی غمازی کرتے ہیں۔حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے جگر گوشہ کے فکر و شخصیت کی روشنی میں آپ کی شخصیت کا پورا پیکر اجالنے کا موضوع بہت دلچسپ اور نہایت نکتہ آفرین ہے۔

حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنے والدِ گرامی قدس سرہ العزیز کے بارے میں فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ میرے صرف باپ ہی نہیں بلکہ میرے نکتہ رس مربی، میرے عظیم استاد، میرے باریک بین شیخ اور میری زندگی کے ہر پہلو میں ہادی و رہنما تھے۔ان کی ذاتِ گرامی میرے لئے سب کچھ تھی۔ان کا محققانہ، اور معتدل مسلک و مزاج میرا آئیڈیل ہے۔ بغدادی قاعدہ سے لے کر دورۂ حدیث تک تمام علمی و دینی کاموں میں ان سے تلمذ ورہنمائی کا شرف حاصل رہا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی ورق ایسا نہیں ہے کہ جس پر حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی چھاپ موجود نہ ہو۔ کوئی دلچسپی ایسی نہیں ہے جو حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے ذوق اور مزاج میں ڈھلی ہوئی نہ ہو،کوئی پسند ایسی نہیں ہے جو والدِگرامی رحمہ اللہ کے ذوق کے ہم آہنگ نہ ہو،تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں عملی تحقیقات میں یا فقہ وفتو ی کی گتھیاں ،باطن کی ریاضتیں یا ظاہر کی عبادتیں،آخر شب کی خلوتیں یا تقریر و درس کی جلوتیں،خانگی الجھنیں یا ملکی و سیاسی پیچیدگیاں، معاشی حالات ہوں یا اولاد اور ان کی شادی بیاہ کے معاملات ،عزیزوں دوستوں کی مہربانیاں ہوں یا حاسدوں کی ریشہ دوانیاں،غم کا موقع ہو یا خوشی کا ،الغرض ہر حال میں اپنے عظیم والد حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے مزاج و احوال کے کامل آئینہ دار دکھائی دیتے ہیں۔

حضرتِ فرید ملت قدس سرہٗ العزیز کی عظمت کے اعتراف کے لئے اتنا کافی ہے کہ جن کے فیضانِ علم و تربیت نے عالمِ اسلام کو شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرا لقادری مدظلہ العالی کی صورت میں ایک گوہر نایاب دیا ہے۔انہوں نے اپنی پوری زندگی کا ماحصل ایک ایسی شخصیت میں دیا ہے کہ جن پر تجدید کا سہرا سج رہاہے۔ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے جگر گوشہ کی تربیت کچھ اس انداز میں فرمائی کہ وہ ’’ **الولد سرٌ لابیہ** ‘‘ کا مصداق ہیں۔

حضرتِ فرید ملت کے علوم و معارف کے ادراک وفہم کے لئے ضروری ہے کہ تربیت یافتہ صاحبزادے اور شاگرد کی گہرائی و گیرائی کا مطالعہ کیا جائے ۔کیوں کہ بیٹا اور شاگرد اپنے باپ اوراستاد کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔جب ہم حضرتِ فرید ملت کے فیضانِ تربیت کے اس شاہکار کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان میں امام ابو حنیفہؒ کی فقاہت، ابن تیمیہ، ابن حجر، عینی، ابن ہمام، ابن عربی جیسی نکتہ رسی، دقیقہ سنجی اور ژرف نگاہی دکھائی دیتی ہے۔ حضرت سیدنا غوث اعظمؒ کی تعلیمات تصوف وطریقت کے مجدد نظر آتے ہیں۔بلا شبہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنی طلاقت سے معمولی بات کو رازی کا فلسفہ،غزالی کا نکتہ، ابن حجر کا دقیقہ اور ابن ہمام کا شگوفہ بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے غور وفکر کی بنیادی نہج میرے عظیم والد کے فیضانِ تربیت کا نتیجہ ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ علت ومعلول، سبب و مسبّب کی اس طویل کائنات میں خود مسبّب الاسباب نے ہر چیزکووابستہ اسباب کر دیاہے۔مقبولیت و مردودیت بلاشبہ خدائے قادرو قدیر کی جانب سے ہے مگر رد وقبول کے ظاہری اسباب بھی بہرحال ہوتے ہیں۔ ہرصاحب علم وفن کے ایک عروج وکمال کا دورہوتا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کے ساتھ اس کا علم وفن بھی زمین دوز ہوجاتا ہے۔دیکھنے والوں نے بارہا دیکھا کہ بڑے بڑے لوگوں کی مسندیں اُلٹ گئیں اوران کے حلقوں کی ایک ایک کڑی بکھر گئی ،مگر جسے علم وفن کہئیے یا جامعیت وعبقریت نام رکھیئے سالوں کے الٹ پھیر کے باوجود وہ کہنگی سے آشنا نہیں۔ آئے دن دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا تربیت یافتہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک گھنا سایہ دار درخت کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ان کی تصانیف ،مآثر علمیہ اور جیتے جاگتے تلامذہ کا طویل سلسلہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی یاداور ان کے ذکروفکر سے ماحول کولبریز کر رہاہے ۔شیخ الاسلام علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنے والدِگرامی حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کےعلم وفن کو پائندگی دے رہے ہیں۔ اورآپ کو دیکھ کرآج کاعلمی طبقہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی علمی غزارت کوتسلیم کررہاہے ۔عرب وعجم کے مشاہیر جودوسروں کے کمالات کو ماننے کے لئے جلدتیارنہیں ہوتے وہ آج ان کے

پروردہ نگاہ کی پوری کشادہ دلی سے انفرادیت کا اعتراف کر رہے ہیں۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے قرآن و حدیث اور اسلامی علوم خود پوری بالغ نظری سے پڑھے اور پھر رسوخ کے ساتھ اپنے جگر گوشہ کو پڑھائے۔قرآنی معارف سورج کی طرح روشن و منور تھے۔ اور قرآنی مفاہیم کی گرہ کشائی کا درس اس انداز میں دیا کہ ترجمہ عرفان القرآن کے لفظ و معنیٰ کے ربط میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی روح جھومتی دکھائی دیتی ہے۔احادیث کا ماٰخذ قرآن حکیم کی آیات سے جیسے واضح کیا جا رہاہے اور مختلف الاحادیث میں تطبیق اور عقائد اہلسنت کی حقانیت کی دل آویز شرح **المنهاج السوي من الحديث النبوي** ﷺ کے نام سے جو سامنے آرہی ہے اس سے اقوال متعارض نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مطابقت لئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی روح اپنے فیض تربیت کے اس انداز درسِ حدیث سے سرشار ہو رہی ہوگی اور عالم برزخ میں کیف و لذت پا رہی ہوگی ۔قرآن و حدیث کے تمام بیانات کو سامنے رکھ کر مسئلہ کی ایسی تنقیح کہ جس سے چاروں فقہاء اپنے افکار و نظریات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب نظر آتے ہیں، یہ اندازِ فقہ و اصول فقہ اور افتاء کا ایسا منہج ہے جو حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے اپنے پروردہ نگاہ کو اس طرح پڑھایا کہ آج جب یہ برت رہے ہیں اور اُلجھی گتھیاں سلجھا رہے ہیں تو عالم برزخ میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی روح خوش ہو کر مزید لافانی برکات کے لئے دعائیں مانگتی ہوگی۔

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ بیدار مغز دانش ور تھے اور وہ تمام ممتاز اہل علم کی خصوصیات سے کماحقہ آگاہ تھے ۔ہر اہل علم کے علمی تفوق کو بصدق دل تسلیم کرتے تھے۔ ساتھ ہی ان کے بعض علمی تفردات کی بھی نشاندہی کرتے۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ذکاوت و ذہانت کو تسلیم کرتے ہوئے عربیت میں ان کی منطق و معقول میں عدم حذاقت اور مزاج کی بے اعتدالی کی نشان دہی بھی پوری جرأت کے ساتھ کرتے۔حضرت ابن العربی رحمہ اللہ کے غوامض و اسرار کے جہاں اسیر تھے، وہاں برملا فرمایا کرتے کہ ان کو

سمجھنے کے لئے محض متون صرف ونحو کے حافظ ،فلسفہ ومنطق کے حاذق ہی نہیں بلکہ قلب و باطن کی پاکیزگی بھی ضروری ہے، تب جا کر دل و دماغ کے علمی اشکالات جو مسلسل چبھن کا باعث بنتے ہیں ان کا سدباب ہوتا ہے اور فیضیابی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ حنفیت میں استحکام کے باوجود دوسرے ائمہ رجال علم کے کمالات کو تسلیم کرنے میں فراخ حوصلہ تھے۔انہوں نے اپنے پروردہ نگاہ کو ایک ایک میدان اور کام میں طاق کیا۔امام شافعی رحمہ اللہ کے رئیس الاذکیاء ہونے کے علمی ثبوت فراہم کئے اور ان کے ذوق علمی سے فیضیاب کیا۔امام داؤد ظاہری کے ذکی ہونے پر دلائل دیئے ،امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے جبل العلم کا ثبوت بخاری کے درس میں فتح الباری کے مطالعہ سے دیا۔امام ابن عبد البرالمالکی رحمہ اللہ کے اعتدال کی نشان دہی کی۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ اندلسی کی حدت مزاجی و تیزی قلم کا راز بتایا۔امام رازی رحمہ اللہ کے لطائف ودقائق سے آگاہ کیا۔امام ابن نجیم رحمہ اللہ کے فقیہ النفس ہونے کے ملکہ راسخہ پر توجہ مرکوز کرائی۔امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ اورابن ہمام رحمہ اللہ وغیرہم جیسے نابغہ روزگار محققین کے ذوق و مزاج سے آشنا کیا۔اورسلف صالحین کی روحانیت اور ان کی علمی ذوق چشیدگی کو برت کو ایسا گھول کر پلایا کہ اب پروردہ نگاہ فرید ایک ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔روحِ فرید رحمہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ کر وجد وکیف میں جھوم رہی ہوگی۔غرض شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی نشست و برخاست،رفتار وگفتار،مجلس عام وخاص،درس وتقریر ہرایک ادائے دل نواز میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کو دیکھا جاسکتاہے۔تحریک منہاج القرآن کے اندرون و بیرون ممالک تابناک علمی وفکری نیٹ ورک کو دیکھ کر خود چشم فلک بھی مبتلائے حیرت ہے۔پروردہ نگاہ فرید رحمہ اللہ بیک وقت جلائے باطن کا سبق دے رہی ہے۔فکر کو مستقیم،عقائد میں واضحیت ،اعمال میں تطہیر اورفکر وعقیدہ میں دانش وبنیش کی تقسیم کررہے ہیں ،فلسفہ ومنطق کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔فقہ و ادب میں انفرادیت کا منہاج متعین کرتے جا رہے ہیں۔اسرار قرآنی اوررموز

ربانی کی ایسی نقاب کشائی کر رہے ہیں جس سے وجدان جھوم جھوم جائے۔ یہ سب کچھ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا فیضانِ علم تموج پذیر ہے۔ کسب و اکتساب اور اخذ و قبول کا سارا منہاج انہی کے ذوقِ تربیت کا مرہونِ منت ہے۔

ایک تحقیق ہے کہ علم سمع بصر وغیرہ وہ ملکات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک خاص انداز سے مرحمت فرمائے ہیں۔ اور ان علمی کاوشوں سے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان سے جو کچھ اضافہ ہوتا ہے وہ اس کی معلومات، مسموعات اور مبصرات میں ہوتا ہے، اس زاویہ نظر سے ہمارے خیال میں آتا ہے کہ علوم و فنون کے سمندروں کی گہرائیوں میں اتر کر گراں قدر علمی جواہرات و موتیوں کو نکالنا ہر عالم کی دسترس سے باہر ہے۔ اور اس قسم کا علم جو اخص الخواص موہبت باری سے حضرات انبیائے کرام کے بعد ائمہ اہل بیت اور صحابہ ص کو اور پھر خال خال اکابر امت کو عطا ہوا ہے۔ میرا اپنا تاثر حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ اور آپ کے پروردہ تربیت کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ اسی خاص قسم کے علم سے نوازے گئے ہیں۔

مطالعاتی انہماک

حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں۔

''کہ اباجی قبلہ کو مطالعہ کا ذوق عشق کی حد تک تھا۔ کھانے اور آرام کے وقفے کے دوران بھی مطالعہ جاری رہتا تھا۔'' مکتبہ فریدیہ قادریہ کی سینکڑوں کتب میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو ان کے نظر سے نہ گزری ہو۔ ورق گردانی ان کا وظیفہ حیات تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے ''کہ فارغ التحصیل ہونے یا حصول سند کو کبھی منتہائے مقصود نہیں سمجھنا چاہیے۔'' فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد طالب علم میں قوت مطالعہ پیدا ہوجاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب یہ فارغ ہونے والے طالب علم کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازے میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لا کر

علم میں وسعت و گہرائی و گیرائی پیدا کرے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی ہمہ وقت مطالعاتی انہماک و استغراق میں ڈوبے رہتے ہیں۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے اپنے ذاتی کتب خانہ میں تمام علم وفن پر بنیادی کتابیں موجود تھیں۔حضرت کی ذاتی لائبریری صرف اپنی ہی نہیں بلکہ دوسرے اہل علم کی بھی علمی پیاس بجھاتی تھی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے نامی گرامی علمائے کرام کو جب کسی مسئلے کی تحقیق کرنی ہوتی تو وہ آپ کے ہاں تشریف لاتے۔ اورہفتوں کتابوں کی ورق گردانی کا سلسلہ رہتا تھا۔ جب کبھی حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کسی جگہ تشریف لے جاتے اوروہاں کچھ کتابیں نظر پڑ جاتیں تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ ان پر ایک نظر ڈالے بغیر گزر جائیں۔ اورکوئی کتاب پہلے ہی سے دیکھی ہوئی ہوتی تو خیر ورنہ کتنی ہی جلدی کا وقت ہوتا اسے الٹ پلٹ کر دیکھنا لازمی تھا۔ پروردہ نگاہ فرید بیان فرماتے ہیں” کہ جب میں کوئی نئی کتاب لے کرآتا تو اباجی قبلہ اسے چند روز اپنے قریب رکھتے اورخواہ کتنی مصروفیات میں الجھے ہوئے ہوتے اس کے مطالعے کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔“ مختلف علوم سے آپ رحمہ اللہ کی دلچسپی کے مختلف ادوار گزرے ہیں۔آغاز میں ادب،معقولات یعنی منطق،فلسفہ،کلام اور ہئیت میں دلچسپی تھی۔ اس فن کے اونچے درجے کی کتب پڑھائیں اوروہ آپ رحمہ اللہ کا خصوصی موضوع بن گیا۔

آخری عمر میں آپ کوسب سے زیادہ ذوق اور سب سے زیادہ شغف علمِ تصوف کے ساتھ ہوگیا تھا۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، کہ دل یوں چاہتا ہے کہ اسی ذوق میں عمر تمام ہوجائے ۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی اورسلوک وتصوف ہی آپ رحمہ اللہ کا آخری محور فکر ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی تربیت نے آپ میں علم کی اتنی پیاس پیدا کر دی ہے کہ آپ کو اپنی کتابوں کے علاوہ کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا۔نہ اپنی صحت کی خبر،نہ جان کی،ایک علم کی لگن ہوتی ہے۔

مطالعہ کتب کا طریقہ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی علمی شخصیت اور حیثیت ایک گنج مخفی ہے۔ تاہم ان کے فرزند ارجمند اور جگر گوشہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ان سے متعلق کتنے گراں قدر بیش بے بہا موتی چھپائے ہوئے ہیں، ان تک ہر نظر کی رسائی ناممکن ہے۔ اس لیے ''الولد سرلابیہ'' کا مصداق بن کر وہ اپنے نامور والدگرامی کے ان گوہر ہائے مخفی تک رسائی کیلئے راستہ دکھا رہے ہیں۔ اور ان کے زیر مطالعہ رہنے والی امہات الکتب جن پر انہوں نے اپنے قلمی جواہر ریزوں، دقائق لطیفہ اور نکات عجیبہ کو دوران مطالعہ نشان زد کیا، ان کتب کو فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ مرکز منہاج القرآن لاہور کیلئے وقف کر دیا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ مطلوبہ عنوان کی تیاری کیلئے پہلے بڑی محنت و جاں فشانی اور حاضر دماغی سے کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ پھر اس میں سے مناسب مضامین اخذ کرتے، پھر انہیں یک گونہ مگر واضح و سلیس انداز میں کتب کے شروع میں نوٹس و حواشی اور انڈکس کے طور پر قلم بند فرمایا کرتے تھے۔ یہ کام کتنا کٹھن ہے اسے وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس ہفت خواں کی سیر کی ہو۔

کجاد انند حال ما سبک ساران ساحلہا

قدرت نے انہیں ذہانت و فطانت اور قوت حافظہ کے ساتھ مطالعہ کا حد درجہ ذوق وشوق عطا فرمایا تھا۔ جملہ علوم وفنون پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے اپنے زیر مطالعہ کتب پر حسب ضرورت بڑی دقیقہ سنجی کے ساتھ نکات لکھے ہیں۔ ان کو پڑھنا اور سمجھنا خود ایک مہارت کا کام ہے۔ علم سفینہ اپنی جگہ مسلم مگر علم سینہ کی بات ہی کچھ نرالی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اخلاص عمل کے وسیلہ جلیلہ سے سینہ اسرار و معارف کا گنجینہ بن جاتا ہے۔

عبادات نافلہ کے ذریعہ تقرب الی اللہ نصیب ہو جائے تو باری تعالیٰ خود کان بن جاتا ہے، وہ آنکھ بن جاتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہے، جس کا وہ کان بن جائے اس کی سماعت کی سرعت کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے، جس کی وہ آنکھ بن جائے، اس کی بصارت و بصیرت کا جہان ہی اور ہوتا ہے۔ جس کا وہ ہاتھ بن جائے اس کے اقتدار و اختیار کا حال جاننا ہمارے جیسے کوتاہ دست اور کم مایہ کا مشکل ہے۔ دانش نورانی جب اپنا جلوہ دکھاتی ہے تو دانش برہانی حیران رہ جاتی ہے۔

اک دانش نورانی اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ قدرت کے ان مقرب بندوں میں تھے جن کو فہم و بصیرت کے سہارے تو بہت کچھ ملا ہی تھا مگر فیض ربانی سے ''بیٹے'' کی صورت میں وہ کچھ ملا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وہ بصیرت ہے جس کی جھلک ان کے جگر گوشہ میں نظر آتی ہے۔ یہی وہ فکر رسا ہے جس کو دیکھ کر اہل علم حیران ہو جاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ایک ایسا بحر بے کراں تھا جہاں سے بے شمار نہریں پھوٹتی دکھائی دیتی ہیں۔

علامہ فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے مطالعہ و تحقیق کا معیار اور ذوق بہت بلند تھا۔ کبھی سنی سنائی پر تکیہ نہ فرماتے بلکہ اصل متون کا خود مطالعہ فرماتے۔ اور جب تک خود مطمئن نہ ہو جاتے حوالہ نہ دیتے۔ ان کے پایۂ تحقیق کا اندازہ ان کے زیر مطالعہ رہنے والی کتب سے ہوتا ہے۔ وہ نکات اخذ کیے ہیں جو شاید کسی اور کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں۔ اتنی باریک بینی سے مطالعہ اور علم میں انہماک و استغراق موجودہ دور میں عنقا ہے۔ کتاب کو پڑھنے اور کھنگالنے کا حق ادا کیا ہے۔ کتابوں پر نشان زدہ عبارات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ایک محتاط محقق اور بلند پایہ دانشور تھے۔ جو فاضل محقق بھی مکتبہ قادریہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا وہ ڈاکٹر فرید الدین قادری

رحمہ اللہ کے تبحر علمی اور اخذ و استنباط مسائل میں کمال مہارت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

کتب تفاسیر

۱۔ کشاف ۲۔ بیضاوی ۳۔ الخازن ۴۔ ابن کثیر ۵۔ حاشیہ الصاوی علی تفسیر جلالین ۶۔ الاکیل فی استنباط التنزیل ۷۔ لباب النقول فی اسباب النزول ۸۔ تفسیرات احمدیہ ۹۔ تفسیر مظہری ۱۰۔ فتح العزیز وغیرہ۔

کتب احادیث، کتب شروحات حدیث، کتب اصول حدیث، کتب عقائد، کتب فقہ، کتب سیرت، کتب تصوف اور کتب تاریخ۔

۱۔ مذکورہ بالا کتب کی نشان زدہ عبارات کو مقالہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا کتب کی نشان زدہ عبارات کی روشنی میں مندرجہ ذیل محاسن و محامد کھل کر سامنے آ جاتے ہیں:

۱۔ فکر انگیز مطالعہ وتحقیق

۲۔ حل اشکالات اور ان کے جوابات

۳۔ مشکلات ومبہمات کی توضیح وتشریح

۴۔ فقہی تبحر اور وسعت نظر

۵۔ اعتقادی مسائل کے ادراک میں کامل وثوق اور گہرائی و گیرائی

۶۔ تحقیق طلب مسائل کی تنقیح

۷۔ قوت استدلال و استنباط

۸۔ مختلف اقوال میں تطبیق

۹۔ مختلف اقوال میں ترجیح

۱۰۔ مختلف علوم وفنون میں مہارت

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے متنوع اور عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس انداز سے تحقیق فرماتے کہ بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، تاریک گوشوں کو منور کر دیتے تھے، کبھی ایک اصل کے تحت جزئیات جمع کر دیتے ہیں، کبھی اصول کی روشنی میں نئے جزئیات کا استخراج کرتے نظر آتے ہیں، جس سے ان کی وسعت فکر ونظر اور قوت استنباط کا پتہ چلتا ہے۔

اختلاف رائے کا اُسلوب

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے آغاز میں ہی اپنے پروردہ نگاہ میں اتنی قابلیت اور تربیت پیدا کر دی تھی کہ بسا اوقات بعض پیچیدہ فقہی تحقیقات اور مسائل میں اختلاف بھی ہو جاتا۔اپنے اپنے دلائل اور اشکالات پیش کئے جاتے۔کبھی بیٹا اور شاگرد اپنے باپ اور استاد کی تحقیق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا،کبھی باپ اور استاد اپنے بیٹے اور شاگرد کی تحقیق کو ترجیح دے کر اپنی رائے سے رجوع کر لیتا۔ اور اگر کبھی ایک دوسرے کے دلائل میں پورے غور وفکر اور باہمی مشوروں کے باوجود اختلاف رائے باقی رہتا تو پھر بھی اپنے پروردہ نگاہ کی رائے کو مقدم گردانتے۔

پروردہ نگاہ کو کوئی اشکال ہوتا تو اسے طالب علمانہ اسلوب میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ مگر خوب مدلل انداز میں پیش کرتے ،اشکالات پیش کرنے کا انداز ایسا متواضعانہ اور مدلل ہوتا کہ جواب میں باپ اور استاد کے منہ سے بے ساختہ دعائیں نکلتیں، حسن نظر کی بھی داد ملتی، حسن بیان اور حسن ادب کی بھی، حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردہ نگاہ کی تحقیق وتنقید بے نفسی اور حق پرستی میں ایسی تربیت کی کہ آج کی دنیا میں اس کی مثالیں نایاب ہیں۔

آج کل تو استاد اور شاگرد کے اختلاف کو تنقیص و تذلیل کا نام دے دیا گیا ہے۔ کسی سے عقیدت ہو تو ''اینک ماہ پروین'' کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں، عقیدت نہ ہو تو اس کی ہر دلیل صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے۔ جو بات ایک مرتبہ زبان یا قلم سے نکل گئی، پتھر کی لکیر بن کر وقار کا مسئلہ بن جاتی ہے، لیکن یہ تمام باتیں نفسانیت کی پیداوار ہیں۔ اور جہاں مقصود ہی حق کی تلاش ہو وہاں یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ کہنے والا میری رائے کے موافق کہہ رہا ہے یا مخالف، وہاں نظر اس پر رہتی ہے کہ کیا کہہ رہا ہے، کس دلیل سے کہہ رہا ہے، چنانچہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردہ نگاہ کو آغاز سے ہی اس انداز سے پروان چڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اساتذہ اور بزرگوں کی عظمت وعقیدت ان کے رگ و ریشے میں سمائی ہوئی ہے، لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آپ کبھی اس عقیدت کو مسائل کی تحقیق و تنقید میں حائل نہیں ہونے دیتے۔ اور نہ کبھی اپنی تنقید سے کسی کی عظمت وعقیدت پر حرف آنے دیتے ہیں۔

آج کسی سے عقیدت اور اسی پر علمی تنقید کو اگرچہ باہم متعارض سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پروردہ نگاہ فرید رحمہ اللہ ان دونوں متعارض باتوں کو ہمیشہ ساتھ لے کر چلنے کے عادی ہیں۔ ایسا کرنا مشکل ضرور ہے۔ لیکن اس مشکل کو آپ جس خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں وہ اہلِ علم کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔

معقولات کی تدریس کا اُسلوب

صرف ونحو، ادب، فقہ اور معقولات یعنی منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت اور ریاضی کے علوم میں بھی حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کامیاب مدرس تھے۔ چونکہ انہوں نے یہ علوم ایسے اساتذہ سے پڑھے تھے جو اپنے وقت میں معقولات کے امام سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان علوم میں بھی راسخ استعداد عطا فرمائی تھی، چنانچہ ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ جب آپ رحمہ اللہ معقولات کے ماہر کی حیثیت سے معروف ہوئے لیکن ساتھ

ہی اہل اللہ کی اور مرشد کی تعلیم و تربیت اور ان کی صحبت کے اثر سے یہ حقیقت ان کے ذہن وقلب میں پیوست ہوگئی کہ یہ علوم ایک طرف تو مقصود بالذات نہیں، بلکہ محض آلے اور وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوردوسری طرف ان علوم میں اجتہاد کا باب بھی بہت وسیع ہے۔ اور ان میں فلاسفہ کے فتوؤں کی تقلید ضروری نہیں۔ حضرت فرید ملت اپنے فرزند کو ان علوم کی تدریس کے دوران صرف کتاب کو سمجھانے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ زیر بحث مسائل میں اپنی تحقیق سے بھی روشناس فرماتے تھے۔ ان کے نزدیک معقولات کی تدریس میں جب انہماک زیادہ ہو جائے تو بعض اوقات یہ حقیقت نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ ان کو پڑھنا پڑھانا بذاتِ خود مقصود نہیں ۔ بلکہ منطق تو محض آلہ ہے اور فلسفہ اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ ایک عالم دین کو ان نظریات کا صحیح علم ہو جو دین کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ ان کی مدلل و مؤثر تردید کر سکے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے منطق و فلسفہ کا درس دیتے ہوئے یہ حقیقت طلبہ کے ذہن نشین کرا دی کہ ان عقلیات میں بذاتِ خود کچھ نہیں رکھا۔ اور اگر انسان کو وحی ربانی کا نورِ ہدایت حاصل ہوتو وہ ان عقلی گھوڑوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوسکتا۔ حضرت علامہ ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ جس طرح ہمارے قدیم متکلمین نے یونانی فلسفے میں مہارت حاصل کر کے اس کی تردید فلسفیانہ زبان ہی میں کی تھی، اسی طرح موجودہ دور کے علماء کو جدید فلسفہ میں مہارت حاصل کر کے وہی کام از سر نو انجام دینا چاہیے، اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے فرزند کو جدید فلسفہ کے لئے درس بھی دیا تھا۔ حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی یہ خواہش ضرور تھی کہ ایسے دانش ور پیدا ہوں جو جدید فلسفہ پر مکمل دسترس حاصل کر کے عہد جدید کا ''نیا تہافۃ الفلاسفہ'' تصنیف کرسکیں اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے اپنے پروردہ نگاہ کو جدید تعلیم دلوائی۔

حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرا لقادری نے ابتداء ہی سے معقولی و منطقی وفلسفی ذہن پایا ہے۔ بجا ہے کہ زیادہ تر توجہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف جیسے ٹھیٹھ

دینی علوم کی طرف رکھی ہے۔ کیوں کہ یہی علوم مقصود بالذات ہیں اور انہی سے دنیا و آخرت سے متعلق حقیقی عملی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، معقولات کا چوں کہ یہ مقام نہیں ہے اس لئے اس کو خصوصی توجہ کا مرکز نہیں بنایا،لیکن معقولیت و منطقیت ایسی صاف ستھری اور اجلی تربیت میں پائی ہے کہ ہر بات کو معقول اور متوازن انداز سے اپنانے کے خوگر ہو گئے ہیں، اعتقادیات میں واضحیت کا ایک سبب معقولی انداز تدریس و تعلیم و تربیت بھی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ''ایسا غوجی'' کی شرح قلم بند کی تھی، جو بعد میں گم ہوگئی۔

فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے ''پائے چوبیں'' کی ناپائیداری حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھی،لیکن جب کبھی آپ کے سامنے مختلف اہل علم کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے۔ اوراس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر، حدیث ،فقہ، اصولِ فقہ اور عقائد پر متقدمین کی کتب معقولات کی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اگر قدیم منطق و فلسفہ کو بالکل دیس نکالا دے دیا جائے تو سلف صالحین کی کتب سے خاطر خواہ استفادہ کی راہ مسدود ہو جاتی ہے،اس کے علاوہ منطق و فلسفہ کی تعلیم سے ذہن و فکر کو جلا ملتی ہے۔ اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی بن جاتا ہے۔ اوراس طرح یہ علوم، تفسیر ،حدیث ،فقہ اور اصول فقہ کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ اس انداز و اسلوبِ تدریس کا شاہکار پروردۂ نگاہ کی ذاتِ والا صفات ہے۔

فقہ و اصولِ فقہ کی تدریس

علوم متداولہ میں فقہ اور اصولِ فقہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو ان سے بڑی مناسبت عطا فرمائی تھی۔اسی

مناسبت طبعی کا نتیجہ ہے کہ اپنے پروردہ نگاہ کی ان دونوں علوم میں ایسی مناسبت پیدا کی کہ اکابر اہلِ علم نے بجا طور پر حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو ''فقیہ النفس'' کا لقب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عطا ہے اورظاہری اسباب میں اس طرزِ عمل کا نتیجہ ہے جو حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا تھا۔ اوروہ فطری طور پر جگر گوشہ میں بھی منتقل ہوا ہے۔ وہ چار چیزیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ پیہم محنت و مشقت

۲. للّٰھیت و ایثار

۳۔ بزرگوں کی صحبت اور ان سے تربیت حاصل کرنے کا اہتمام

۴۔ مسلسل مطالعہ

ان چاروں باتوں کے مکمل اہتمام کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے دونوں استاد اورشاگرد باپ اور بیٹے کو فقہ و اصولِ فقہ میں وہ مقام بخشا ہے کہ جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

فقیہ النفس

''فقیہ النفس'' فقہاء کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ آدمی ہوتا ہے، جسے اللہ ربُّ العزت نے فقہ و اصولِ فقہ میں کثرت ممارست و مہارت کے بعد ایک ایسا ذوق سلیم عطا فرمادیا ہو کہ جس کی روشنی میں وہ کتب فقہ کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجے تک پہنچ سکتا ہو۔ ہمارے جیسے کمترین بےعلم وعمل طالب علم کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ کسی کے بارے میں فقیہ النفس ہونے کا فیصلہ کرے۔ کیونکہ فقیہ النفس کی پہچان بھی انہی لوگوں کا حصہ ہے جنہیں اللہ ربُّ العزت نے تبحر علمی سے نوازا ہو۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی مدظلہ العالی، شیخ محمد ابوالخیرالشکری اورالشیخ شہاب الدین احمدالفرفور جیسے شام کے اربابِ علم

وعرفان نے شیخ الاسلام کو فقیہ النفس کا خطاب دیا ہے۔

یہ لقب وہ ہے جو اہل علم نے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ جیسے وسیع العلم کو بھی نہیں دیا، بجا طور پر یہ لقب علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ جیسے محققین پر راست آتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کی بناء پر اگر فقیہ الشام الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی جو ''الفقه الحنفي وأدلّته'' اور ''شعب الایمان'' جیسی عظیم کتب کے مصنف اور مؤلف نے کہہ دیا ہے تو یہ بے جا نہیں ہے۔ شیخ نے آپ کے علم وفضل کی محض رسمی تعریف نہیں کی، بلکہ باقاعدہ آپ کو صحیح معنیٰ میں فقیہ النفس کا خطاب دیا ہے۔ اور جو لوگ شیخ کی تصانیف اور ان کے تبحر علمی سے واقف ہیں انہیں اندازہ ہوگا کہ ان کے الفاظ کو کسی تصنع یا مبالغہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

پروردہ نگاہ فرید کو اصطلاحاً فقیہ النفس کہنا تو شیخ الصاغرجی مدظلہ العالی یا انہی کے پائے کے کسی عالم کا مقام ہے، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے یہ محامد استاد کی علمی لیاقت پر دال ضرور ہیں۔

فقاہت اور افتاء

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی فقاہت اور افتاء کی باریک بینی کے پس منظر میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی فقاہت کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محض فقہاء کی کتب کی جزئیات یاد کرلینے سے کوئی عالم یا مفتی نہیں بنتا۔ ایسے بہت سے حضرات موجود ہیں کہ جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارات بھی ازبر ہیں، لیکن ان میں فتوی کی مناسبت نظر نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے کہ درحقیقت ''فقہ'' کے معنیٰ سمجھ کے ہیں۔ اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرما دی ہو اور یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فقیہ کی صحبت اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت ہے۔ پروردہ نگاہِ فرید کے فقہی اور

افتائی ذوق اور ممارست کے محاسن پر بہ دقت نظر غور کیا جائے تو حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے تفقہ کے نقوش نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ وہ کیا باتیں ہیں جو محض مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ اس سوال کا جواب یہی ہے کہ اگر یہ باتیں بیان میں آسکتیں تو پھر انہیں سیکھنے کے لئے کسی سے تربیت لینے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اب ان کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ انہیں منضبط شکل میں مدون نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ متعین الفاظ میں ان کی تعبیر وتشریح ممکن ہے گویا ''بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست'' ان باتوں کے حصول کا طریقہ ہی یہی ہے کہ کسی ماہر فقیہ کے ساتھ رہ کر اس کے اندازِ فکر ونظر کا مشاہدہ کیا جائے۔ اس طرح مدت کے تجربے اور مشاہدہ سے وہ اندازِ فکر ونظر خود بہ خود زیرِ تربیت شخص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پروردہ نگاہ فرید میں وہ اندازِ فکر ودیعت ہوا ہے۔

دیکھئے تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں۔ اور ہر ایک کے پاس اپنے مؤقف کے لئے وزنی دلائل موجود ہیں۔ لیکن بہ یک وقت چاروں کی تقلید کی کھلی چھٹی دے دینا گویا اتباعِ ہوائے نفس کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اس لئے ہواوہوس کو روکنے کے لئے اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ تقلید شخصی کو لازمی تصور کیا جائے۔ تاہم اگر مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خاص طور سے بیع وشراء وغیرہ کے معاملات میں جہاں عموم بلویٰ عام ہو۔ وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو اس کو فتویٰ کے لئے اختیار کرلیا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''اسباب اختلاف الفقہاء'' اور ''عقد الجید'' میں تقلید و اجتہاد کا جو مؤقف بیان کیا ہے یہی ذوق حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے اپنے زیرِ تربیت جگر گوشہ میں بیدار کیا ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ فقہائے امت نے فقہ کے جو متون مرتب کئے ہیں

ان کی عبارات انتہائی جامع و مانع ہیں۔ اورحشو و زوائد سے پاک ہیں۔چنانچہ ان متون میں کسی مسئلہ کو بیان کرنے کے لئے اتنے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں جتنے ناگزیر ہوں، ان کا کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا، بلکہ اس سے مسئلے کی کسی نہ کسی شرط کی طرف اشارہ ہوتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف قرآنِ و سنت کی نصوص میں تو مفہوم مخالف کو حجت نہیں مانتے،کیوں کہ قرآن وسنت کا اسلوب احکام کے بیان کے ساتھ ساتھ وعظ و تذکیر کے پہلو کو بھی ساتھ لئے ہوئے ہے اور اس میں بعض الفاظ اسی نقطہ نظر سے بڑھائے جاتے ہیں، لیکن فقہائے امت کی عبارات صرف قانونی انداز کی ہوتی ہیں۔اس لئے ان عبارات میں مفہوم مخالف کا معتبر ہونا فقہائے احناف نے تسلیم کیا ہے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہائے امت کے کلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے قانونی تقاضوں پرغوروفکر کر کے کوئی نتیجہ نکالا جائے،ان میں سے کسی ایک احتمال کواختیار کرنے میں ایک فقیہ اور مفتی کواپنی بصیرت سے کام لینا پڑتا ہے، بعض اہل علم کسی لفظ کے قانونی تقاضوں کومتعین کرنے میں اس کے لغوی مفہوم اورٹھیٹھ منطقی نتائج کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس سے مسئلہ کی علت اور اس کا صحیح سیاق و سباق پس پشت چلا جاتا ہے۔ اوربعض دیگر ارباب علم اس لفظ کے ٹھیٹھ منطقی نتائج پرزور دینے کے بجائے اس سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہیں جن میں وہ بولا گیا ہے، خواہ اس سے لفظ کے منطقی نتائج پورے نہ ہوئے ہوں۔پروردۂ نگاہِ فرید رحمہ اللہ کا مزاج و مذاق ان دونوں کے درمیان ہے۔ کیوں کہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ پیشہ کے اعتبار سے حکیم وطبیب تھے اور انہوں نے فقہ و فتاوٰی کے میدان میں بھی ایک ماہر حکیم و دانا کے طور پر بیمار لوگوں کا معالجہ جسمانی وروحانی کا کام کیا۔ بعض اوقات زمانوں کے اختلاف سے حکم بدل جاتا ہے۔ اور یہ قانون تلفیق بعض طبائع قبول نہیں کرتیں اوروہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ علماء اپنی مرضی سے احکام شریعت میں احکام کی تبدیلی کرتے رہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ حالات کے لحاظ سے نسخے اور تدبیر کی تبدیلی ہوتی ہے جیسے کسی علاقے پر کسی وبا کے مسلط ہونے کااندیشہ

ہوتا ہے تو اطباء ایسی تدبیر بتاتے ہیں جن سے اس دباؤ کو روکا جا سکے، لیکن جب وباء آ جاتی ہے تو پھر معالجین کی تدبیریں بدل جاتی ہیں اور اس وقت ایسے نسخے بتائے جاتے ہیں جن کے ذریعے وہ بیماری آنے کے بعد شفا حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے جگر گوشہ کو ابتدائی تعلیم انگلش میڈیم سکول میں دلوائی۔ کیوں کہ جدید علوم وفنون یا کسی زبان کی تحصیل کو بذاتِ خود کبھی کسی نے حرام نہیں کہا۔ لیکن اس وقت چونکہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ اپنی خداداد بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میرے لختِ جگر نے جس دور میں تحریک اٹھانی ہے اس کے تقاضے کیا ہوں گے؟

ادب

ادب وہ پہلا موضوع تھا جس سے حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ نے عرب وعجم کے ان مشاہیر سے اکتساب فیض کیا جو حسنِ تعلیم وتربیت کے ساتھ عربی ادب کے بلند پایہ ادیب تھے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی تدریس کی ابتداء بھی صرف ونحو اور ادب سے ہوئی۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنے لخت جگر کو بھی پوری لیاقت کے ساتھ ان علوم میں طاق کیا۔ آپ رحمہ اللہ نے نفحۃ الیمن، برقات الادب، حصہ اول و دوم، مقامات حریری، دیوان متنبّی، دیوان حسان، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ اور قصیدہ بردہ کا درس دیا۔ ان کتب کو پڑھانے کا معمول یہ تھا کہ مطالعے کے دوران صرف اسی کے حواشی وشروح پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اس علم وفن کی غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس علم کے مزاج کو پہچاننے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مذکورہ کتب کی تدریس کے دوران آپ نے مختلف شعراء کے دوادین، ادب عربی کی تاریخ اور ادب کی بنیادی کتابوں کو مطالعے میں رکھا۔ اور اپنے فرزند کو ان سے خوب فیض یاب کیا، جس کی وجہ سے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری میں عربی ادب کا بڑا ستھرا ذوق پیدا ہوا۔ ترجمہ عرفان القرآن کو ادبی پیرائے اور قواعد عربی کی رُو سے مطالعہ کیا جائے تو پروردہ نگاہِ فرید کے ادبی محاسن نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو مختلف شعرائے عرب کے اتنے اشعار یاد تھے کہ انہیں سن کر علامہ عبدالرشید رضوی جیسے ماہر مدرس حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔شعراء جاہلیت میں خاص طور پر امر القیس، زہیر، اعشی اور شعرائے اسلامیین میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر، ذوالرمیۃ، فرزدق، حمابین اور شعرائے مولدین میں متنبّی ابوتمام اور ابو العتاہیہ کے اشعار انہیں بکثرت نوکِ زبان رہتے تھے اور ان شعراء سے آپ کو خصوصی مناسبت تھی۔

پروردہ نگاہ فرید رحمہ اللہ کے بقول آپ کو تین قسم کے اشعار خاص طور پر زیادہ پسند آتے تھے۔ سب سے زیادہ وہ اشعار جن میں ہجر وفراق اور درد وسوز کا بیان ہوتا، دوسرے وہ اشعار جن میں کوئی حکمت کی بات خوبصورتی سے کہی گئی ہو۔تیسرے وہ اشعار جن میں تشبیہات و استعارات کا اچھوتا پن ہوتا۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو متنبّی کی مبالغہ آرائی اور اس کا انداز تشبیب و مدح سرائی پسند نہ تھا لیکن چونکہ اس کے یہاں حکمت بھی بہت زیادہ ملتی ہے اس لئے اس کے بہت سے اشعار ازبر تھے۔جن اشعار میں سوز وگداز پایا جاتا وہ تنہائی وخلوت میں پرسوز وترنم سے پڑھتے تھے۔تنہائی میں ان اشعار کو پڑھنے کا انداز یہ بتاتا تھا کہ یہ شعرمحض برائے شاعری نہیں بلکہ ان کے پس منظر میں یادوں کا ایک جہاں پوشیدہ ہوتا۔حرمین شریفین، بغداد اور شام الغرض مقدس مقامات کے مناظر کی نہ جانے کتنی دلگداز یادیں تھیں جو حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے لبوں پر یہ اشعار لے آیا کرتی تھیں۔ پرسوز اشعار کا تاثر بھی آپ رحمہ اللہ کے دل پر بہت ہوتا تھا۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے مذاق شعری میں سادگی، بے تکلفی، برجستگی اور شعر کا سہل ممتنع ہونا بھی بڑا پسندیدہ پہلو تھا۔شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ، غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ، علامہ محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ، صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمہ اللہ شاہ آلومہاروی، خطیب شہیر علامہ سید افتخار الحسن شاہ زیدی رحمہ اللہ، علامہ عنایت اللہ سانگلہ ہل جیسے صاحبان علم سے جب کبھی شاعری میں حسن ادا کی بات چلتی تو عام طور پر انہیں لطف

لے کر سنایا کرتے تھے۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو فارسی ادب میں سعدی رحمہ اللہ، حافظ شیرازی رحمہ اللہ، مولانا رومی رحمہ اللہ اور عرفی و نظیری کے اشعار بھی کافی یاد تھے۔ خاص طور پر مولانا جامی رحمہ اللہ اور مولانا رومی رحمہ اللہ سے بڑی مناسبت تھی۔ مثنوی تو آپ رحمہ اللہ کو اتنی زیادہ یاد تھی کہ عام طور سے تقریروں میں بھی اور گفتگو میں بھی مناسبت سے اس کے کئی کئی اشعار سناتے چلے جاتے تھے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردہ نگاہ کو مثنوی پورے درد و سوز کے ساتھ پڑھائی اور تصوف کے اسرار و رموز اور دقیق پیچیدہ مسائل وحدت الوجود کو پورے شعور کے ساتھ سمجھایا۔

منہجِ تعلیم و تدریس

حضرت شیخ الاسلام نے اپنے والد گرامی کے منہج تعلیم و تدریس کے بارے میں وقتاً فوقتاً جو حقائق بیان فرمائے ہیں اُن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے درس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ سبق کے دوران طالب علم کے ذہن کو کبھی بوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ مشکل سے مشکل بحث ایسی سادگی اور سہولت سے مختصر وقت میں ذہن نشین کرا دیتے کہ طلبہ کو اس کے مشکل ہونے کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ پورا درس دوران سبق ہی خوب یاد ہو جاتا تھا۔

(۲) غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث اور اُمور کے بیان سے اجتناب فرماتے، حل کتاب پر پوری توجہ دیتے اور اصل توجہ مضامین مقصودہ کی طرف رہتی، طلبہ کو بھی اسی طرف متوجہ رکھتے۔

(۳) کوئی ضروری بحث یا مسئلہ مناسب تفصیل کے ساتھ ذہن نشین کرائے بغیر آگے نہ بڑھتے تھے۔

(۴) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے درس سے طلبہ کو صرف کتاب یا حواشی سے نہیں بلکہ فن سے مناسبت پیدا ہو جاتی تھی۔

(۵) آپ رحمہ اللہ کا درس رسمی مباحث کا پابند نہ تھا بلکہ جس زمانے میں جن مباحث کی زیادہ ضرورت محسوس فرماتے، ان پر زیادہ توجہ مرکوز فرماتے تھے۔

(۶) جن مسائل کا تعلق زندگی کے جیتے جاگتے مسائل سے ہوتا یا جن سے عصر حاضر کی مشکلات کے حل میں مدد ملنے کی اُمید ہوتی، ان کو آپ رحمہ اللہ خصوصیت سے زیر بحث لاتے تھے۔

(۷) طلبہ کو درس کے مباحث اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں متحرک، زندہ اور رَچے بسے نظر آتے، وہ زندگی سے اپنی درسیات کا ربط و تعلق نمایاں طور پر محسوس کرتے۔ اور درس کی گہرائی و گیرائی اور وسعت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے جو ان پر مطالعہ کے ذوق وشوق اور محنت و کامیابی کے در وا کر دیتا تھا۔

(۸) آپ رحمہ اللہ کے درس کا خاص اثر یہ تھا کہ عقیدہ کی واضحیت نکھر کر سامنے آجاتی تھی۔ متنازع عقائد پر سب سے پہلے اپنے عقائدِ صحیحہ کی اصلیت وحقیقت کو ذہن نشین کرواتے تھے۔

(۹) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے درس کا خاص اثر یہ تھا کہ طلبہ کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کا جذبہ فروزاں ہو جاتا تھا انبیاء کرامؑ، صحابہؓ و اہل بیتؓ، ائمہ مجتہدین اور بزرگانِ سلف کی عقیدت ومحبت جاگزیں ہو جاتی تھی۔

(۱۰) دورانِ درس جن کتابوں کے حوالے آتے بسا اوقات ان کا اور اُن کے مصنّفین و مؤلفین کا مختصر تعارف بھی کرا دیتے تاکہ طلبہ میں ان کے مطالعہ کی بھی رغبت پیدا ہو۔

(۱۱) کوئی طالب علم سوال کرتا تو اس کا سوال پوری توجہ سے سنتے۔ اور اس کی ہمت افزائی فرماتے، کوئی معقول اعتراض کرتا تو اپنی بات کی پچ کبھی نہ بھرتے، اعتراض کو قبول

فرما لیتے، کسی سوال کا جواب فوراً مستحضر نہ ہوتا تو فرماتے کہ تحقیق کر کے اس کا جواب دوں گا، پھر ایسا جواب دیا کرتے کہ تشکیک کے کانٹے جڑ سے اُکھاڑ پھینک دیتے تھے۔

(۱۲) علمی ذوق آپ رحمہ اللہ کی زندگی کے ہر شعبہ پر غالب رہا، اپنے پروردہ نگاہ کو جس انہماک اور جانفشانی سے پڑھایا اس کی مثالیں دورِ حاضر میں نایاب ہیں، اسباق سے فارغ ہو کر وقفہ کے وقت یا رات کو اسباق کا ایسا تکرار کراتے کہ دیگر اساتذہ کے اسباق ازبر ہو جایا کرتے تھے۔ اپنے پروردہ نگاہ کو زمانہ طالب علمی ہی میں تکرار میں اتنا طاق کر دیا تھا کہ آپ کے تکرار میں طلباء اور ہم درس اتنی اہمیت سے شریک ہوتے کہ مستقل ایک درس کی سی صورت بن جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنے اساتذہ کے درس کو اتنا حفظ کر لیا کرتے تھے کہ جس طرح اُستاد نے پڑھا دیا من وعن اسی ترتیب سے اس کا آپ اعادہ کیا کرتے تھے۔

فہم حدیث

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے درسِ حدیث کی عجب شان تھی ۔جس کا اب عملی نمونہ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے دروس حدیث کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور نظری طور پر پروردہ نگاہ فرید رحمہ اللہ نے اپنے عظیم القدر والد اور اُستاد کے درس حدیث کی بعض خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) درسِ حدیث میں سب سے پہلے حدیثِ نبوی ﷺ کی مراد باعتبار قواعد عربیت اور بلاغت واضح فرمایا کرتے تھے ۔حدیث کی مراد کو علمی اور فنی اصطلاحات کے تابع نہ رکھتے۔ کیونکہ اصطلاحات بعد میں وضع ہوئیں اور حدیثِ نبوی زمانہ کے لحاظ سے پہلے تھیں۔ چنانچہ حدیثِ نبوی ﷺ کو اصطلاح کے تابع کر کے سمجھنے کی کوشش کرنا قرینہ ادب نہیں ہے ۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ مفسرین کی طرح اسرارِ بلاغت کو پہلے بیان فرمایا کرتے تھے ۔ پروردۂ نگاہِ فرید رحمہ اللہ بھی اسی منہج و اسلوبِ فہم حدیث پر گامزن ہیں

''المنہاج السوی'' کی شرح میں بلاغی نکات کا خاص اہتمام حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے اندازِ تدریس کا عکاس ہے۔استقامت کے موضوع پر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے دروسِ حدیث اِس کا بین ثبوت ہیں۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری شرح حدیث میں اکابر محدثین کے لطائف اور نکات کو پورے جذب اور کامل انہاک کے ساتھ بیان فرماتے جا رہے ہیں۔

(۲) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ خاص مقامات پرحدیث نبوی ﷺ کا مآخذ و منبع قرآنِ حکیم سے بھی بیان فرمایا کرتے۔

(۳) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ بقدر ضرورت اسماء الرجال پر بھی کلام فرمایا کرتے خصوصاً جن رواۃ سے متعلق ائمہ محدثین کا اختلاف ہوتا اس پر جرح وتعدیل کے اختلاف کو بیان فرما کر اپنا مؤقف بھی بیان فرما دیتے تھے۔ کہ یہ راوی کس درجہ میں قابل قبول ہے۔اس کی روایت حسن کے درجہ میں رہے گی یا صحیح کے درجہ میں یا قابل رد ہوگی یا قابل اغماض۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اغماض اور مسامحت میں فرق کوواضح کیا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بھی اپنے والدِ گرامی کے تتبع میں فیصلہ کا طریقہ یہ رکھتے ہیں کہ جب کسی راوی کے جرح وتعدیل میں اختلاف ہوتا ہے تو یہ بتلا دیتے ہیں کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح کی ہے۔دفاع مقام حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیکچر میں آپ کا محدثانہ فہم حدیث نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور اِسی طرح حدیث ضعیف پر آپ کا محدثانہ اور متکلمانہ مؤقف بھی اپنی مثال آپ کا حامل ہے۔

(۴) حضرت فرید ملت رحمہ اللہ فقہ الحدیث پر جب کلام کرتے تو پہلے ائمہ اربعہ کے مذاہب بیان فرمایا کرتے۔ اور پھر ان کے وہ دلائل بیان کرتے جو اس مذہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے۔ اورپھر ان کا شافی جواب دیتے۔ اور پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی ترجیح بیان کرتے تھے۔

حنفیت کے لئے استدلال اور ترجیح میں قرآن وسنت کے تبادر اور سیاق وسباق کو پورا ملحوظ رکھتے۔ اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتے کہ منشاء شریعت اور مقصد اس بارے میں کیا ہے۔ اور یہ حکم خاص اسلامی شریعت کے احکام کلیہ کے تو خلاف نہیں۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ شریعت کے مقاصد کلیہ کو مقدم رکھتے۔ احکامِ جزئیہ میں اگر بے تکلف تاویل اور توجیہ ممکن ہوتی تو اس کی توجیہ کرتے اگر تکلف معلوم ہوتا تو قواعد کلیہ کو ترجیح دیتے اور یہی طریقہ فقہائے امت کا رہا ہے۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے درسِ حدیث میں رنگِ حدیث غالب ہوتا۔ فقہ حنفی کی تائید وترجیح تو ثابت فرمایا کرتے تھے لیکن انداز محدثانہ ہوتا۔ فقہی مسائل میں کافی سیر حاصل بحث فرماتے۔ لیکن اسلوبِ بیان سے یہ کبھی مفہوم اخذ نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں۔ اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں۔ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے درسِ حدیث سے یہ امر واضح ہوتا کہ آپ فقہ کو بحکم حدیث قبول کر رہے ہیں۔ حدیث فقہ کی طرف نہیں بلکہ فقہ کو حدیث کی طرف لایا جا رہا ہے۔ وہ آ رہا ہے اور کلیتاً حدیث کے موافق پڑتا جا رہا ہے۔ گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال نکال کر پیش کر رہا ہے۔ اور اسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اس سوال کہ کیا سارا ذخیرہ روایات حدیث صرف فقہ حنفی ہی کی حمایت کے لئے ہے؟ کا جواب نہایت محققانہ انداز میں دیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہر حدیث میں وہی کچھ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سمجھا اور کہا ہے۔ اور اس پر بطور دلیل حنیفہ رحمہ اللہ شافعیہ رحمہ اللہ کے مشہور مختلف فیہ مسائل کی مثالیں دے کر تطبیق روایات اور ترجیح راجح کے اصول بیان کیا کرتے تھے۔ اور اس طرح واضح ہو جاتا تھا کہ ذخیرہ حدیث سے ہی فقہ حنفی سیراب ہوئی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بیان فرماتے ہیں کہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ فقہ حنفی کی عظمتِ شان کو نمایاں کر کے دکھلاتے کہ ہم محض قیاسی طور پر

نہیں بلکہ نصوصِ حدیث کے سارے ہی ذخیرہ میں عیاناً وہ بنیادیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جن پر فقہ حنفی کی تعمیر کھڑی ہوئی ہے۔ بہر حال درسِ حدیث میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے یہاں محدثانہ رنگ غالب تھا اورحدیث کو فقہ حنفی کے مؤید کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے منشاء کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا۔ اور دست بدست اس کے دلائل وشواہد سے اس دعویٰ کو مضبوط بنایا جاتا تھا۔اور یہی شان پروردہ نگاہِ فرید کے فہم حدیث میں دکھائی دیتی ہے۔ دورۂ صحیح بخاری اور دورۂ صحیح مسلم (برمنگھم) کے دوران یہ محدثانہ شان پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔

صحیح بخاری کا درس دیتے ہوئے اس کی متعدد شروح سامنے رکھتے تھے۔مثلاً فتح الباری، عمدۃ القادری اور فیض الباری وغیرہم شروحات کو مدِنظر رکھ کر اپنے پروردۂ نگاہ کو حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ویسے بھی متونِ حدیث کی معتمد کتب کا ڈھیر آپ رحمہ اللہ کے سامنے ہوتا تھا۔ اورتفسیر الحدیث بالحدیث کے اصول پر کسی حدیث کے بارے میں جو دعویٰ کرتے اسے دوسری احادیث سے مؤید ومؤثق کرنے کے لئے دورانِ درس کتب پر کتب کھول کھول کر دکھاتے جاتے تھے۔ اور اس طرح اپنی رہنمائی میں مطالعہ کتب کرواتے تھے۔جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح شرح وتفسیر سے مفہوم و مطلب متعین ہو جاتا تھا تو نتیجۃً وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا۔ یہ بات ذہن نشین کراتے تھے کہ حدیث فقۂ حنفی کو مستنیر و مستفیض کر رہی ہے۔

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ اس مؤقف کے سخت مخالف تھے کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر احادیث کو پیش کیا جائے۔کیونکہ اس طرح اصل مذہب حنفی قرار پاتا ہے۔ اورروایات حدیث کو محض مؤیدات کے طور پر اسے مضبوط بنانے کے لئے یہ ساری سعی کی جاتی ہے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے نزدیک اصل حدیث ہے لیکن جب بھی اس کے مفہوم کو سیاق وسباق اور دوسری احادیث باب کی تائید وتوثیق سے اسے متعین ومشخص کر دیا جائے تو اس میں سے فقہ حنفی کا پھول شگفتہ نکلتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔اس

لئے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنے والدِ گرامی رحمہ اللہ کے درس سے یہ ذوق لے کر پروان چڑھے کہ فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے حقیقتاً ہم حدیث پر عمل کر رہے ہیں۔اورحدیث کا جو مفہوم حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے سمجھا ہے وہی دراصل صاحب قرآن ﷺ کا منشاء ہے جس کو روایت حدیث ادا کر رہی ہے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے یہ بخوبی باور کرایا کہ روایت حدیث سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنا کوئی مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ صرف شارع علیہ السلام کا مفہوم پیش کر رہے ہیں۔ اور خود امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث میں محض ایک ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے درس حدیث کی یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ فقہ حنفی حدیث سے مستنیر دکھائی دے اور یہ امر متحقق ہو کہ حدیث مؤید فقہ نہیں بلکہ منشاء فقہ ثابت ہو یہ انداز موجودہ دور میں ناپید ہو چکا ہے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردۂ نگاہ کی مجتہد فی التقلید یا محقق فی التقلید کے منہج پر تربیت کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مقلد ضرور ہیں مگر ایسے محقق فی التقلید ہیں کہ تمام اجتہادی مسائل میں جہاں تقلید کرتے ہیں وہاں مسائل کی تمام حدیثی اور قرآنی بنیادوں کی تحقیق بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ عنوان آپ کے درس میں اس لئے نکھرا ہوا نظر آتا ہے کہ آپ کا غالب رنگ محدثانہ ہے اور ہر ہر مسئلہ کی تائید حدیث ہی سے کرتے ہیں۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے درس کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے علمی تبحر اورعلم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا بلکہ اس میں استطر اداً ہوتا تھا کہ گویا علم و معانی کا یہ مسئلہ اسی حدیث کے لئے واضع نے وضع کیا تھا۔معقولات کی مباحث آ جاتیں اور معقولین کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لئے قلبِ نبوی ﷺ پر وارد ہوئی تھی۔الغرض نقلی اور روائتی فن حدیث میں نقل وعقل دونوں کی مباحث آتیں اور ہرفن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ علاوہ بحث حدیث کے وہ

فنی مسئلہ ہی فی نفسہٖ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔حضرت فرید ملت رحمه الله کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ، تصوف، تاریخ،ادب ،کلام ،عقائد،فلسفہ، ہیئت ،ریاضی اورسائنس وغیرہم تمام علومِ جدیدہ و قدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس لئے اس جامع درس کا فیض یافتہ اور پروردۂ طالب علم اس درس سے ہرعلم وفن کا مذاق لے کر پروان چڑھتا۔ اورآغاز ہی میں پروردۂ نگاہِ فرید میں یہ استعداد پیدا ہوگئی تھی کہ وہ بضمنِ کلام الٰہی اور کلام رسول ہرفن میں محققانہ انداز میں کلام کرتے۔

حضرت فرید ملت رحمه الله درسِ بخاری میں تراجم کے حل کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ پہلے امام بخاری کی غرض اور مراد واضح فرمایا کرتے۔بسا اوقات حلِ ترجمہ میں شارحین کے خلاف مراد بھی منقح فرمائی۔ اوراس کے دلائل وشواہد بھی بیان فرمایا کرتے جو پروردۂ نگاہ فرید نے اپنے دورۂ صحیح بخاری اور دورۂ صحیح مسلم (برمنگھم) میں کھل کر اظہار فرمایا ہے ۔اب صحاحِ ستہ کے درس کے لئے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری پور مستعد ہو چکے ہیں۔

حضرت فرید ملت رحمه الله یہ کھل کر بیان فرماتے تھے کہ ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار کیا ہے ۔درس بخاری کے دورن یہ بات واضح کی کہ سوائے مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمه اللهاور امام مالک رحمه الله کی موافقت کی ۔ حضرت فرید ملت رحمه الله شروحاتِ بخاری کا پورے درک کے ساتھ درس دیا کرتے تھے ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمه الله شافعی المسلک ہیں ۔اس لئے امام شافعی رحمه الله کی تائید کے لئے فتح الباری میں جا بجا امام طحاوی رحمه الله کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس کی پوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاوی کا جواب ضروری ہو جائے۔بغیر امام طحاوی کے جواب دیئے گذرنے کو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمه الله یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادانہیں کیا۔یہی وجہ ہے حضرت فرید ملت رحمه الله نے اپنے پروردۂ نگاہ کو مسائل فقہیہ میں طاق کرنے کے لئے امام ابن حجر عسقلانی رحمه الله کی فتح

الباری کا بھرپور ناقدانہ مطالعہ کرایا۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اسرارِ شریعت کے بیان میں شیخ ابن عربی رحمہ اللہ اور شیخ شعرانی رحمہ اللہ کا تتبع کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حضرتِ والا کا درسِ حدیث قرونِ اولی کے ائمہ محدثین کی یاد تازہ کرتا تھا۔ جب متونِ حدیث پر کلام کرتے تو یہ معلوم ہوتا کہ بخاری و مسلم بول رہے ہیں۔ اور جب فقہ الحدیث پر کلام فرماتے تو امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ معلوم ہوتے اور جب حدیث نبوی ﷺ کی بلاغت پر کلام کرتے تو تفتازانی رحمہ اللہ اور جرجانی دکھائی دیتے۔ اور جب شریعت کے اسرار بیان کرتے تو محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اور امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نظر آتے۔ یہ اُسلوبِ فہم حدیث حضرت شیخ الاسلام کے اندر پورے کمال پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ سب حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے منہج تدریس کا فیض ہے۔

حضرت فرید ملت کا روحانی مقام

اب تک جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے علمی ذوق اور مزاج سے متعلق تھیں۔ اب ان کی عملی زندگی سے متعلق کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ یہ حصہ اورزیادہ لطیف اورنازک ہے اور اس کو الفاظ میں منتقل کرنا پہلے سے کہیں زیادہ مشکل ہے، تاہم جو باتیں حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی کی زبانی سنی ہیں اور ناچیز کے فہم و ادراک میں آسکیں انہیں اپنی بساط کی حد تک بیان کی جاتی ہیں حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی عملی زندگی کو(۱) عبادات (۲) دعوت و تبلیغ (۳) معاشرت و معاملات کے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے، اسی ترتیب سے چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

عبادات

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کو عبادات کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔

اورعبادت کے ہرشعبے میں قابل صدر شک نقوش چھوڑنے کے باوجود انہیں اس بات پرحسرت ہی کا اظہار کرتے پائے گئے کہ مجھ سے عبادت نہیں بن پڑتی۔اگرچہ ان کی ساری زندگی ایسی ہنگامی اور تلاطم خیزتھی کہ صبح سے شام تک کے تمام اوقات مختلف شعبوں میں بٹے ہوئے تھے۔معالجہ جسمانی کے لئے مطب کی مصروفیت،وعظ وتقریر ،تدریس،خدمتِ خلق غرض دینی خدمات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا مؤثر حصہ نہ ہو۔اوران میں سے ہر شعبہ شب وروز کے تمام اوقات اسی پر وقف کر دینے کا متقاضی تھا، فجر کے بعد سے جو کام میں لگتے تو رات کے بارہ بارہ بلکہ ایک ایک بجے تک انتھک مصروف رہتے تھے۔عصر کے بعدجب دوسرے لوگ ذہنی سکون کی خاطرکسی تفریح میں لگتے یا گھر ہی میں فراغت کے ساتھ بیٹھتے تو آپ اپنے جگر پارہ کو مختلف موضوعات پر سیراب کرتے رہتے۔غرض جب سونے کے لئے لیٹتے تو جسم تھکن سے چورہو تا تھا۔اس کے باوجود تہجد،اشراق، چاشت ،صلاۃ الاوابین،تلاوت قرآن،درودشریف،مناجات مقبول اورکم ازکم دو گھنٹے کے اور ادو وظائف کا معمول التزاماً فرمایا کرتے تھے۔آخر شب میں تہجد کے بعد دیر تک ذکر، زندگی بھرمعمول رہا۔اس کے علاوہ جب کبھی اشغال نسبتاً کم ہوتے تو ان معمولات میں اضافہ ہو جاتا تھا اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر اور درود شریف پڑھتے رہتے تھے،یہاں ایک بنیادی غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ ہمارے بعض اہل علم نے عملی طور پر دین کی تعبیر کو الٹ دیاہے اور جو چیز مقصودتھی اسے ذریعہ اورجو ذریعہ تھا اسے مقصود اصلی قرار دے دیاہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ دین کااصل مقصد جہاد و دعوت کے ذریعے اسلامی نظام کا نفاذ ہے۔اورنماز روزے سمیت تمام عبادات اسی مقصد کی ٹریننگ دینے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دین کااصل مقصد بندوں کا تعلق اپنے معبود حقیقی سے جوڑ کر ان میں عجزو نیاز،انابت وخشیت اورعبدیت وفنائیت کی صفات پیدا کرنا ہے۔ اور جہاد اورتعلیم وتبلیغ وغیرہ اس مقصد کے حصول کے ذرائع ووسائل ہیں۔ ان دینی خدمات میں مشغولیت اگرچہ بڑی فضیلت کی بات ہے، یہ خدمات فرض کفایہ ہیں۔ اوربعض مواقع پر فرض عین بھی

ہوجاتی ہیں۔لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ نفلی عبادات جن میں براہ راست بندہ اپنے مولا سے تعلق قائم کر کے اس کے سامنے اپنی بندگی اورعجز و نیاز کی پونجی پیش کرتا ہے۔ ان کی اہمیت اورمقصودیت میں فرق نہ واقع ہونے پائے ۔اور جب کبھی انسان کو مہلت ملے وہ ان عبادات کے ذریعے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری کوغنیمت کبریٰ اوراپنا منتہائے مقصود قرار دے۔

حضرتِ فریدملت رحمہ اللہ اسی ذوق بندگی کے عالم ربانی تھے۔اور یہ حقیقت ہے کہ اس اہم اور بنیادی نکتے کوفراموش کر کے معارف دینی کے حقیقی فوائد وثمرات سے فیضیاب نہیں ہوا جاسکتا۔عبادت کی اصل روح تعلق مع اللہ اور انابت الی اللہ ہے۔ اہل اللہ کے یہاں جتنے مجاہدات، ریاضتیں اوراذکار واشغال کا معمول ہے ان سب کاحاصل یہ ہے کہ مولا کی یاد دل میں بس جائے۔ اور دل کسی وقت اس کے دھیان سے خالی نہ رہے''دست بکار و دل بیار'' کی اس کیفیت کا میرے جیسے ناقص کے لئے تو ادراک بھی مشکل ہے ،لیکن اس کیفیت کاعملی پیکر پروردہ نگاہ فرید کی صورت میں دیکھا جاسکتاہے ۔سینکڑوں طرح کی ہمہ وقتی مصروفیت کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلب کا رابطہ مسلسل اپنے مولاسے قائم ہے۔یہ کیفیت اصل میں تو نہاں خانہ قلب کی وہ خفیہ کیفیت ہے جسے عام حالات میں محسوس نہیں کیا جاسکتا، لیکن گاہے بگاہے اس کا اظہار بھی ہو جاتاہے۔حضرتِ فریدملت رحمہ اللہ خودبھی کشتہ عشق تھے اور انہوں نے اپنے پروردہ نگاہ کو بھی خالص پارس اورکشتہ عشق بنا دیا۔تعلق مع اللہ کے لئے جومنہاج تربیت دیا ہے۔ وہ بہت اکسیر ہے ۔ماضی پر استغفار ،حال پرصبر،شکر اورمستقبل پر استعاذہ کی عادت ڈالنے سے انسان کا ہرلمحہ عبادت بن سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان چیزوں کی عادت ڈال لینے کے بعدان اعمال صالحہ میں کوئی وقت صرف نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے بھی کوئی اضافی محنت یا وقت خرچ کئے بغیر انسان مسلسل ان عبادات میں مصروف رہ سکتا ہے۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی عملی زندگی نے ان چاروں عبادات کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ذرا ذرا سی باتوں پر استغفار،شکر اور استعاذے کے کلمات ان کے ورد زبان رہتے تھے ،خاص طور پر جب ادائے شکر کی نوبت آتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے اللہ رب العزت کے انعامات کے تصور سے آپ پر بے خودی سی طاری ہوگئی ہو۔ اور آپ کا پورا وجود عجز و نیاز کے ساتھ ادائے شکر میں مصروف ہو۔آپ رحمہ اللہ ناگوار واقعات میں بھی قابل شکر پہلوؤں کو یاد رکھتے بلکہ ان کے کثرت سے ذکر کے عادی تھے۔تکلیف دہ واقعات کی شکایت وشکوہ کرنا تو دستور ہی نہ تھا۔جب کبھی انہیں کسی معاملے میں تردد ہوتا اور یہ فیصلہ کرنے کا مرحلہ آتا کہ دو راستوں میں سے کون سا راستہ اختیار کیا جائے تو استخارہ کرتے اور چند لمحوں کے لئے آنکھیں بند کر کے گردوپیش سے بے خبر ہوجاتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ہدایت طلب کرتے،اس کے بعد کوئی فیصلہ کرتے تھے۔اپنے پروردہ نگاہ سے مشورہ کرنا بھی حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا معمول تھا۔عبادات میں انہیں اس بات کا خاص اہتمام تھا کہ اپنی کسی عبادت کی وجہ سے دوسروں کو کوئی ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے خاص طور پر نفلی عبادات میں اس بات کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اس بات کا اہتمام فرماتے کہ گھر میں کسی دوسرے کی نیند خراب نہ ہو۔اپنے لخت جگر کو تہجد کا عادی بنانے کے لئے حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ موسم کے مطابق گرم یا ٹھنڈا دودھ مصلےٰ کے پاس رکھ دیتے۔

دعا و مناجات کا شوق

اللہ تعالیٰ نے علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو اپنی نعمتِ خاص سے نوازا تھا ۔ اور ان کو دعا و مناجات کی وہ دولت اور نعمت عطا فرمائی جو ان کی قبولیت و ترقی کا اصل زینہ اور ہزاروں سعادتوں ونعمتوں کا ذریعہ اور سرچشمہ بنا۔ اور جس کی مثال صرف خاصانِ خدا ہی میں دیکھی جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کسی پر فضل خاص ہونے والا ہوتا ہے اور اللہ رب العزت کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو کسی نہ کسی سبب

اور ذریعہ سے اس کے اندر بے کلی اور بے چینی و اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔ ہزاروں سکون قربان اس بے چینی و اضطراب پر جو سب سے ہٹا کر مولا کے آستانے پر کھڑا کر دے۔ اور سب سے توڑ کر اللہ تعالیٰ سے جوڑ دے۔ بزرگانِ سلف کے حالات میں آتا ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے اس کی زندگی میں بے چینی و اضطراب کا کوئی سبب و ذریعہ پیدا کر کے اس کو سب کے بیچ میں سے اٹھا کر اپنا بنا لیا۔ بہت سے بزرگوں کے حالات کی تبدیلی اور جذب وکشش کا ذریعہ ہی اضطراب بنا جس کو اکثر اربابِ روحانیت ''اختلاج'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اولادِ نرینہ کا خلا عجیب انداز میں محسوس ہوتا تھا۔ مقام ملتزم پر ایسے انداز میں دعا مانگی کہ کھوئی ہوئی مراد ''طاہر'' کی صورت میں عطا ہوگئی۔ بس کیا تھا جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ اور ساری کائنات کی راحتیں سمٹ کر آ گئیں۔ اسی جگر پارہ کو لائق و فائق اور خادم دین بنانے کے لئے اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دی۔ طاہر کی صورت میں دعا کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کا سارا وجود اس سے سرشار ہوگیا۔ ادھر اختلاج شروع ہوا، ایک بے کلی اور بے چینی سی پیدا ہوئی، اپنی زندگی کا انجام، آئندہ کی فکر، خوش نصیبی اور اپنے پروردہ نگاہ کا ذوق وشوق دیکھ کر مست و بے خود ہو کر سربسجود ہو جاتے تھے۔ ہر وقت کی بے چینی اور اضطراب یہی تھا کہ فرزند دلبند کو ایک چمکتا دمکتا ماہتاب بنا دوں، پھر جب اس کی خداداد فطری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اِن کا جذبہ ولگن اور مولا سے لو لگانے کا انداز ملاحظہ فرماتے تو بچھے بچھے جاتے۔ دعا اور مناجات سے اس فرزند اسلام کو یوں نوازتے کہ انگ انگ روشن ہو جاتا۔

نالہ و بکا اور فریاد و دعا ہی دردوں کی دوا، روح کی غذا اور زخموں کا مرہم تھا۔ ایک اندرونی طاقت تھی جو ان کو ہر وقت دعا اور مناجات میں مشغول رکھتی، خود ہی بے خبر رکھتی، پھر خود ہی سکون عطا کرتی، خود ہی دل کو زخمی کرتی پھر اس پر مرہم رکھتی، خود ہی رلاتی، خود ہی آنسو پونچھتی، دعا کئے ہوئے، روتے ہوئے ذرا دیر گزرتی تو پھر پہلو میں چٹکی

لیتی اور زخمی دل کو جو ہرا تھا پھر ذرا سا چھیڑ دیتی، پھر جب تک ملتزم کعبہ پر مانگی ہوئی نعمت اور مستجاب دعا کو سامنے بٹھا کر دل کھول کر دعائیں نہ دے لیتے اس وقت تک حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے بے چین دل کو تسکین نہ ہوتی۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو اپنی دعا پر اعتماد اور رحمتِ الٰہی پر ناز بھی تھا، جگر پارہ کی محنت و ریاضت کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جاتیں۔ اور روز افزوں علمی و روحانی ترقی کو دیکھ کر دعا و مناجات باری میں مصروف ہو جایا کرتے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی مستجاب دعاؤں کا زندہ ثبوت آج شیخ الاسلام علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جب باپ یوں مخلص ہو کر دست بدعا ہوتا ہے تو کرم کی انتہا نہیں رہتی کیونکہ:

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا! تیرے در کے فقیروں کی

دُعا و مناجات میں حضرت شیخ الاسلام کی گریہ اور چیخ و پکار یہ سب حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے فیضِ تربیت کا عکس جمیل ہے۔

حضرت فرید ملت اور منہج دعوت و تبلیغ

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ دین کی دعوت و تبلیغ سے متعلق تھا۔ تبلیغ و دعوت کے اصولوں کے بارے میں ان کا ایک سوچا سمجھا نظریہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے اِس پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔ دعوت و تذکیر کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے بے اثر یا غیر مفید نظر آنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دعوت کے پیغمبرانہ اسلوب کو چھوڑ دیا ہے۔ پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ کے چند اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فکرِ امت ۲۔ اخلاص اور لگن

۳۔ مخاطب پر شفقت ۴۔ حکمت وبصیرت

۵۔ موعظہ حسنہ ۶۔ اخلاص وایثار

(۱) فکرِ امت

داعی دین کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ اس کو امت کی فکر ہونی چاہیے۔ کیوں کہ انبیاء کرامؑ کو اپنی امت کی اصلاح کی فکر اس قدر شدت کے ساتھ لگ جاتی ہے کہ وہ طبعی تقاضوں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی اس فکر میں گھلنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی کا سامان کیا جاتا۔

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ. (الکهف، ۱۸:۶)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جانِ (عزیز بھی) گھلا دیں گے۔‘‘

داعی دین کو اس پیغمبرانہ فکر کا کوئی حصہ نصیب ہونا چاہیے۔ چنانچہ سلف صالحین میں سے جن جن کو اس فکر کا جتنا حصہ ملا۔ اللہ رب العزت نے ان کی دعوت میں اتنی ہی برکت عطا فرمائی۔ اور اتنے ہی بہتر ثمرات پیدا فرمائے۔ جیسے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس میں سینکڑوں انسان بیک وقت تائب ہوتے تھے۔

(۲) اخلاص اور لگن

انبیاء کرام کی دعوت کا دوسرا اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر دعوت میں لگاتار مشغول رہتے ہیں۔ اور حوصلہ شکن اور کٹھن حالات میں بھی حق بات متواتر کہے چلے جاتے ہیں۔ اور جس موقع پر کسی شخص کو اچھی بات پہنچانے کا کوئی موقع مل جائے۔ وہ اسے غنیمت سمجھ کر حق بات پہنچا ہی دیتے ہیں۔ دعوت کی لگن کا حاصل یہ ہے کہ داعی حق بات پہنچانے کے مواقع کی تلاش میں رہے، جب جتنا موقع مل جائے اس سے

فائدہ اٹھائے۔ اور دعوت سے کسی مرحلے پر تھکنے یا اکتانے کا نام نہ لے۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کا داروغہ بن کر ان کے پیچھے بھی نہ پڑے، بلکہ اپنی بات مؤثر اور مدلل انداز میں کہہ کر فارغ ہو جائے، پھر جب دیکھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا تو موقع دیکھ کر پھر کہہ دے لیکن نہ مسلط ہونے کا طریقہ اختیار کرے اور نہ مایوس ہو کر بیٹھے۔

(۳) مخاطب پر شفقت

پیغمبرانہ دعوت کا تیسرا اہم منہاج ''مخاطب پر شفقت ہے۔ انبیاء ورسلؑ کی دعوت کا داعیہ شفقت وملاطفت کے سواء کچھ نہیں ہوتا۔اپنی برتری جتلانے یا دوسرے کی تحقیر وتذلیل کا ان کے یہاں شائبہ تک نہیں ہوتا۔ داعی حق جن کو نصیحت کرتا ہے، اُن سے نفرت یا اُن کی حقارت اُس کے دل میں نہیں ہوتی ' بلکہ اُس کا محرک شفقت ہی شفقت ہوتا ہے ۔جس طرح ایک طبیب کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی بیمار سے نفرت کرے اور جو حکیم وطبیب نفرت کا مرتکب ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ۔ اِسی طرح داعی حق کو بھی بدتر سے بدتر کافر یا فاسق وفاجر اور گنہ گار سے نفرت نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس کے افعال و کردار سے نفرت کر کے اس پر رحم کھانا چاہیے اور اس کی دعوت میں اس رحم و ملاحمت و ملاطفت اور شفقت کی پوری جھلک محسوس ہونی چاہیے۔

(۴) حکمت وبصیرت

پیغمبرانہ دعوت کے منہاج کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی بات بڑی حکمت اور پوری بصیرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ موقع ومحل اور انداز دونوں کا بہرصورت لحاظ کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی بات زیادہ سے زیادہ مؤثر ہو سکے۔جب داعی حق کے دل میں جذبہ،لگن اور خلوص وللّٰہیت ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر حکمت وبصیرت کا القاء کرتا ہے۔ اور اسے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی بات کہنے کے لئے کون سا موقع اور انداز مناسب ہو گا۔

(۵) موعظ حسنہ

پیغمبرانہ دعوت کے منہاج کا پانچواں اہم عنصر یہ ہے کہ وہ دعوت کے لئے اسلوب اندازِ بیاں ایسا اختیار کرتے ہیں جو نرمی، ہم دردی اور دل سوزی کا بھرپور آئینہ دار ہو۔

(۶) اخلاص و ایثار

دین کی خدمت مخلصانہ ہو۔ پیشہ وارانہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے وعظ و تبلیغ کو کبھی پیشے کے طور پر نہیں اپنایا۔ حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ:

مذکورہ بالا دعوت کے اصولوں کو اگر حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کی ذات گرامی میں دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اندازِ دعوت و تبلیغ حتی الوسع انہی اصولوں کے مطابق ہوتا تھا۔ اور اپنے پروردہ نگاہ کی ساری تربیت بھی انہی اصولوں کے مطابق کی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ساری کامیابیوں کی بنیادی نہج میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا خونِ جگر شامل ہے۔

فرقِ باطلہ کی تردید کا منہاج

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے تقریباً تمام باطل فرقوں کی تردید کی اور متعدد معرکے، مناظرے بھی کئے، لیکن اس بارے میں ان کا مزاج یہ تھا کہ یہ تردید و تنقید اور تغلیط قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں ''**وَجَادِلھُم بالتّی ھِیَ اَحسَن**'' کی حدود سے متجاوز نہ ہو۔ باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا اس میں بھی حکمت، موعظہ حسنہ اور ''**مجادلہ بالتی ھی حسن**'' کے اصولوں پر عمل ضروری ہے۔ آج کل دوسروں کی تردید میں طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور فقرے کسنے کا جو عام انداز

ہو گیا ہے حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ اس کے سخت مخالف تھے۔ کیوں کہ اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد تو وصول ہو جاتی ہے لیکن اس سے مخالفین کے دل میں عناد پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں وہ دلائل پر اکتفا کرتے ہیں، طعن و تشنیع سے کام نہیں لیتے، طعن و تشنیع کا انداز مفید کم اور مضر زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرامؑ ہمیشہ گالیوں اور طعنوں کے جواب میں پھول برساتے رہے۔ انہوں نے کبھی کسی کی سخت کلامی کا جواب بھی نہیں دیا۔ دعوت میں طنز کے تیر و نشتر چلانے یا فقرے کس کر چٹخارے لینے کا کوئی موقع محل نہیں۔ اس کام میں نفسانیت کو کچلنا پڑتا ہے۔ اور اس کے لئے دوسروں کی گالیاں کھا کر بھی دعائیں دینے کا حوصلہ چاہیے۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ خود بھی ساری زندگی اسی پیغمبرانہ منہاج پر کاربند رہے اور اپنے زیرِ تربیت جگر گوشہ کی بھی اسی نہج پر تربیت کی۔ خلاصہ یہ کہ مثبت دعوت و تبلیغ ہو یا کسی باطل نظریئے کی تردید، حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا مزاج دونوں میں یہ تھا کہ اپنے مؤقف پر مضبوطی سے قائم رہنے کے باوجود طعن و تشنیع اور دل آزار اسلوب بیان سے مکمل پرہیز کیا جائے۔ اور اس کے بجائے ہم دردی، دل سوزی اور نرمی و شفقت و ملاطفت سے کام لے کر ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اس نرمی کا یہ مطلب نہیں کہ حق کو حق یا باطل کو باطل کہنے میں مداہنت سے کام لیا جائے، کیوں کہ کفر کو کفر تو کہنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن مطلب یہ ہے کہ حقیقت کے ضروری اظہار کے بعد محض اپنی نفسانیت کی تسکین کے لئے فقرہ بازیاں اور الزام تراشیاں نہ کی جائیں۔ داعی الی اللہ کی مثال ریشم جیسی ہونی چاہیے۔ کہ اس کو چھو کر دیکھو تو اتنا نرم و ملائم کہ ہاتھوں کو حظ نصیب ہو لیکن اگر کوئی اسے توڑنا چاہے تو اتنا سخت کہ تیز دھار بھی اس پر پھسل کر رہ جائے۔

چنانچہ مباحثہ تحریری ہو یا زبانی حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ حق کے معاملے میں ادنیٰ لچک کے روادار نہیں تھے۔ لیکن بات کہنے کا طریقہ ہمیشہ ایسا ہوتا، جس سے عناد کے

بجائے دل سوزی، حق پرستی اور للّٰھیت و خلوص مترشح ہوتا تھا۔ پروردہ نگاہ فرید رحمہ اللہ کے زمانہ طالب علمی کے مباحث اور مناظروں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے مثلاً تقبیل ابہامین اور نور و بشر کے مسئلہ پر جس انداز میں تحریریں لکھی گئیں اور اپنے مؤقف کی وضاحت کی گئی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کس نہج پر اپنے زیر تربیت جگر گوشہ کی تربیت فرما رہے تھے۔ دوسرے نظریات کی تردید میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا ایک اصول یہ تھا کہ جس شخص یا گروہ پر تنقید کی جا رہی ہے ۔پہلے اس کے نظریات و افکار اور اس کے منشاء و مراد کی اچھی طرح تحقیق کر لی جائے اور اس کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو اس نے نہیں کہی یا جو اس کی عبارات کے منشاء و مراد کے خلاف ہو۔ کاچھو پور لاہور میں سوال و جواب کا انداز دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے جگر گوشہ کی کس حکیمانہ انداز میں تربیت کی۔

دوسرا اصول یہ تھا کہ اپنا مؤقف بھی بغیر کسی افراط و تفریط کے بتا دیا جائے۔ اور کھل کر اظہار کر دیا جائے کہ صورت مسئلہ یہ ہے ۔عوامی خطیبوں کی طرح نہیں بلکہ محققانہ انداز میں متوازن و معقول مسلک پہلے بتا دیا جائے۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ بحث و مناظرہ زبانی نہیں بلکہ پہلے اپنا اپنا مؤقف تحریری لکھوا لیا جائے۔ چوتھا اصول یہ تھا کہ مدعی کو اپنے مؤقف میں دلائل دینے چاہئیں اور پھر زیر بحث موضوع پر دلائل کا مطالبہ ہونا چاہیے نہ کہ دور از کار دیگر مباحث میں اُلجھنا چاہیے۔

آج کل بحث و مباحثہ اور مناظروں کی گرم بازاری میں احتیاط کے اس پہلو کی رعایت بہت کم کی جاتی ہے ۔اور دوسرے کی تردید کے جوش میں اس کی غلطی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس طرح بعض باتیں مخالف کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں جو اس نے نہیں کہی ہوتیں۔ یہ طرزِ عمل اول تو انصاف کے خلاف ہے، دوسرے اس سے تردید کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا اور بسا اوقات اس کے نتیجے میں بحث و مباحثہ کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو افتراق و انتشار و خلفشار پر منتج

ہوتا ہے۔اس سلسلے میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردہ نگاہ کو اس زریں اصول کی تلقین فرمائی تھی۔ کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول وفعل میں محتاط ہونا چاہیے ،لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر لکھا جائے۔ کیوں کہ اسے ثابت کرنا پڑتا ہے اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لئے کافی مواد موجود نہ ہو۔ پروردہ نگاہ کی تحریروں اور تقریروں میں احتیاط کا یہ پہلو جس قدر نمایاں ہے اور اس کے پیشِ نظر منہاج القرآن کے لٹریچر میں جو قیود و شرائط ملتی ہیں اس کی مثالیں دینا چاہوں تو ایک پوری کتاب بن جائے گی۔ پروردہ نگاہِ فرید کی تنقیدی یا تردیدی تحریروں میں جو ہمدردی اور دل سوزی نظر آتی ہے۔ اس کا اصل سبب وہ للّٰہیت ،بے نفسی اور خدا ترسی ہے جو آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ اور اس کا لازمی ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ حق پسند طبیعتیں بات کو قبول کرتی ہیں اور اگر کوئی قبول بھی نہ کرے تو اس سے مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا دروازہ نہیں کھلتا۔اگر آج مسلمانوں کے تمام گروہ اور جماعتیں اس طریق کار کو اپنا لیں تو امت کو افتراق و انتشار کے اس عذاب سے نجات مل جائے جو اس کی اجتماعی فلاح کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اخلاق و عادات اور معاملات و معاشرت

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کے اخلاق و عادات اور معاملات و معاشرت کو کما حقہ، بیان کرنا خاصہ مشکل مرحلہ ہے، یہاں معاملات سے مراد صرف بیع و شراء وغیرہ کے مالی امور نہیں، بلکہ ہر وہ کام ہے جس میں انسان کو کسی دوسرے سے واسطہ پڑتا ہو حقوق العباد کی ادائیگی ،دوست دشمن کے ساتھ تعلقات کی نوعیت ،مخالفت و حمایت کی حدود ،مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں طرزِ عمل ،نرمی و سختی کے مواقع ،مختلف حقوق و فرائض میں توازن اور ان کی حدود کی رعائت یہ تمام باتیں معاملات میں داخل ہیں۔اس وسیع مفہوم کے تحت خوش اخلاقی ،معاملات کی سلامتی اور ''معاشرت کی'' خوبی کہنے کو تو بہت مختصر اور آسان

الفاظ ہیں،لیکن جب انسان، فکر وبصیرت اورحکمت کے ساتھ ان الفاظ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عام تعلقات میں داخل ہوتاہے اور اس کے جزوی واقعات سامنے آکر متعارض تقاضے ابھرتے ہیں تو جگر خون اور پتہ پانی ہوتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے اس پہلو کی مشکلات کا اندازہ بھی اسی کو ہوسکتاہے جس نے اس نقطہ نظر سے اپنی زندگی کو متوازن بنانے کی کوشش کی ہو، معاملات اور معاشرت کی درستی کے لئے نہ تنہا کوئی کتاب انسان کی مدد کرسکتی ہے ،نہ کوئی نظری فلسفہ معاون ہوسکتاہے اس کا تو ظاہری اسباب میں ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان عرصہ دراز تک کسی صاحبِ بصیرت کی صحبت میں رہ کر ان معاملات کی تربیت لے، صرف ایسے شیخ و مرشد کی صحبت میں جا بیٹھنا،اس کے ملفوظات ومواعظ سن لینا اور اس کے بتائے ہوئے اور اد واشغال پر عمل کرلینا بھی اس کے لئے کافی نہیں ، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان طرزِ معاشرت اور درستی معاملات کاانداز سیکھنے کی نیت سے اپنے مرشد و مربی کے طرزِ عمل کا بغور مشاہدہ کرے۔ اور خود اپنی زندگی کے معاملات اس کے سامنے پیش کرکے اس سے ہدایات حاصل کرے، تب جا کر اس معاملے میں ایسا مزاج و مذاق پیدا ہوتاہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی صحیح رہنمائی کر سکے۔اس حقیقت سے کسی بھی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ معاملات اور معاشرت دین کا اہم جز ہیں،چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کی جو تربیت فرمائی اس میں عقائد ،عبادات اوراخلاق وغیرہ کے علاوہ معاملات و معاشرت کی مفصل تربیت بھی شامل ہے ۔تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اور اس کے بعد بھی خانقاہی نظام میں صرف اور ادواشغال کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی ، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں زیر تربیت افراد کی اس سلیقہ شعاری کا اہتمام ہوتا تھا۔لیکن پھر رفتہ رفتہ اس پہلو پر زور کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ لوگ دین کوصرف عبادات اور تصوف کو صرف اورادواشغال میں منحصر سمجھنے لگے۔ اور اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ مرید کو ذکر وشغل کے چند مراحل طے کرانے اور مصنوعی ذرائع سے قلب ونظر میں کچھ کیفیات پیدا کرانے کے بعد خلافت دے دی جاتی ہے۔ خواہ اس کے معاملات کتنے فاسد، اخلاق کتنے خراب اور معاشرت کتنی مردم آزار ہو۔

حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ یادگارِ اسلاف تھے۔ اور انہوں نے اکابر شیوخ سے تربیت پائی تھی۔ پھر اپنے پروردہ نگاہ کی ایسے خطوط پر تربیت کی کہ تصوف وطریقت کو عملی قالب میں ڈھال دیا۔آج تحریک منہاج القرآن کی صورت میں جو تجدید اور احیاء کا کام ہو رہاہے اس کی بنیادی نہج میں حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ کا خون جگر شامل ہے۔ جو ہر شناس مربی و استاد اور باپ نے اپنے اس گوہر قابل کو ہر لحاظ سے جلا بخشنے کے لئے اس سے ہر طرح کے کام لئے۔ اور اپنی گوناں گوں مصروفیات میں سے ہر ایک میں انہیں باخبر رکھا،مسلمانوں کے اجتماعی مسائل ہوں یا مخالفین کے ساتھ برتاؤ،خدمتِ خلق سے متعلق معاملات ہوں یا علمی مسائل کی تحقیق۔ یا گھریلو معاملات ہوں یا رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ تعلق کے مسائل، حضرتِ فرید ملت رحمہ اللہ نے ان سب چیزوں میں آپ کو اپنے مشوروں میں شریک رکھا۔ جس کا اصل مقصد ان تمام معاملات کی تربیت تھی۔ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی نے معاشرتی معاملات، دوست دشمن کے ساتھ برتاؤ،نرمی وسختی کے مواقع اور ان جیسے دوسرے امور میں اپنے والدِگرامی کے طرزِ فکر وعمل کا بغور مشاہدہ کر کے اس سے اپنی زندگی کے خدوخال کو متعین کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت فرید ملت کو ہر معاملے میں اعتدال،توازن اور رعایت حدود کی وہ دولت عطا فرمائی تھی ۔جو ان کی ایک ایک نقل وحرکت میں خوشبو کی طرح بسی ہوئی تھی جو آج پروردہ نگاہ کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے،اس کا ہم جیسے لوگوں کو ادراک ہی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ ہم اسے الفاظ کے سانچے میں ڈھال سکیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکیمانہ اُسلوب

امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی اہم شرعی فریضہ ہے،لیکن اس فریضے کی ادائیگی بڑی حکمت وبصیرت اورخلوص وللّٰہیت چاہتی ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو، اس نازک فریضے کی ادائیگی میں توازن و اعتدال کی حدود پرقائم رہنا

بہت مشکل ہوجاتا ہے۔اس سلسلے میں حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ کا جو طرزِ عمل سننے میں آیا ہے وہ نہایت ہی حکیمانہ اسلوب کا حامل ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے نزدیک نکیر یعنی ملامت ہمیشہ منکر یعنی بری یا نا جائز بات پر ہونی چاہیے۔ اور غیر منکر پر نکیر کرنا خود نکیر ہے۔لہٰذا بعض لوگ جو مباحات پر یا محض آداب و مستحبات کے ترک پر نکیر کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کا طرزِ عمل درست نہیں ہے،آداب و مستحبات کی تعلیم و تبلیغ تو کرنی چاہیے ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے اگر کوئی شخص کسی مستحب کو چھوڑ دے تو اسے تنہائی میں نرمی سے متوجہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، لیکن اس پر نکیر و ملامت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

حضرت فرید رحمہ اللہ ملت کے نزدیک جو لوگ محض کسی مستحب کے ترک پر مجمع عام میں روک ٹوک یا ناراضی کا اظہار شروع کردیتے ہیں ۔ان کے طرزِ عمل میں عموماً دو غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک تو غیر منکر پر نکیر کرنا،دوسرے جس آدمی پر روک ٹوک کی جا رہی ہے اسے مجمع عام میں رسواء کرنے کا انداز اختیار کرنا ۔اور اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے بسا اوقات اس تمام نکیر و ملامت کے پس پشت عجب و پندار اور نفسانیت بھی کارفرما ہوتی ہے جو ایک مستقل گناہ ہے۔

جو لوگ اس طرزِ عمل پر کار بند ہوتے ہیں عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ دین کے اہم معاملات سے ان کی نگاہیں اوجھل رہتی ہیں ۔آداب و مستحبات بڑے محبوب اعمال ہیں ان پر جتنا عمل کرنا چاہیے اور دوسروں کو پیار و محبت سے ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے، لیکن ان کے ترک پر نکیر و ملامت کا انداز اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ اپنی اولاد،شاگردوں اور عام لوگوں میں سے کسی کو سختی کے ساتھ تنقید کی ضرورت فرماتے تو عام طور پر ایسی حالت میں انہیں نہیں ڈانٹتے تھے ۔جب خود طبعی طور پر غصہ آ رہا ہو،اس کے بجائے ایسے وقت کا انتظار کرتے تھے جب اپنے جذبات معتدل ہو جائیں، چنانچہ جب طبعی غصہ ٹھنڈا ہوتا اور طبیعت پر نشاط ہوتا تو

اس وقت اسے بلوا کر تنبیہ کیا کرتے۔ اور ضرورت ہوتی تو غصے کا اظہار بھی فرماتے ،لیکن یہ سب کچھ تادیب کے لئے ہوتا تھا۔وجہ یہ ہے کہ طبعی غصہ کی حالت میں تنبیہ کرتے ہوئے اعتدال پر قائم رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور اس میں اس بات کا فوری خطرہ ہوتا ہے کہ تادیب کے بجائے طبعی جذبات گفت گو میں شامل ہو جائیں۔ اور جتنی سختی کی فی الواقعہ ضرورت ہے اس سے زیادہ سختی ہو جائے جو انصاف کے بھی خلاف ہو اور مقصد کے لئے بھی مضر ہے۔حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ کا معمول یہ تھا کہ جب کبھی اپنے کسی چھوٹے یا ماتحت پر غصہ کا اظہار فرماتے تو ضرورۃً اس پر سختی فرماتے تو کسی دوسرے وقت اس کی اس طرح دل داری بھی ضرور فرما دیتے تھے ۔جس سے دل شکنی کا اثر تو زائل ہو جائے، لیکن تادیب کا اثر زائل نہ ہو، کبھی اس کی کوئی مالی مدد فرما دیتے، کبھی اس کے کسی اچھے کام پر انعام دے دیا، کبھی مجمع عام میں اس کی کسی خوبی کی تعریف فرما دی، غرض کسی مناسب طریقے سے اس کی ہمت افزائی کا سامان بھی فرما دیتے تھے۔ اس تربیت کا عملی شاہکار خود پروردہ نگاہ فرید کا وجود ہے جن کی ایک ایک ادا اپنے عظیم والدِ گرامی رحمہ اللہ کا چلتا پھرتا نمونہ ہے۔ برائے اصلاح تنقید اور دلجوئی کے واقعات ''مجالس شیخ الاسلام'' میں ملاحظہ کیجئے۔

حمایت ومخالفت کے آداب

کسی آدمی یا گروہ کی حمایت ومخالفت میں جب نفسانیت شامل ہو جاتی ہے تو نہ حمایت اپنی حدود پر قائم رہتی ہے نہ مخالفت، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جس کی حمایت کرنی ہو اسے سراپا بے داغ اور جس کی مخالفت کرنی ہو اسے سراپا سیاہ ثابت کرنے سے کم پر بات نہیں ہوتی ۔آج کل حمایت ومخالفت میں اس قسم کے مظاہرے عام ہو چکے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص جس زمانے میں منظور نظر ہوا تو اس کی ساری غلطیوں اور فروگذاشتوں پر پردہ ڈال کر اسے تعریف وتوصیف کے بانس پر چڑھا دیا اور جب وہی شخص کسی وجہ سے زیرِ عتاب آ گیا تو اس کی ساری خوبیاں ملیا میٹ ہو گئیں ۔اور اس میں

ناقابل اصلاح کیڑے پڑ گئے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اس طرز فکر کے سخت مخالف تھے۔ان کے نزدیک یہ طریقہ حق و انصاف کے خلاف ہے۔اس کے علاوہ اس حد سے گزری ہوئی حمایت ومخالفت کے نتیجے میں بسا اوقات انسان کو دنیا ہی میں شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔دوسروں کی حمایت ومخالفت کے بارے میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ متوازن رائے کے حامل تھے۔ان کی نگاہ دشمنوں اورمخالفین میں بھی اچھائیوں کوتلاش کر لیتی تھی اور ان کی خوبیوں کے برملا اظہار میں بھی انہیں کبھی باک نہیں ہوتا تھا۔بعض اوقات جب عام فضا کسی مخصوص شخص یا مسلک وگروہ کے خلاف ہو جاتی ہے تو اس کے بارے میں الزام تراشی اور افواہ طرازی کو عموماً عیب نہیں سمجھا جاتا ، بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے عیوب کی خبریں لانے میں لطف محسوس کیا جاتا ہے اور اس میں تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ان کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی جہت سے برا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کی تمام جہات کو لازماً بُرا بنا دیا جائے۔پروردۂ نگاہِ فرید رحمہ اللہ کا مسلکی مزاج اور دینی رُخ اِسی اَمر کا عملی آئینہ دار ہے۔

وقت کی قدرشناسی

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا۔اوروہ ہر وقت اپنے آپ کوکسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے۔اورحتی الامکان کوئی لمحہ فضول نہیں جانے دیتے تھے۔ ان کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے ۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ ضروری اور بسا اوقات تفریحی گفت گو کے لئے بھی وقت نکالتے تھے،لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے قلب میں کوئی الارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔چنانچہ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد آپ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے تھے۔سفر ہو یا حضر آپ مطالعہ اور ذکر وفکر میں ہمہ تن

مصروف رہا کرتے تھے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ وقت کی وسعت کے لحاظ سے مختلف کاموں کی ایک ترتیب ہمیشہ ذہن میں رکھتے تھے ۔اور جتنا وقت ملتا اس کے لحاظ سے وہ کام کر لیتے تھے۔وقت کی قدر شناسی کا مزاج دیکھنا ہو تو پروردہ نگاہ فرید رحمہ اللہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔جو ہر شناس باپ نے آغاز ہی سے ایسا ڈھالا کہ اب سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں اور ہفتوں کا کام دن میں برق رفتاری کے ساتھ ہو رہا ہے۔یہ سب حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے فیضِ تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہر لمحہ سے تجدید و احیائے کا کام لیا جا رہا ہے۔

سیاست اور علماء

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کا مزاجِ طبعی طور پر سیاسی نہیں تھا۔ اور نہ انہوں نے کبھی سیاست کو اپنا محور عملی بنایا۔لیکن سیاست بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اور اس شعبے میں مسلمانوں کی اجتماعی بہبود کی فکر اور رکھوالی ایک عالم دین اور داعی دین کے فرائض میں شامل ہے۔ اس لئے جب کبھی مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہوئی تو آپ رحمہ اللہ نے اعلیٰ مقاصد کے تحت اس شعبے میں بھی خدمات انجام دیں۔تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر کردار ادا کیا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اور قائداعظم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے عوام میں شعور پیدا کیا۔ حضرت شیخ الاسلام حضرت پیر قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ کی قیادت اور رفاقت میں دورہ جات کیے اور نظریہ پاکستان پر روشنی ڈالی۔ جب قیام پاکستان کے لئے ملک گیر تحریک شروع ہوئی تو اس وقت آپ رحمہ اللہ کا عہدِ شباب تھا۔ اس لئے آپ رحمہ اللہ نے بھرپور اور سرگرم حصہ لیا۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے روابط و تعلقات کی دنیا گوناں گوں متنوع اور وسیع تھی۔معالجہ جسمانی کے حصول کے لئے بڑے بڑے نامی گرامی سیاستدان آپ کے زیر علاج رہتے تھے اور وہ آپ کے مفید مشوروں سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔علماء کے لئے سیاست میں حصہ لینے کو اس غرض سے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ بہتر سمجھتے تھے کہ ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہو۔ اس سلسلہ میں دو باتوں پر

خصوصی توجہ دیتے تھے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تعلیمی اداروں کو سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے، اداروں کے اساتذہ وطلباء کو ملک کے سیاسی حالات سے نظری طور پر واقف رہنا چاہیے لیکن عملی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ اس کی وجوہات بہت سی ہیں۔ مثلاً سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی تعلیمی ادارہ خود یا اس کے اساتذہ وطلبہ عملی سیاست میں مشغول ہوجاتے ہیں تو وہ علمی انہماک مفقود ہوجاتا ہے جو تحصیل علم کے لئے ناگزیر ہے اور اس کی وجہ سے تعلیم و تعلم کا معیار گرجاتا ہے اور استعدادیں اور صلاحیتیں کمزور ہوجاتی ہیں۔ علم یکسوئی چاہتا ہے اور سیاسی مشاغل کو یکسوئی سے بیر ہے۔

چنانچہ جو لوگ زمانہ طالب علمی کے دوران عملی سیاست میں لگ جاتے ہیں عموماً ان کی استعداد ناقص رہ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ عوامی مطالبہ محض ایک نعرے کی شکل میں نہیں بلکہ ایک ٹھوس اور مثبت پروگرام کی شکل میں اتنی قوت اختیار کرجائے کہ کسی بھی حکومت کو اس سے انحراف اور سرتابی کی جرات نہ ہو۔ اور دوسری طرف وہ دین دار سلیم الفکر اور مخلص اور باکردار افراد کی ایسی ٹیم تیار کریں جو الیکشن میں حصہ لے کر حکومت کے ایوانوں تک پہنچے اور اس عوامی مطالبے کو زیرِ ہدایت عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ جس زمانے میں ''جمعیت علمائے پاکستان'' کی ذمہ داری شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ اور غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ امروہی کے پاس تھی اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی تحریک عروج پر تھی۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ انہی کے دست و بازو تھے۔ اور اپنے معاصرین علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ، صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی رحمہ اللہ اور دیگر اربابِ علم کو آپ کا انہیں پورا تعاون حاصل تھا۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اپنے معاصرین کو کھل کر اپنے نقطہ نظر سے آگاہ

کرتے تھے اور برملا فرمایا کرتے تھے کہ علماء کو نہ تو حکمرانوں سے اتنا قرب اختیار کرنا چاہیے، جس سے ان کے علمی وقار، استغناء اور خود داری پر آنچ آئے یا حق گوئی میں رکاوٹ پیدا ہو۔اور نہ ایسا بُعد رکھنا چاہیے کہ وہ ذاتی یا سیاسی خصوصیت کی شکل اختیار کرجائے۔ بلکہ علماء کا منصب ایک ایسے آزاد، مستغنی مگر خیر خواہ ادارے کا ہونا چاہیے جو حکومت کے اچھے کاموں میں اس کے ساتھ تعاون بھی کرے اور اس کے غلط کاموں پر ہمدردی و خیر خواہی اور حکمت و دل سوزی کے ساتھ تنقید و احتساب کا فریضہ بھی انجام دے۔

برصغیر پاک و ہند کے دو سو سالہ عہدِ حکومت کے دوران چونکہ مخلص اور باضمیر مسلمان ہمیشہ انگریز حکومت سے بیزار اور آزادی ہند کے لئے کوشاں رہے۔ اس لئے مسلمانوں کے سیاسی مزاج میں دو سو سال تک حکومت کی مخالفت کا رُجحان غالب رہا۔ اور ہر اس فرد اور تحریک کو قبولیتِ عام حاصل ہوئی جو حکومت کی مخاصمت اور مخالفت میں برپا ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر حریت پسند مسلمانوں کو ہمدردیاں ہٹلر تک سے وابستہ ہوگئیں۔ اس لئے کہ اس کی طاقت وقوت اور فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ انگریز کی شوکت توڑنے اور اس کے جمے ہوئے اقتدار وتخت کو ڈھانے اور گرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شاید یہ اسی دو سو سالہ اُکھاڑ پچھاڑ اور سیاسی مزاج کے باقی ماندہ اثرات ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد یہاں بھی منفی انداز سیاست پروان چڑھی اور آزادی سے پہلے کی طرح اب بھی حکومت کی ہر مخالفت نہ صرف قابل تعریف بلکہ بذاتِ خود مقصد بن کر رہ گئی ہے۔ اور جو تحریک اور شخص حکومت کے مقابلے میں جتنے زور اور جتنے تشدد و جارحیت سے سامنے آتا ہے، عوام میں اُسے اتنی ہی مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اس رُجحان اور طرز عمل کو حکمرانوں کے رویہ سے بھی تقویت ملی جو واقعتاً قابل مخالفت تھا۔ لیکن بہرصورت! واقعہ یہی ہوا کہ ہماری سیاست میں منفی اندازِ فکر ترقی کرتا چلا گیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد ہماری سیاسی حکمتِ عملی بھی

تبدیلی کی محتاج تھی۔ اب عہدِ غلامی کی طرح حکومت کی مخالفت بذاتِ خود مقصد نہیں بنی چاہیے تھی۔

بلکہ ہر موڑ اور ہر مرحلے پر ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ سوچنے کی ضرورت تھی کہ ملک وقوم کے استحکام اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے فروغ کے لئے کون سا طرزِ عمل مفید ہوگا؟ اس طرزِ فکر کے نتیجے میں جہاں بعض مواقع پر حکومت کے مقابلے میں ڈٹ جانا مفید ہوتا ہے وہاں بعض مواقع پر اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے قریب پہنچنا بھی زیادہ سود مند ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ملکی سیاست میں کئی مراحل ایسے بھی آئے کہ جن میں حکومت سے سیاسی مخالفت و مخاصمت کی فضا پیدا کرنے کے بجائے اس کے ساتھ باوقار تعاون اور اسے دور دور سے برا کہنے کے بجائے قریب جا کر اصلاح کی فکر شاید ملک و ملت کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوتی۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اسی مخلصانہ فکر کے حامل اور روا دار تھے۔ ان کی زندگی میں مقامی حکومت جھنگ کے ساتھ تعاون اور اس کی مخالفت دونوں کی متوازن مثالیں موجود ہیں۔

ملک پاکستان کے معروف سیاسی خاندانوں کے ساتھ حضرت فرید ملت کے روابط و تعلقات خالصتاً سیاسی نہ تھے ایک ہمدرد معالج اور طبیب کی حیثیت سے تھے۔اور بعض کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی تھے۔ سرگانے، وٹو، گیلانی، قریشی اور جبکہ کئی سرکردہ لوگوں کے ساتھ قربت تھی لیکن اس قربت دوستانہ کی بنیاد پر خلق خدا کے نفع و خیر خواہی کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے حکومت کے قُرب کو ایک تو سہل نگاری یا عافیت کوشی کی بناء پر نہیں بلکہ دینی ضرورت کے تحت اختیار کیا ہوا تھا۔ چنانچہ جہاں ضرورت داعی ہو وہاں حق گوئی سے ادنیٰ باک نہ ہو۔ اور دوسری طرف اس قرب کو خالصتاً بوجہ اللہ اختیار

کیا جائے۔اور اس میں ذاتی مفادات کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو، کیونکہ وہ دین پر دو اعتبار سے تباہی اور ایسے قرب سے بُعد ہزار درجہ بہتر ہے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے حکمرانوں کے ساتھ جو طرز عمل رہا وہ ان تمام حدود و شرائط کی رعایت سے عبارت تھا۔حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے کبھی کسی وڈیرے، سیاست دان اور حکمران کے سامنے مداہنت سے کام نہیں لیا۔ اور ضرورت کے مواقع پر سخت سے سخت بات کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔لیکن اس کے ساتھ انہوں نے مخالفت برائے مخالفت کے بجائے ضرورت کے وقت حکومت سے تعاون اور اچھے کاموں میں اس کی حوصلہ افزائی میں بھی بخل کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کا متعدد سرکردہ لوگوں سے قربت کا یہ عالم تھا کہ وہ علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ آپ رحمہ اللہ سے سیاسی رہنمائی بھی حاصل کرتے تھے۔ اور آپ ان کی مخلصانہ رہنمائی فرماتے رہے۔ ایک طرف آپ کے وقار و استغناء اور دوسری طرف للّٰھیت اور ہمدردی و دلسوزی کی وجہ سے ان سیاسی لوگوں پر یہ بات واضح رہی کہ آپ کو نہ خریدا جاسکتا ہے، نہ ضمیر کے خلاف کسی قول وفعل پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ کسی معاملے میں آپ رحمہ اللہ کی حمایت کو تملُّق یا مخالفت کو عناد وعداوت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

حکمرانوں سے ملاقات یا اِن سے میل جول بڑھانے کی باقاعدہ کوشش کرنا آپ رحمہ اللہ کو بالطبع ناپسند تھا۔ بڑے بڑے لوگ آپ سے علاج معالجہ کی غرض سے آتے اور صحت یاب ہوکر واپس لوٹتے اور پھر ان کا یہ تعلق خاندانی قربت و جاہت میں بدل جاتا تھا۔ جہاں کہیں کوئی دینی اور ملی فائدہ مقصود ہوتا وہاں آپ رحمہ اللہ خود بھی بقدرِ ضرورت اپنی خدمت پیش کرتے اور ان سے ملاقات کرتے، لیکن جہاں ان ملاقاتوں سے کوئی دینی فائدہ متصور نہ ہوتا وہاں حتی المقدور تعلقات کو آگے بڑھانے سے پرہیز فرماتے۔ حکمرانوں سے اس استغناء کے اس انداز کے باوجود ہر حکومت کے ساتھ آپ رحمہ اللہ کا طرزِ عمل یہ رہا کہ آپ نے اس کی غلطیوں پر تنقید و احتساب کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح اور اچھے

کاموں پر حوصلہ افزائی میں کبھی اپنی اناء کو آڑ نہ بننے دیا۔ ان کے اچھے کاموں کی کھلے دل سے تعریف کی اور جن بااثر شخصیات سے خیر کی توقع تھی ان سے ملاقاتیں کرکے ان سے ایسے کام کرائے جو ملک و ملت کے لئے مفید تھے۔

البتہ ان تعلقات میں اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ وہ کسی ذاتی مفاد کے حصول کے ذریعہ نہ بنیں۔ چنانچہ متعدد مواقع پر آپ رحمہ اللہ کو اعلیٰ سرکاری شخصیات کی طرف سے ذاتی مفاد کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے اسے خوبصورتی کے ساتھ رد فرما دیا۔ حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ کی اسی للھیت، اخلاص، سلامتی فکر کا ثمر تھا کہ سرکاری لوگ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ رحمہ اللہ سے کوئی ناجائز مطلب برآری کی جاسکتی ہے۔ صدر ایوب کے عہد میں تجدد کی جو تحریکیں سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھیں ۔اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی طرف سے اسلام کے خلاف جو مشق ستم ہوئی اس سے حضرت فریدالدین قادری رحمہ اللہ سخت نالاں تھے اور وقتاً فوقتاً اجتماعات کے مواقع پر ان کی مؤثر تردید فرماتے تھے۔حضرت فریدالدین قادری رحمہ اللہ کے نزدیک اسلام کے نفاذ کے لئے جمہوریت کو زینہ بنانے کا تصور درست نہیں تھا۔ کیونکہ اول تو مغربی طرز کی جمہوریت بذاتِ خود اسلام کے خلاف ہے۔ دوسرے پہلے جمہوریت پھر اسلام کے سلوگن سے سب سے زیادہ نقصان اسلام کو پہنچتا ہے۔

حضرت فریدالدین قادری رحمہ اللہ تبدیلی اقتدار اور بحالی جمہوریت وغیرہ کی تحریکوں کے بجائے اس بات کے خواہاں رہے کہ کوئی مؤثر تحریک صرف اسلام کے نام پر چلائی جائے ۔اور اس میں اسلام کے نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نام کو محض تبدیلی اقتدار کے حیلے اور بہانے کے طور پر استعمال نہ کیا جائے بلکہ اس کے اول و آخر مقصد نفاذِ اسلام اور نظامِ مصطفیٰ کی بالادستی ہو۔اور وہ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو اس عظیم مقصد کے لئے عملی اقدامات پر مجبور کردے۔ چنانچہ جب صدر ایوب کے آخری دورِ حکومت میں ان کے خلاف تحریک چلی تو حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو اس بات کا سخت قلق تھا کہ اس کا براہ

راست مقصد سوائے تبدیلی اقتدار کے کچھ نہیں ہے۔ اور آپ رحمہ اللہ کی سوچی سمجھی رائے تھی کہ اس کے نتیجے میں شاید تبدیلی اقتدار تو عمل میں آ جائے لیکن بحالی جمہوریت کی جس منزل کا ملکی سیاست پر غلغلہ اور چرچا ہے، نہ وہ حاصل ہو سکے گا اور نہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی کوشش کا مرحلہ آ سکے گا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آمرانہ اقتدار کا بت تو توڑا گیا لیکن تبدیلی نظام نہ ہو سکی۔ کیونکہ اُس وقت ملک کی سیاسی فضا ایسی بن چکی تھی کہ تبدیلی اقتدار بذاتِ خود ایک مقدس مقصد بن گیا تھا اور تحریک کا رخ کسی مثبت مقصد کی طرف موڑنے میں علماء کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا حضرت فرید ملت اپنے ہم عصر علمائے کرام سے اظہار خیال کیا کرتے تھے۔ وہ خطرہ یہ تھا کہ اقتدار تو تبدیل ہو گیا مگر نہ بحالی جمہوریت کی مزعومہ منزل حاصل ہو سکی اور نہ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی بہتری پیدا ہوئی بلکہ ملک اپنی سالمیت اور استحکام کے لحاظ سے نہ صرف برسوں پیچھے چلا گیا بلکہ دو نیم اور دو ٹکڑے ہو کر رہا۔

طرزِ معاش و معیشت

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا طرزِ معیشت ہمیشہ صاف ستھرا اور سادہ رہا۔ طرزِ بود و باش میں ہمیشہ تواضع، سادگی اور اس میں صاف اور اجلا پن صاف جھلکتا تھا۔ آمدنی کے لحاظ سے آپ ایک خوشحال معالج و طبیب تھے۔ پریکٹس خوب چلتی تھی، ابتدائی زمانہ عسرت میں بھی بسر ہوا لیکن کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ آمد و خرچ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کشادگی سے نوازا تھا۔ حضرت فرید الدین قادری رحمہ اللہ تھوڑی آمدنی میں بھی کام چلانے کا گر جانتے تھے۔ بخل کی بجائے انتظام اور قناعت سے کام لیتے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر انسان اپنی آمدنی کو انتظام کے ساتھ خرچ کرے تو تھوڑی رقم میں کام بن جاتا ہے۔ اور بدنظمی سے کرے تو قارون کا خزانہ بھی تھوڑا ہو جائے۔ جس زمانے میں معاشی طور پر حضرت والا کا ہاتھ تنگ رہا اس دور میں بھی یہ بات اولاد پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ اولاد کی طرف ضروریات ہی نہیں، جائز شوق بھی پورے فرماتے تھے۔ لیکن

ساتھ ہی فضول خرچی سے اجتناب کی بھی عادت ڈالی۔ اور اس بات پر ہمیشہ نگاہ رکھتے تھے کہ دنیا طلبی ہی زندگی کا مقصد ہو کر نہ رہ جائے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ معاشی پریشانی و بدحالی سے محفوظ رکھے لیکن بہت زیادہ مالدار بھی نہ بنائے کہ جس سے یادِ الٰہی سے غافل ہو جاؤں۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا بڑا ذوق تھا اور آپ رحمہ اللہ معارف خیر میں حصہ لینے کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے لیکن ضرورت مند ہیں اور اس قسم کے افراد کی ایک فہرست ہمیشہ نظر میں رکھتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے ذریعے کتنے انسانوں کی حاجت روائی ہوئی، اور کتنے مصارفِ خیر جاری ہوئے، نہ جانے کتنوں کو ماہانہ وظیفہ دیتے تھے، کتنے افراد کو کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرا کر معاشی ترقی کے راستے پر لگا دیا، کتنے افراد ایسے تھے کہ جن کا مفت علاج فرمایا کرتے تھے۔ اور کتنے افراد کی کسی دوسری طرح ضروریات پوری کرنے میں مدد دی۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے متعلقین اور رشتہ داروں میں خود جا کر ان کی ضروریات معلوم فرماتے اور پھر ان کی دادرسی فرماتے۔ اس معاملے میں قریب اور دور کی رشتہ داری کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا۔ دور دراز گاؤں میں کوئی دور پرے کا رشتہ دار، عزیز، دوست اور متعلق آباد ہے تو اس کے حالات سے بھی باخبر رہتے تھے۔

بازار میں جو بھکاری عام طور پر مانگتے پھرتے ہیں، ان کے ساتھ بھی حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کا عجیب طرزِ عمل تھا۔ عام طور پر جو کوئی سائل آتا آپ رحمہ اللہ اسے کچھ نہ کچھ دے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ دورانِ سفر گاڑی میں ایک سائل آ دھمکا، آپ رحمہ اللہ نے اپنی جیب میں سے کچھ نکال کر اسے دے دیا ہمراہ ساتھیوں نے پوچھا: ڈاکٹر صاحب! اس قسم کا سائل عام طور پر مستحق تو نہیں ہوتا، ان کو دینا چاہئے یا نہیں؟ اس کا آپ رحمہ اللہ نے نہایت عجیب وغریب جواب دیا، فرمایا: یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ سوچو کہ اگر ہمیں

بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے استحقاق ہی کی بنیاد پر ملنے لگے تو ہمارا کیا حال ہوگا؟

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے اس جواب کونقل کرتے ہوئے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں اور اندازہ کیجئے کہ اولیاء الرحمٰن کی نظریں کہاں پہنچتی ہیں۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے نزدیک محض بدگمانی اور بے یقینی کی بنا پر کسی سائل کو رد کر دینا اور جھڑک دینا ٹھیک نہیں۔ غرباء کی امداد کے علاوہ دوست احباب اور ہم عصر علماء و مشائخ کی خدمت کرنے کا آپ کو خاص ذوق تھا۔ جب کسی مسجد کی تعمیر کی خبر سنتے تو اس میں کچھ نہ کچھ حصہ لینے کی کوشش فرماتے، اپنے والدین کے لئے صدقات دیتے رہتے تھے۔

مجددانہ تربیت

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نام تو ایک فرد واحد کا ہے مگر حقیقت میں وہ فرد واحد نہ تھے بلکہ پوری انجمن تھے، جو اپنے جلو میں علم و فضل، ارشاد و تبلیغ، کردار و گفتار، عزم محکم اور جہد مسلسل کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ پیدا تو ''جھنگ'' میں ہوئے مگر ان کے فیض کا بادل پوری دنیا پر برس رہا ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ درسگاہ علم وفن کے فیض بخش مدرس تھے، خطابت کے رمز آشنا، تکلّموا الناس علی قدر عقولھم کے مصداق، بے بدل خطیب تھے، میدان بحث و مناظرہ کے برق رفتار شاہسوار تھے، قوم و ملت کے بے ریا مصلح اور نقیب تھے، روحانیت کے روشن ضمیر مربی و مرشد اور انقلاب آفریں مفکر بھی تھے، محفل شعر و ادب کے مسند نشین بھی تھے تو یاران نکتہ داں کے میر مجلس بھی، حق کے لئے شبنم کے قطروں کی مانند حساس و نرم بھی تھے تو باطل کے لئے آتش فشاں پہاڑ بھی، ایثار و قربانی کے پیکر جمیل بھی تھے تو ناقابل تسخیر جرأت و ہمت کے حامل بھی تھے۔ غرض حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی ایک زندگی میں کئی زندگیاں جمع ہوگئی تھیں۔ گویا کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردۂ نگاہ کو متقدمین کا تصوف جو جلائے باطن اور صفائے باطن سے عبارت ہے، گھول کر پلا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پروردہ نگاہ کی ذوق

چشیدگی کے جہان میں آفاقیت، وسعت، ہمہ گیریت اور ہمہ جہت تصوف وسلوک کا نور دکھائی دیتا ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی بے قرار روح نے اپنے پروردۂ کی تربیت کا منہاج تجدید واحیائی شان کے ساتھ اٹھایا۔ پروردۂ نگاہ کی زبان پر جو استدلال بولتا ہے یہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی قادر الکلامی، جاذبیت اور علمی دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی تربیت کا اثر تھا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب کے زمانہ طالب علمی کے باوجود حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ، غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ، علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ، علامہ محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ جیسے صاحبان علم وفضل اور رموز آشنا بزرگوں کی زبان پر کلمات تحسین ہوتے۔ وہ آپ کے علم و بصیرت وفضیلت کے حد درجہ قدردان تھے۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے پروردۂ کو مذہبی اسٹیج کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بنا کر پیش کیا۔ انہوں نے اپنی خطابت کا اسلوب پروردۂ کی صورت میں فراہم کیا ہے۔ قدرت نے انہیں فہم کا ملکہ راسخہ ودیعت فرمایا تھا کہ باریک سے باریک مفہوم کو سامعین کے قلوب میں اتار دیتے تھے۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی خطابت میں موجوں کا تلاطم، آبشار کی روانی، شیر کی گھن گرج، بلبل کی چہچہاہٹ، علم وفن کی روانی، فکر و بصیرت کا ٹھہراؤ، معنی آفرینی کا کمال اور الفاظ کا حسن انتخاب دیکھنا ہو تو مجدد عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ کے اسلوب خطابت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لفظ ومعنی کا حسین ربط قائم رکھنا اور برپا کرنا حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے خطابتی اسلوب کا ایسا نقطہ امتیاز ہے کہ جو پروردۂ نگاہ میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے اور ہر لفظ عجائبات کی دنیا لئے ہوئے ہے۔

حضرت فریدِ ملت اور شیخ الاسلام کے مابین روحانی ہم آہنگی

تعلیم وتعلّم ہو یا معرفت وسلوک دونوں صورتوں میں کسی مرشد یا استاد سے اخذ واکتساب اور استفادہ کے درج ذیل دوطریقے ہیں:

۱۔ ایک طریقہ تو یہی ہے جو عام طور پر رائج اور متداول ہے کہ مربی و مرشد کے بتلائے ہوئے مجاہدات اور اوراد و اشغال پر عمل کرتا رہے، یا استاد سے کتابیں پڑھے اس کی تقریروں کو ذہن نشین اور یاد کرلے، اس طریق میں مرشد یا استاد کی معیت کا زمانہ جس قدر دراز ہو گا اسی قدر اخذ و استفادہ زیادہ ہوگا، ائمہ محدثین کی اصطلاح میں اس طول معیت کو طول ملازمت و مصاحبت کہتے ہیں۔ اورصحت حدیث میں ضبط و اتقان کے بعد اس کا دوسرا مرتبہ ہے ۔واضح بات ہے کہ اخذ و استفادہ کے اس طریق میں مدار صرف جسمانی افعال و اعمال یعنی پڑھنے پڑھانے ،یادکرنے کرانے یا اعمال و اشغال جاری رکھنے پر ہوتا ہے اس لئے جس قدر اس کا زمانہ دراز ہوگا اسی قدر معلومات و معمولات کا ذخیرہ زیادہ ہوگا۔

۲۔ اخذ و استفادہ کا دوسرا طریق مرشد یا استاد سے قلبی عقیدت اور روحانی محبت اور اسی والہانہ عقیدت ومحبت کی بنیاد پر مبنی روحانی اتحاد ہوتا ہے ۔اگر یہ محبت طرفین سے ہو یعنی جیسی محبت مرشد سے مرید کو ہو یا استاد سے شاگرد کو ہو ویسی ہی محبت مرشد کو اپنے مرید سے یا استاد کو اپنے شاگرد سے ہو تو یہ محبت و پیار جس قدر قوی ہو گا اسی قدر روحانی اتحاد قوی ہوگا۔اس محبت کے اسباب میں سے اہم ترین سبب خدمت مرشد واستاد ہے ۔مگر وہی عاشقانہ اوروالہانہ خدمت جس میں سراسر لذت و سرور ہو،تعب اور گرانی کا نام تک نہ ہو۔ یہ خدمت وہ قوی تر موثر ہے جو مرشد و استاد و مربی کو محبت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے ۔ یہی والہانہ محبت اور عاشقانہ خدمت روحانی اتحاد کے لئے یا روحانی انصباغ کے مرتبہ پر پہنچ کر زیرتربیت تلمیذ و مرید میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے سوچنے سمجھنے،مشکلات کوحل کرنے کا انداز اور عقدہ کشائی کے طریقے مرشد و استاد کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں ۔پھر اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ مرشد و مربی اور استاد سے کتب پڑھی ہوں یا ان کی زبان سے تقریریں سنی ہوں، چنانچہ تلمیذ بغیر استاد کی ظاہری وساطت کے وہی کچھ سوچتا، سمجھتا اور کہتا ہے جو مربی اور استاد نے دوسروں کو فرمایا یا بتلایا ہوتا ہے، اگر چہ اس تلمیذ

نے براہِ راست استاد سے وہ نہ پڑھا ہو نہ سنا ہو، اخذ و استفادہ کا یہ طریق انتہائی قوی اور سریع الحصول ہوتا ہے ۔نہ کسی خاص کتاب کو استاد و مربی سے پڑھنے کی یا کسی تحقیق کو استاد و مربی کی زبان سے سننے کی ضرورت باقی رہتی ہے،نہ کسی مخصوص مدت اوروقت کی، برسوں کا کام مہینوں میں اورمہینوں کا کام ہفتوں میں اور ہفتوں کا کام دنوں میں ہوجاتا ہے،گویا تلمیذ استادکی زبان یا ترجمان بن جاتا ہے۔

اخذ و استفادہ کے اس طریق میں طالب کی فطری ذہانت و ذکاوت،اخّاذ طبیعت دقیقہ شناسی ،نکتہ رسی،سرعت فہم اور حافظہ کی قوت بے حد معین اور اتحاد روحانی یا انصباغ روحانی کے لئے بے حد مدد گار ہوتے ہیں ۔یہ فطری خوبیاں اور صلاحیتیں سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہیں اورروحانی اتحادمنتہائے کمال پر پہنچ جاتا ہے ۔

من توشدم تو من شدی من تن شدم توجاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ بحیثیت باپ ،استاد،مربی اور حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بحیثیت ایک بیٹے،شاگرد کے ربط وتعلق پر غور وفکر کیاجائے تو مذکورہ بالا دونوں طریق اخذ واستفادہ کی فہم عقل میں آجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ پروردہ فرید ملت کو روشن مستقبل کے لئے خود ہی تیار کر رہا تھا،اس نے اپنے خاص فضل وکرم سے فطری ذہانت وذکاوت اورخرقِ عادت کے مرتبہ میں اخّاذ طبیعت ،علوم وفنون اور دقائق وحقائق کے سمجھنے اور پرکھنے کی استعداد واہلیت، گہرائیوں میں اتر جانے والی دقیق نظر ،غضب کے حافظہ سے سرفراز فرمایا ہے۔بالفاظ دیگر حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تیاری کے لئے قدرت نے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو دقیق وعمیق علوم و معارف سے نوازا تھا ۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے علوم و معارف جو ارضِ ہند اورعرب مما لک کے شیوخ سے کسب کئے تھے وہ مستقبل کی قیادت کے لئے ہی حاصل کئے تھے۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے کوئی کتاب کسی استاد کے پاس جا کر پڑھی اورکوئی کتاب کسی کے پاس،غرض

مختلف مقامات سے جو علمی و روحانی فیض حاصل کیا وہ بلا شرکت غیرے اپنے جگر گوشہ کو منتقل کر دیا، پروردہ نگاہ فرید کی علوم و معارف اور حقائق و دقائق کی تشنہ اور بے قرار روح نے اپنے باپ اور استاد کے تمام تر علوم و معارف حقائق و دقائق اور اسرار و رموز کو اس طرح اپنے اندر جذب کرلیا جیسے ریگ زار زمین موسلا دھار بارش کے ایک ایک قطرہ کو پی جاتی ہے ۔قوتِ حافظہ اور یادداشت کا یہ عالم ہے کہ جو بات بھی جس زمانہ میں ،جس مقام اور جس وقت فرمائی، برس ہا برس گزر جانے کے بعد زمانہ، مقام اور وقت کی تعیین کے ساتھ لوحِ ذہن پر نقش کا لحجر ہے ۔غایت محبت کی وجہ سے نہ صرف وہ بات بلکہ اپنے محبوب استاد اور ابا جان کا اندازِ تکلم لب و لہجہ اور درس و خطابت کا اُسلوب بعینہٖ اسی طرح یاد ہے ۔حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو سننے والے اور جاننے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ پروردہ نگاہ فرید اپنے عظیم اباجان کا پرتو کامل ہیں۔جگر گوشہ نے اپنے استاد سے اخذ و استفادہ دونوں طریق پر کیا ہے۔ اور دوسرے طریق میں بھی کمال حاصل ہے ۔لہٰذا روحانی اتحاد اورروحانی انصباغ کے منتہائے کمال پر پہنچ کر آخذ و ماخوذ منہ کے ادراکی قوی اورسوچنے سمجھنے کے طریقے بالکل ایک ہو جاتے ہیں ۔اس لئے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے تمام تلامذہ ومستفیدین میں ان کے علوم و معارف کے حامل صرف حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام اور حرمین شریفین کے اکابر شیوخ کے کلام کا ایجاز،ایما بلکہ اغلاق بھی آپ کے لئے مانع نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے ان کے مؤجز مختصر قسم کے کلام کو اپنی عبقریت کے ذریعہ پوری وضاحت وتفصیل کے ساتھ اخذ کر کے اس کو مزید قابل فہم بنا کر پیش کیا ہے۔

احقر خاکسار یہ کہنے پر مجبور ہے کہ حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو قدرت نے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے علوم و معارف اور طرز کلام کومحفوظ رکھنے کے لئے بلکہ ان کے موجز ومعجز تحقیقات کوشرح و بسط کے ساتھ بیان کر کے علماء و طلباء کے لئے آسان اور قابل استفادہ بنانے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہی بڑی

رمزیت وخصوصیت اور سعادت اورحسن عمل ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے علوم و معارف کا صحیح جانشین ہو۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی ایک خاص رمزیت اور کمال تلخیص تھا۔چوٹی کے مصنفین و محققین کے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے مباحث کو کا خلاصہ چند جملوں میں اس خوبی کے ساتھ اپنے پروردہ نگاہ کوذہن نشین کروادیا جیسے ''ماہر دواساز''عرق کشید کرتے ہیں۔یا ''عطرساز'' 'روح'' کشید کرتے ہیں یا آج کل ماہرین ہر چیز کا جوہر نکالتے ہیں، حجم نہایت مختصر تاثیر اور کارکردگی بے حد قوی، حضرت فرید ملت رحمہ اللہ عملاً طبابت و حکمت سے وابستہ تھے اور یہ گر انہوں نے اپنے اسی فن سے سیکھا تھا لہٰذا اسے انہوں نے خوب برتا اور اپنے علم وفضل کا جوہر''طاہر'' کی صورت میں قوم کوتحفہ دیا۔ ہر باب اورشعبے میں آپ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کا مثنی ہیں۔ اس لئے کہ عظیم والد کے علوم و معارف آپ میں منعکس ہو گئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنے معاصرین پر تفوق حاصل ہے۔ یہ سب آپ کے والدِ گرامی رحمہ اللہ کی صحبت اور فیضان نظر کا کرشمہ ہے۔

عارفین کا کہنا ہے کہ ہر عارف کو اس کے علوم و معارف کی ترجمانی کے لئے ایک لسان عطا کی جاتی ہے ۔جیسا کہ حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ کی لسان مولانا رومی رحمہ اللہ تھے ۔بلا شبہ موجودہ دور میں اپنے مرشدحضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری رحمہ اللہ اور استاد کی لسان حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ہیں۔جوعلوم و معارف شیخ و استاد کے قلب پر وارد ہوئے تھے انہیں آپ کھول کھول کر بیان فرما رہے ہیں۔

سفرِ آخرت

(صبغت اللہ قادری)

یہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ جمعۃ الوداع کا روز تھا۔ حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کچہری روڈ جھنگ کی ایک مسجد ڈاکٹر کفیل میں تہجد کے موضوع پر جمعہ کا خطاب فرمارہے تھے۔ ''آخر شب اُٹھنے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔'' تقریر نہایت ہی پرتاثیر اور درد وسوز میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر شخص کی آنکھ اشکبار تھی۔ گورنمنٹ غزالی کالج کے پرنسپل محترم گوہر صدیقی اور وائس پرنسپل محترم الطاف حسین حاضرین میں موجود تھے۔ ان کی روایت کے مطابق یہ ایک منفرد تقریر تھی۔ تقریر کا ایک ایک لفظ رُوح کے تاروں کو چھیڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ تقریر کے بعد ہر خاص و عام سے ملاقات کرنے کے بعد گھر تشریف لائے۔ شام کو افطاری کے بعد پہلی مرتبہ خفیف سا دردِ دِل محسوس ہوا اور کچھ وقت کے لئے نڈھال ہوئے لیکن سنبھل گئے۔ دوسرا دورہ اتوار کو ساڑھے گیارہ بجے دوپہر ہوا۔ یہ دورہ پہلے دورہ سے زیادہ شدید تھا۔ اس میں بھی سنبھل گئے۔

۲۷ویں رمضان المبارک (۱۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء) کی رات تھی۔ قریب ہی مسجد پرانی عیدگاہ میں ختم قرآن تھا۔ نماز تراویح کی ۱۷ ویں رکعت تھی، اطلاع ملی کہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو دل کا دورہ ہوا ہے۔ یہ دورہ انتہائی درجہ سخت تھا۔ اسی وقت جھنگ کے ایم ایس ڈاکٹر محمد احسن صاحب کو بلایا گیا اور باقاعدہ علاج شروع ہوا۔ جمعۃ المبارک کو عید الفطر ہوئی۔ طبیعت دن بدن کمزور ہوتی گئی ۔ ۲۰، اکتوبر کو آپ کو سول ہسپتال جھنگ داخل کر دیا گیا۔ آپ کی عیادت کے لئے ہسپتال میں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب کے فرزند ارجمند شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری چارپائی پر بیٹھے ان کا دایا بازو ہاتھ میں لئے کلمہ شہادت کا ورد کر رہے تھے ۔ کیونکہ اس سے ایک روز قبل قبلہ ڈاکٹر صاحب نے اس مرض کو ''مرض الموت'' سے تعبیر کر دیا تھا۔ اس دوران اپنے عظیم فرزند

سے بارہا خلوت میں فرمایا: بیٹا خوش قسمت ہو کہ تمہیں آخری بار اپنے والد کی خدمت کا موقع نصیب ہوگیا ہے۔ اس موقع کو غنیمت جانو پھر تمام عمر یہ وقت نہیں ملے گا۔ بیٹا جو لمحات اب میرے پاس گزار رہے ہو یہ غنیمت ہیں۔ ایسے مواقع خوش نصیبوں ہی کو حاصل ہوا کرتے ہیں۔آپ نے اپنے بیٹے کو چند وصیتیں بھی کیں جو درج ذیل ہیں:

وصیت

۱۔ میری قبر اپنی والدہ کی قبر کے ساتھ ہی بنانا۔

۲۔ میری تکفین میرے انہی احراموں میں کرنا جن میں میں حج کیا کرتا تھا۔

۳۔ جنازہ بذات خود پڑھانا کسی دوسرے سے نہیں۔

۴۔ تمام قرض خواہوں (نام لکھوا کر) کا قرضہ میری حیات ہی میں ادا کر دو تا کہ ذہن اور روح پر کوئی بوجھ نہ رہے۔ (تمام وصیتوں کے مطابق عمل کیا گیا)

اس کے علاوہ فرمایا کہ یہ بیماری عام نہیں کہ علاج سے شفایابی ہو سکے۔ میری اَجل آچکی ہے۔ اب علاج کارگر ثابت نہیں ہوسکتا۔ بیٹا میں اَجل سے گریزاں نہیں ہوں ،صرف تمہارے مستقبل کی فکر لاحق ہے۔اس دوران طبیعت میں نشیب و فراز آتے رہے۔ محبوب بیٹے سے راز و نیاز چلتے رہے ۔اور ۲ نومبر ۱۹۷۴ء بمطابق ۱۶ شوال ۱۳۹۵ ھ بروز ہفتہ صبح پونے آٹھ بجے چراغ زندگی ٹمٹمایا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ بدلے تو بدل گئی دنیا — اب تو اپنا بھی اعتبار نہیں
کیسے بھولے گا تیرا وقت سفر — تا اَبد مجھ کو اب قرار نہیں

وقت آخر زباں پر اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن کا ورد تھا۔ اس سے قبل تمام رات

پُرسکون گزری تھی۔صبح صرف ۱۰ منٹ کے لئے طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا تھا۔

انتقال کے بعد ایمبولینس کے ذریعے ہسپتال سے گھر لائے گئے۔ اور شام ساڑھے چار بجے نمازعصر کے بعد جھنگ صدر کی قدیمی جنازہ گاہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی ۔ جو وصیت کے مطابق حضرت شیخ الاسلام نے پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد جونہی کپڑا چہرے سے ہٹایا اللہ اکبر، عجب ایمان افروز منظر تھا۔ چہرے پر بے پایاں خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ لبوں پر مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ چہرے پر بے اندازہ رونق اور تبسم دیکھ کر حضرت شیخ الاسلام کے ایک دوست محترم شیخ ظفر صاحب بے ساختہ مبارک دینے لگے۔

نشانِ مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

(میں تجھے مردِ مومن کی علامت بتاتا ہوں۔ جب وہ وفات پاتے ہیں تو ان کے ہونٹوں پر تبسم کھیلتا ہے۔)

اس موقع پر زیارت کے بعد ہر شخص سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ رہا تھا۔ ہر زائر مسرور تھا اور کسی جانب سے یہ آواز بھی آئی:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ○ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً○
فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ○ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ○ (الفجر، ۸۹: ۲۷-۳۰)

”اے اطمینان پا جانے والے نفس ○ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب) ○ پس تو میرے (کامل) بندوں میں شامل ہو جا○اور میری جنتِ (قربت و دیدار) میں داخل ہو جا○“

ہر شخص کہہ رہا تھا کہ تمام عمر ایسا منظر نہیں دیکھا۔ سکون و اطمینان کا یہ نظارہ اپنی مثال آپ تھا۔ آخر جسم اقدس اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ سپردِ خدا کر دیا۔

مرگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم اختیارِ کوئے دوست

ایک خواب

انتقال کے دسویں روز ۱۱ نومبر کو قبلہ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے والد محترم کی طرف سے روزہ رکھا۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں: کیونکہ والد صاحب قبلہ کے آخری ۵ روزے بوجہ علالت رہ گئے تھے۔ خواب میں قبلہ والد صاحب کی زیارت ہوئی۔ دیکھتے ہیں کہ ایک کھلا میدان ہے یہاں کئی لوگ آ رہے ہیں اور کئی جا رہے ہیں۔ ہر شخص کے پاس اپنی ایک ایک چادر ہے۔ والد صاحب قبلہ ایک چار پائی پر آرام فرما ہیں۔ خوبصورت رنگین بستر بچھا ہوا ہے میں پہلی نظر پڑتے ہی سوال کرتا ہوں۔

۱۔ ابا جان نکیرین جب سوال کے لئے آئے تو کیا ہوا؟ آپ رحمہ اللہ مسکرا کر فرماتے ہیں بیٹا جب نکیرین سوال و جواب کے لئے قبر میں آئے تو نماز ادا کر رہا تھا۔ کونسی نماز؟ (میں نے پوچھا) فرمایا عصر کی نماز پڑھ رہا تھا تو نکیرین مجھے حالت نماز میں دیکھ کر واپس چلے گئے اور لوٹ کر اب تک واپس نہیں آئے۔

۲۔ میں نے دوسرا سوال کیا، ابا جان نمازِ جنازہ ادا ہو جانے کے بعد آپ کیوں مسکرا رہے تھے؟ فرمانے لگے: میری روح لوٹ آئی تھی اور میں اس وقت زندہ تھا۔

۳۔ ابا جان آپ اتنے دن ہم سے کیوں نہیں ملے؟ فرمانے لگے: مجھے مختلف مناظر اور مقامات دکھائے جا رہے تھے میں انہیں دیکھنے میں مصروف تھا اور جب جنازہ کے بعد تم لوگوں نے مجھے مسکراتے دیکھا اس وقت بھی دراصل میں ایک نظارہ دیکھ رہا تھا اسی وجہ سے میرے چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ تھی۔ بس اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔

۴۔ محمد اقبال منہاس جو بہت عرصہ ریلوے میں مجسٹریٹ رہے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں ان کے حضرت فرید ملت کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے، کشف قبور کے عامل ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کے وصال پر تعزیت کے لئے آئے اور وہاں پر موجود ہزاروں افراد کی موجودگی میں جن برزخی حالات کا وہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی قبر مبارک پر مشاہدہ کر چکے تھے۔ وہ مشاہدات انہوں نے رو رو کر بیان کرتے ہوئے کہا ''میں نے ایک بہت ہی وسیع و عریض اور عالیشان میدان دیکھا ہے جس میں حد نگاہ تک درخت ہی درخت ہیں۔ اور ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اعلیٰ مدارج اور بلند مقامات عطا کر رکھے ہیں جو جلیل القدر اولیاء اللہ عظیم المرتبت فقراء اور بڑے بڑے عشاق کو نصیب ہوتے ہیں۔''

حضرت شیخ الاسلام کی اہلیہ محترمہ اختناق الرحم کی مرض میں مبتلا ہوگئیں۔ گھر کا سارا سکون برباد ہوگیا۔ چھ سات ماہ تک مسلسل ہر قسم کا ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک اور حکیموں کا بہترین سے بہترین علاج کروانے کے باوجود صحت یاب نہ ہوئیں۔ بڑی پریشانی لاحق ہوگئی۔ فکر و اندوہ کے اسی عالم میں ایک شب خواب میں حضرت فرید ملت رحمہ اللہ نے اپنے زاہد شیخ الاسلام کو شرف زیارت بخشا اور خواب ہی میں انہیں اپنے قلمی مخطوطہ موسوم بہ ''تفرید الفرید'' جو گھر میں موجود تھا، لانے کے لئے کہا۔ اور اس کے خاص صفحات پر تحریر شدہ نسخہ استعمال کرانے کی ہدایت فرمائی اور باقی تمام ادویات ترک کر دینے کا حکم دیا۔ اس نسخہ کے استعمال سے دو تین ماہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محترمہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگئیں۔ آج طویل عرصہ بیت جانے کے باوجود دوبارہ تکلیف نہیں ہوئی۔ وہ نسخہ جب حکیم مہر محمد شفیق افضل جو کہ جھنگ کے معروف اور کامیاب معالج تھے کو دکھایا گیا تو یہ واقعہ سن کر اور نسخہ دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑ گئے۔ اور کہا کہ اس مرض میں یہ نسخہ اپنی تخلیق کا شاہکار ہے انہوں نے آئندہ اس مرض کے تمام مریضوں کو یہی نسخہ استعمال کرانا شروع کر دیا۔

اسی طرح حضرت شیخ الاسلام کی ہمشیرہ محترمہ مسرت جبیں کا دماغی توازن مختل

ہوگیا۔ گھر میں ڈاکٹر محمد احسن ایم ایس جھنگ کے زیر علاج رہیں۔ دیگر ڈاکٹروں اور معالجین سے بھرپور علاج کروایا، تمام ڈاکٹروں نے مرض کو لاعلاج قرار دیا۔ لاہور کے دماغی امراض کے ہسپتال سے بھی علاج کروایا، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا، ساری رات اسے پکڑ کر گذارتے، وہ چیختیں اور اُٹھ اُٹھ کر بھاگتیں، موصوفہ مسلسل ایک سال ناقابل بیان کرب و اذیت میں مبتلا رہیں۔ ان کی اس مرض نے گھر کا سکون برباد کر دیا۔ جب پریشانی انتہاء کو پہنچ گئی تو حضرت شیخ الاسلام کو خواب میں والد گرامی حضرت فرید الدین رحمہ اللہ تشریف لائے اور انہیں ہومیو پیتھک میڈیسن کالی فاس، ایکس ٦ جو کسی جرمنی فرم کی تیارشدہ تھی استعمال کرانے کے لئے کہا۔ صبح اُٹھ کر حضرت شیخ الاسلام نے وہ نام نوٹ کر لیا اور جھنگ کے ایک معالج ڈاکٹر خالد اکبر حیات صاحب (جو کہ رانا جاوید مجید القادری کے ہم زلف ہیں) سے اس نسخہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے فیصل آباد کی ایک فارمیسی کا پتہ بتایا۔ جہاں سے وہ دوائی مل گئی۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ دو تین کورس سے انہیں مکمل صحت یابی ہوگئی اور پھر دوبارہ کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

حضرت فرید ملتؒ - ایک عظیم شاعر

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ ایک عدیم المثال خطیب، بلند پایہ مقرر، معتبر عالم دین اور جلیل القدر طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اپنے ذوق و صلاحیت کو جلا دینے کے لئے قیامِ لکھنؤ کے دوران آپ امیر مینائی کے شاگرد شکیل مینائی سے اصلاح لیتے رہے۔ آپ کے اندر شعر کہنے کا ملکہ اس قدر راسخ ہوگیا تھا کہ آپ کا فی البدیہہ کلام سن کر بڑے بڑے شعراء انگشت بدنداں رہ جاتے۔ لکھنؤ کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا جس میں چوٹی کے شعراء شریک ہوں ۔اور اس میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ شامل نہ ہوں۔ آپ نے شاعری ہی ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ مشاعرے لوٹے اور دادیں وصول کیں۔ آپ نے اپنے کلام کا ایک مجموعہ دیوان قادری کے نام سے جمع بھی کیا تھا، جو کچھ عرصہ تک ان کے فرزند ارجمند حضرت شیخ الاسلام کے پاس محفوظ رہا لیکن بعد ازاں کہیں کھو گیا، قارئین کے ذوق کے لئے نمونہ کلام کے چند شہ پارے پیش خدمت ہیں۔

سلام بحضور خیر الانام ﷺ

السلام اے مطلعِ صبحِ ازل
السلام اے جانِ ہر نثر و غزل

السلام اے قلزمِ جود و سخا
السلام اے مصدرِ حمد و ثناء

السلام اے موجبِ ایجابِ کُن
السلام اے جرأت آموزِ سخن

السلام اے ناظرِ اطوار خلق
السلام اے شاہد کردارِ خلق

السلام اے پرتوِ ذاتِ جلال
السلام اے حلقۂ نور و جمال

السلام اے زبدۂ کون و مکاں
السلام اے شرحِ اسرار و بیاں

السلام اے عقدۂ اندر گلیم
السلام اے موج نور اندر حریم

السلام اے ماورائے قال و قیل
السلام اے برقِ بالِ جبرائیل

تیرے دم سے نظمِ دو عالم مدام
تیرے دم سے کائنات اندر خرام

تیرے دم سے بزمِ ہستی دلفریب
تجھ سے ہے ارکان میں صبر و شکیب

تجھ سے رخشندہ و روشن روئے آب
تجھ سے رقصاں نیل وجیھوں اور چناب

تجھ سے پروانے کے دل میں سوز و ساز
تجھ سے قلب شمع میں ذوقِ گداز

ہاں مگر اے خواجۂ گیتی نواز
درد مندانِ جہاں کے چارہ ساز

چاہتا ہوں مجھ کو جذب اندوز کر
ساز ہوں مجھ کو سراپا سوز کر

چاہتا ہوں آشنائے راہ کر
مجھ کو رازِ زیست سے آگاہ کر

مجھ کو ایسی مستی جاوید دے　　جو میری آنکھوں کو تیری دید دے

میرے سینے میں تیری ہی یاد ہو　　مری دنیا میں تو ہی آباد ہو

میرا ہر موئے بدن اِک ساز ہو　　یا رسول اللہ کی آواز ہو

نفسِ اَمارہ کہے **اِنِّی سَقِیُم**
منہ کے بل گر جائے **شیطان رجیم**

بہارِ طب

ساقی محفل چلے پھر بزم میں دورِ شراب
ہے نشاط انگیز بسکہ آج ہر موجِ چناب

گرم کی جن کی کرامت نے زمستاں کی ہوا
ہیں کرفس و زنجبیل و سازج و برگِ سلاب

کرتے ہیں سمیتِ باد خزاں کا تنقیہ
شیرخشت و غاریقون و تربد عرقِ گلاب

ہیں لیے گلرنگ پیانوں میں صہبائے بہار
چاندنی و سوسن و صد برگ و گلنار و گلاب

ہیں شراب نو بہاری کے نشے میں سرخرو
زعفران و انجبار و صندل و عود و عناب

چشم نرگس رہ گئی محرومِ سوز آرزو
گیسوئے سنبل نہ ٹوٹا سعد کوفی کا شباب

پھونک ہر ذرّے میں سینائی طلسم زندگی
چھیڑ پاکستاں میں تُو پھر آکے فارابی رباب

وقف کر دے زندگیِ مستعار اپنی فریدؔ
جھوم کر آئے گا آخر رحمتِ حق کا سحاب

ہدیۂ عقیدت بحضور

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ

تونے ظلمت کو پھر سحر دی ہے   چشمِ عالم کو پھر نظر دی ہے
تیرے آنے سے سرزمینِ جھنگ   رشک صد چرخِ لاجوردی ہے
مرے سلطان شب برات ہے آج   مہ و انجم نے یہ خبر دی ہے
جس نے اقصائے دہر میں آ کر   گرم بزمِ حیات کر دی ہے
تلخی روزگار کے بارے   جن کے چہروں پہ چھائی زردی ہے
تیرے در پر کھڑے ہیں فریادی   کاغذی جن کی ساری وردی ہے
آج ہر اک پہ ہے نظر تیری   تجھ کو قدرت نے وہ نظر دی ہے
تیرا دستِ عطا ہے دستِ خدا   ''میرِ لولاک'' نے خبر دی ہے

باہو اپنے فرید بے دِل کو
دل عطا ہو اگر نظر دی ہے

ایک رُوح

ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی محمد فرید جو اکیس سال کی عمر میں وصال فرما گئے، ان کے وصال پر غم واندوہ کی کیفیات اور نالۂ دل اشعار کی صورت میں

جا رہی ہے جسمِ خاکی سے اک افسردہ سی رُوح
دل شکستہ غمزدہ ناشاد پژمردہ سی روح
شومئی قسمت پہ نالاں اور دل آزردہ سی روح

عالم برزخ کی جانب چشم تر کھولے ہوئے
من کی ممٹی پر کھڑی ہے اپنے پَر کھولے ہوئے

اِک طرف اکیسویں سن کی ہمہ سامانیاں
اِک طرف مجبوریاں، لاچاریاں، حیرانیاں
اک طرف قسام قسمت کی قلم جنبانیاں

اک طرف گھبرا کے سوئے منزل لا منتہی
جا رہی ہے حسرتوں کے سیل میں بہتی ہوئی

جا رہی ہے رشتہ تارِ نفس کو توڑ کر
ہم نوا کو شورشِ عالم میں تنہا چھوڑ کر
بستہ فتراک الفت اس طرح منہ موڑ کر

جیسے وہ قیدی جو پہرے دار کی للکار سے
پابجولاں جا رہا ہو تیزئ رفتار سے

بجھ گیا بس ایک لمحے میں چراغ زندگی
زندگی کی مے سے خالی ہے ایاغ زندگی
مل نہیں سکتا کہیں بھی اب سراغ زندگی
آنکھ جم کر رہ گئی ایک شمع رعشہ دار پر
جس کی مدھم روشنی ہے سامنے دیوار پر